خلیفۂ ثالث داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کاتب وحی، ناشر قرآن کریم

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مصنف
محمد حسین ہیکل

مترجم
پروفیسر حکیم مرزا صفدر بیگ

تحقیق اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ تم (محمد ﷺ) سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ (القرآن)

خلیفۂ ثالث، دامادِ رسول ﷺ، کاتبِ وحی، ناشرِ قرآن

مصنف

محمد حسین ہیکل

مترجم

پروفیسر حکیم مرزا صفدر بیگ

ناشران

بک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977, 621953 موبائل 0323-5777931

قرآن عظیم کا سب سے قدیم نسخہ جسے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تیار کیا گیا
جو آجکل ازبکستان کے دار الحکومت تاشقند میں محفوظ ہے
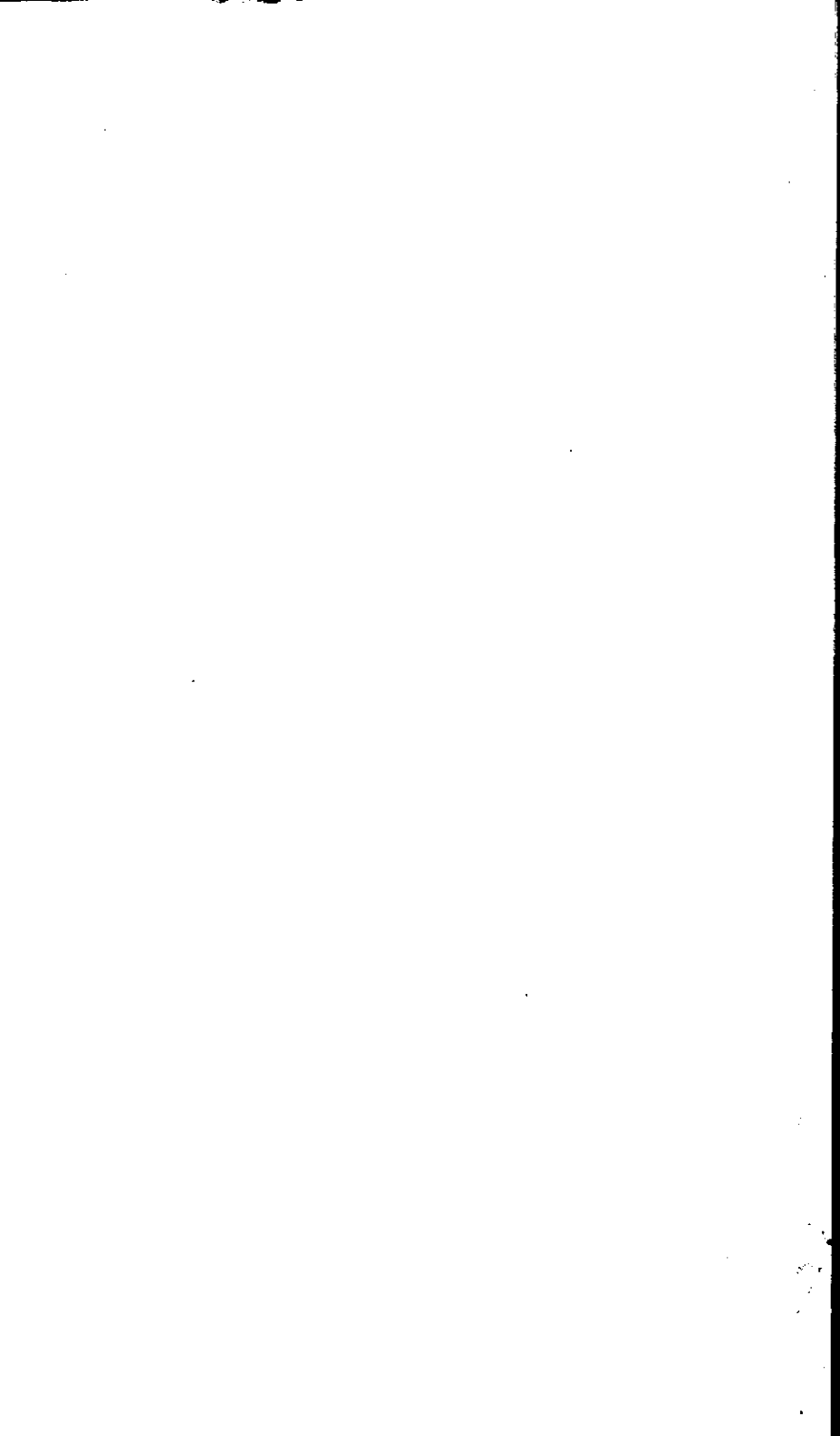
جنت البقیع
میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا مرقد مبارک
آپ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام کیلئے گرانقدر عطیات دیئے۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
نے اس پر خوش ہو کر فرمایا کہ "اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"
حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل آج کے صاحبِ خیر مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہے۔

فہرس

الفصل الاوّل

الفصل الثانی

الفصل الثالث

الفصل الرابع

الفصل الخامس

الفصل السادس

الفصل السابع

✿......✿......✿

تاریخ کے موضوع پر لکھنا ایک مشکل اور پیچیدہ کام ہے۔ مسلمان مؤرخوں نے اس فن کو جس درجہ کمال تک پہنچایا ہے اس کی مثال کسی اور قوم میں مشکل ہی سے ملتی ہے۔ مسلمان مؤرخ کئی سو سال قبل اس فن کو اصولِ حدیث کی روشنی اور اس طرز میں پرکھتے اور روایات کے صحیح ہونے اور غیر تسلی بخش ہونے اور سچائی و کذب پر ان کی گہری نظر ہوتی تھی۔ جس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے حالات و واقعات اور ان کی سیرت و کردار کو غیر مسلم اقوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حدیث کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت نگاری اور سوانح نویسی کا باب ہماری تاریخ کا اہم ترین موضوع ہے اور چودہ سو سال کے طویل دَور پر محیط مسلمانوں کے عروج و زوال، اثر ورسوخ اور نفاذِ اسلام کی کوششیں اتنی تفصیل اور احتیاط سے ملیں گی کہ ان کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔

جدید دَور کے مؤرخین میں محمد حسین ہیکل کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔
ان کی سیرت نگاری پر کتاب ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' اور خلفائے راشدین پر لکھی گئی ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' اور ''حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ'' سے ہر سیرت اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے شخص کے یقیناً علم و مطالعہ میں ہوں گی۔ زیرِ نظر کتاب ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' بھی ان کی خلفائے راشدین سیریز کی ایک اہم کڑی ہے۔ گو یہ کوئی زیادہ جامع و مفصل کتاب نہیں ہے اور اس کی وجہ بیرسٹر احمد ہیکل کے بقول ان کی سیاسی زندگی کے احوال و ظروف نے انہیں اپنی فکری اور اَدبی کاوشوں سے دُور رہنے کا حکم دیا۔ ان کے پروگرام میں یہ بات شامل تھی کہ عہدہ وزارت کے دوران ان کی کوئی کتاب منظرِ عام پر نہ آئے۔ نیز اس دوران ان کے پاس اپنی شروع کی گئی تحقیق کو مکمل کرنے کا وقت بھی نہ ہوتا تھا اور وہ اس کو فراغت کے وقت تک مؤخر کرنے کیلئے مجبور ہو جاتے تھے اور یہی حالت ان کی اس وقت بھی تھی جب وہ مجلسِ شیوخ کے صدر مقرر ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کی باقیماندہ تحقیق کو سال بہ سال مؤخر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے بعد ان کا اس تحقیق کی طرف واپس آنا آسان امر نہ رہا۔ ڈاکٹر ہیکل نے اپنی پہلی کتابوں میں جو طریق اختیار کیا اس کتاب میں بھی انہوں نے اسی اسلوب کو مدِ نظر رکھا اور اس سے گریز نہیں کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخِ اسلام کا ایک انتہائی دردناک پہلو ہے۔ اس سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی کیا کم نقصان تھا کہ جس کے بعد عمر رسیدہ خلیفہ کی بیاسی سال کی عمر میں شہادت نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ایک ایسے انتشار کو جنم دیا جو آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اُمت

میں سے ختم نہیں ہو سکا اور آپ کی یہ پیشگوئی بھی حرف بحرف دُرست ثابت ہوئی کہ جو آپ نے اپنے محاصرے کے دوران باغیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا ''یاد رکھو! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو بخدا پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کر سکو گے۔'' اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے اسلام کی وحدت میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک پُر نہیں ہو سکا۔ آپ کی شہادت کے افسوس ناک نتائج کے بارے میں سب کا اتفاق ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شہادت کی خبر سن کر فرمایا ''عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا۔'' عبداللہ بن سلام نے کہا ''آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سن کر فرمایا ''خدایا! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بَری ہوں۔'' حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قومِ لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لوگو! اگر تمہاری بداعمالیوں کی سزا میں کوہِ اُحد بھی تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے۔'' ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو وہ بے اختیار رونے لگے اور کہا ''آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''عثمان رضی اللہ عنہ دُھلے ہوئے کپڑوں کی طرح پاک و صاف ہو گئے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب تک زندہ تھے خدا کی تلوار نیام میں تھی، آج اس شہادت کے بعد یہ تلوار بے نیام ہو گئی اور یہ قیامت تک کھلی رہے گی۔'' کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے بے اختیار چند دردناک شعر نکلے ''آپ نے دونوں ہاتھ باندھ لیے اور اپنا دروازہ بند کر لیا اور اپنے دل سے کہا اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے،

آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا دُشمن کے ساتھ لڑائی نہ کرو، آج جو شخص میرے لیے جنگ نہ کرے وہ خدا کی امان میں رہے، اے دیکھنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپس کا میل محبت کس طرح ختم ہوا اور خدا نے اس کی جگہ بغض و عداوت مسلط کر دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھلائی مسلمانوں سے اس طرح دُور نکلے گی جس طرح تیز آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔''

محمد حسین ہیکل صاحب کی یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل تھی جس میں آخری دو ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ایک باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیے گئے اعتراضات کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے اور دوسرے باب میں فقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عنوان سے آپ کی فقہی ذہانت و بصارت کو پیش کیا گیا ہے۔امید ہے کہ یہ کتاب عام قاری کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے حالات کو جاننے والوں کیلئے کہ اہم دستاویز ثابت ہوگی۔

پروفیسر مرزا صفدر بیگ

دیباچہ

طبع دوم

الحمد للہ وکفیٰ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت پر محمد حسین ہیکل صاحب کی یہ تصنیف جس کا ترجمہ، ترتیب و تدوین کا شرف مجھ ناچیز کو حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ بہت ہی کم وقت میں اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ طبع دوم کے سلسلے میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا پہلا ایڈیشن ابھی اپنے آخری مراحل میں تھا کہ ۱۶ جون ۲۰۰۲ء کو میرے بڑے بھائی صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ جس کی وجہ سے قریباً ڈیڑھ ماہ تک کتاب پر کام رُکا رہا۔ پھر بعجلت تمام اس کے آخری دو باب مکمل کر کے انہیں پریس میں بھجوا دیا گیا۔ چند ایسے موضوعات کہ جن کا ذکر کتاب میں کر دیا گیا تھا اور ان پر مفصل بحث پیش لفظ کے لئے چھوڑ دی گئی تھی وہ بھی تحریر نہ ہو سکے اور کتاب کا مقدمہ جو محترم راجہ طارق محمود نعمانی صاحب نے تحریر کیا تھا وہ بھی شامل اشاعت نہ ہو سکا۔ جو اب طبع دوم میں شامل کر دیا گیا ہے۔

حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور آپ کی فضیلت پر کتاب کے اندر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے مختصر طور پر آپ کے فضائل درج ذیل ہیں:

☆ بہت سے سوانح نگاروں کے مطابق، اسلام لانے والے مردوں میں آپ کا دوسرا نمبر ہے۔
☆ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح
☆ ہجرت حبشہ اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش
☆ ہجرت مدینہ طیبہ
☆ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح
☆ صلح حدیبیہ میں آپ کا کردار
☆ بیعت رضوان اور قرآن کی آیت "لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرہ"
☆ بیئر رومہ کی خریداری اور اسے مسلمانوں کے لئے وقف کرنا
☆ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر و توسیع کا شرف
☆ غزوہ تبوک کے موقع پر بے حساب مال پیش کرنے کی فضیلت

کتاب میں موقع کی مناسبت سے تقریباً ان تمام امور پر بات کی جا چکی ہے۔ جہاں تک حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ذات کا تعلق ہے تو اس پر مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ میں تقریباً چار یا پانچ سال مقیم رہے۔ اگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہجرت کے پہلے سال تسلیم کر لی جائے تو ہجرت مدینہ کے وقت آپ کی عمر کم و بیش

آٹھ یا نو سال بنتی ہے۔ اگر آپ کی پیدائش کو قیام حبشہ کے آخری سال تسلیم کیا جائے تو ہجرت مدینہ کے وقت آپ کی عمر چار یا پانچ سال بنتی ہے۔ اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر سولہ یا سترہ سال ہو گی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں ''تزوج رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللّٰہ فولد منھا عبد اللّٰہ'' ''سیدہ رقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ رضی اللہ عنہ (اکبر) پیدا ہوئے۔'' ان عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ صغیر میں ان کی وفات کا تذکرہ کیا ہے۔ امام بخاری کے بعد ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۸۶ھ، طبری متوفی ۳۱۰ھ، ابن عبدالبران کے بعد آٹھویں ہجری کے دمیری وغیرہ نے ان کی وفات کا تذکرہ مختلف مختلف انداز میں کیا ہے۔ مگر امام نووی، معین الدین ندوی، مشہور مستشرق ٹری برنگھم، ابن کثیر، امام ابن تیمیہ، المرزبانی وغیرہ نے ان کی وفات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ آخری پانچ حضرات نے انہیں صاحب اولاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح تیسری صدی کے وسط تک کسی مؤرخ یا محدث نے ان کی وفات کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل پندرہ افراد کی فہرست جو اس عرصہ کے مشہور ومعروف مؤرخ یا محدث گزرے ہیں۔

۱۔ امام مالک ۱۷۹ھ

۲۔ سفیان بن عینیہ ۱۰۷ھ تا ۱۹۸ھ

۳۔ شریک بن شہاب المتوفی ۱۴۰ھ

۴۔ ربیعہ المتوفی ۱۳۶ھ

۵۔ ابوعوانہ المتوفی ۱۷۶ھ

۶۔ ابن المبارک ۱۰۸ھ تا ۱۸۱ھ

۷۔ الاوزاعی ۸۸ھ تا ۱۵۷ھ

۸۔ لیث بن سعد ۹۱ھ تا ۱۵۷ھ

۹۔ حماد بن زید المتوفی ۱۹۹ھ

۱۰۔ حماد بن سلمہ المتوفی ۱۹۹ھ

۱۱۔ شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ

۱۲۔ شافعی ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ

۱۳۔ ولید بن مسلم ۱۱۹ھ تا ۱۹۵ھ

۱۴۔ محمد بن حسن شیبانی ۱۳۲ھ تا ۱۸۹ھ

۱۵۔ احمد بن حنبل ۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ

یہ ایک طویل بحث طلب موضوع ہے۔ علماء کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جوان ہوئے، شادیاں کیں، صاحب اولاد ہوئے اور آج براعظم افریقہ اور برصغیر پاک و ہند کے خطوں میں ان کی اولادیں موجود ہیں۔ جن کے شجروں کی صحت پر متقدمین میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، اور اس دور کے دیگر مشائخ و متاخرین نے جن میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، سید محمد عبدالستار شاہ رحمۃ اللہ علیہ حسنی فاطمی ملتانی، سید سعید احمد کاظمی اور نواب مشتاق احمد گورمانی وغیرہ نے اظہار خیال کیا ہے۔ (شجرہ جات آخر میں ملاحظہ کیجئے۔)

یہ شجرہ مفصل طور پر کتابی شکل میں پہلی مرتبہ خدا بخش نقشہ نویس نے لکھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں سٹیم پریس راولپنڈی میں شائع ہوا۔

سخن ہائے گفتنی

مسلمان قوم اول و آخر ایک تبلیغی قوم ہے اور جب سے اس نے اپنی حیثیت کو نظر انداز کیا ہے وہ مسلسل روبہ زوال ہے اور اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ ہماری موجودہ نسل اپنے اسلاف کے کارناموں سے مطلقاً نا آشنا ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے میں جہلم کے محقق محترم جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب نے اسلاف کرام کے متعلق معلومات افزا اور فکر انگیز کتاب شائع کروانے کا بیڑا اٹھایا ہے اور ان کا یہ کام وقت کی عین ضرورت ہے۔

اب کے انہوں نے جناب محمد حسین ہیکل (مرحوم) کی اہم کتاب ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کو مزید اضافے کے ساتھ دلکش انداز میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جاں نثارِ اسلام، دامادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلیفہ راشد ثالث امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہل اسلام کی ایک قد آور شخصیت ہیں۔ جن کو حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کا موقع عرصہ دراز تک ملا اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ کا زمانہ خلافت طویل نہ تھا۔ اس دوران براعظم کے کئی ایک غیر مسلم ممالک سلطنت اسلامیہ کے

زیرنگوں ہوئے۔ امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام ہی سے اپنے مال و دولت کو اشاعتِ اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ایسے میں امیر المومنین کی حیات مقدسہ اور کارہائے نمایاں ہمارے مسلم حکمرانوں کے لئے رہنمائی کا باعث بن سکتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حلم و بردباری کا مجموعہ تھے۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا۔ امیر و غریب سے ایک جیسا سلوک کیا اور اپنے بعد کے جانشینوں کے لئے نمونہ عمل بن گئے۔

بارگاہ ایزدی میں دُعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس کتاب سے مستفیض ہونے کا موقع دے اور جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب اور ان کے معاونین کو جزائے خیر دے اور ان کے اشاعتی پروگرام کو کامیاب تر بنائے۔

آمین!

العارض

مرزا ارشاد احمد علیمی

جمیل منزل، جادہ جہلم

حرفِ جبین

قافلۂ بہار را طاہر پیش رس نگر
آنکہ بخلوتِ قفس گفت پیام خویش را

اس تصنیف وتالیف کا محور ایسی مقدس ذات ہے جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے تھے۔ یہ تالیفی تصنیف ایک ایسی ہستی نامدار، شجرِ پر بہار کی خوشبو سے مہک رہی ہے جن کے بارے میں مشکوٰۃ شریف جلد سوم ''مناقبِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان میں'' ان کے شرم وحیاء وعظمت پر حضور پرنور ذات خوشبو دار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہے۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پنڈلیاں کھولے پڑے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور آپ اسی حال میں تھے باتیں کیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اذن چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں تھے عمر رضی اللہ عنہ نے باتیں کیں۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اذن چاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھے اور اپنے

کپڑے درست کر لیے۔ جب صحابہ کرام (ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ) چلے گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرکت نہ کی اور ان کے آنے کی پرواہ نہ کی، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرکت نہ کی اور نہ ہی ان کے آنے کی پرواہ کی۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ بیٹھے اور اپنے کپڑے درست کر لئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ ایک مرد شرم وحیا والا ہے اور میں ڈرا اگر میں ان کو اجازت دوں اور وہ شرم کی وجہ سے اپنی ضرورت لے کر مجھ تک پہنچ ہی نہ سکے۔"

(مسلم شریف)

جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ ایک ادبی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ جس کا اثر ان کی روح پرور تحریروں میں صاف جھلکتا ہے۔ انہوں نے مشہور محقق و تاریخ دان جناب محمد حسین ہیکل کی تصنیف ''حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ'' کو ترتیب دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاتِ حیاء دار کو جس طرح مختلف ابواب میں احسن طریقہ سے بیان کرنے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے (اور پھر اس میں گراں قدر اضافہ کیا گیا ہے) یہ موصوف کے عمیق مطالعہ دین کی عکاسی کرتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے (تمہید میں) درست فرمایا کہ تاریخی موضوعات پر قلم اٹھانا یقیناً ایک

مشکل کام ہے۔ اس کے باوجود جس منجھے ہوئے انداز میں پروفیسر صاحب نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے درجہ بدرجہ ساری زندگی پر محققانہ نظر ڈالی ہے یہ عام قلمکار کے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے جس طرح دھیمے اور سلجھے ہوئے اندازِ فکر و تحریر سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے واقعات زندگی کو ایک ردھم میں متصل کیا ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی تو ایک سمندر کی مانند تھی۔ ان میں پڑے ہوئے موتیوں میں سے ایک موتی کی حیاتِ بحرِ رواں اور ان کے شعور و آگہی کو سجایا جو کہ ایک خوبصورت کاوش اور اضافہ ہے۔

چہ بحراست ایں کہ علمش ساحل آمد؟
زقعرِ او چہ گوہر حاصل آمد؟

زیر نظر ترتیبی تصنیف دینی ادبی پس منظر میں ایک شاہکار ہے جو کہ جستجو، ذوق، تحقیق اور دین سے محبت کا ایک خوبصورت و سچا اظہار ہے۔

ربّ کائنات عزوجل سے دعا ہے کہ اپنے پیارے رسول حضور پرنور ذات خوشبودار صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جمیلہ سے مؤلف کے ادبی و دینی ذوق کو مزید ترقی عطا فرمائے اور انہیں جسمانی و روحانی صحت سے اپنی رحمتِ جلیلہ سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

فقط تشنگاہ حضوری

پروفیسر ڈاکٹر شہزادہ ایم اے بٹ
چیف ایگزیکٹیو ہربلیکا انٹرنیشنل فارما
(پرائیویٹ) لمیٹڈ

مُقَدّمَہ

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ از محمد حسین ہیکل"

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ (آمین)

ارباب سیاست سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جدید تاریخ و سیاست کے حوالہ سے سرزمین مصر کے جدید معمار علامہ جمال الدین افغانی مرحوم ومغفور کی شخصیت ہی سمجھی جاتی ہے۔

علامہ سید جمال الدین افغانی مرحوم کے بارے میں جناب محمد حسین الاعظمی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

جدید مصر کے معمار:

سید جمال الدین افغانی کی زندگی کا تعلق یورپ (Europe) اور ایشیا (Asia) کی تاریخ (History) کی دو گزشتہ صدیوں سے اتنا گہرا رہا ہے کہ شیخ کے اذکار کے بغیر ان دونوں کی تاریخ یقیناً نامکمل رہے گی۔ شیخ کی روئیدادِ

زندگی اس زمانے کی سیاست (Politics) کے ایک اہم گوشہ پر حاوی ہے جب ایشیاء (Asia) پر یورپین استعمار پھیلتا جا رہا تھا اور اس کی گرفت کے اندر ایشیاء کی سوتی ہوئی قومیں کہیں کہیں کروٹیں بدلنے لگی تھیں۔

شیخ کی زندگی کا تعلق اسلامی قوم کی بیداری سے ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایشیاء کی عام بیداری سے ان کی جدوجہد (Struggle) بے معنی رہی ہے۔

شیخ اپنی تحریک اتحادِ اسلامی میں مسلمان قوم کی وطنی اور قومی وحدتوں کو محو کر دینا نہیں چاہتے تھے۔۔ بلکہ ہر وحدت (Solitriness) کو بجائے خود وطنیت کے جذبے پر مستحکم کر کے ان کا ایک ایسا وفاق (Fedration) بنانا چاہتے تھے جو کہ یورپین ایمپیریلزم کی دراز دستی کا مقابلہ کر سکے۔

آج اگر شیخ زندہ ہوتے تو مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اسلامی اخوت سے وطنیت کے جدید تخیل کو ہرگز خارج نہ سمجھتے بلکہ مغربی ممالک کی آزادی کے لیے عربوں کی تائید کرتے اور وسطِ ایشیاء (Middle Asia) کی ریاستوں میں تاتاریوں کے وطنی حقوق کا مطالبہ کرتے اور ترکی وطن میں ترکوں کے استحکام کی کوششیں کرتے جس طرح ایران (Persia) میں وہ ملتِ ایران کی آزادی (Liberty) کے لیے کوشاں رہتے حقیقت یہ ہے کہ مصری، ترکی اور ایران احرار کی جدوجہد کی تمام احساس ایک وطن شدید وطنیت (ملخصاً)

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک)

از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب حصہ اول ص ۹۵،۹۶

بہر کیف مسلم ممالک میں سیاسی و وطنی اور مذہبی احساس کی جو جدید لہر

دوڑ اٹھی تھی اس کا اثر یورپین ممالک کی جدید تحریکوں پر پڑا۔

شیخ جمال الدین افغانی نے جا بجا اسلامی ممالک بشمول سرزمین پاک و ہند کے طول وعرض کے دورے کیے اور مسلمانوں میں آزادئ وطن، آزادی حقوق انسانی اور مذہبی و دینی حقوق کے تحفظ پر زور دیتے ہوئے ایک جدید صحافت کی بنیاد رکھی اور اخبار نویسی اور اخبار بینی کا ذوق پیدا کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اور کامیاب جدو جہد کے حوالے سے سب سے بڑی سیاسی انجمن ''انجمن حیات الوطنی'' یا محفل وطنی کی بنیاد رکھی چنانچہ بالآخر اس انجمن سوسائٹی کی شاندار کارکردگی اور کامیابی اور اثر ونفوذ سے مصری و برطانوی مدّبرین کو بھی نہایت تعجب کا سامنا کرنا پڑا۔

چنانچہ لارڈ کرومر صاحب نے اپنی رپورٹ میں ریمارکس کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

اگر یہ انجمن مصر میں ایک سال اور قائم رہی، جمال الدین مصر میں اور مقیم رہے تو برطانوی اثرات تباہ ہو جائیں گے۔

مصر کے متعلق شیخ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نہ صرف مصر(Egypt) کا مشہور اخبار'' مصر'' جاری کروایا بلکہ دو پرچے اور بھی شائستہ عربی زبان میں نکلوائے۔ ایک کا نام'' محروسہ'' اور دوسرے کا نام'' مرآۃ الشرق'' تھا۔

جناب محمد حسن الاعظمی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

ان میں ملک کے حالات پر بہت جرأت کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا تھا۔ خدیو اور اس کے وزراء تک نکتہ چینی سے محفوظ نہ رہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ نے

مصر میں اخبار نویسی کی ایک نئی فضا پیدا کر دی۔

اور معاملات ملکی پر بحث اور تبصرہ کا ایک ایسا راستہ کھول دیا جس سے پہلے کوئی واقف نہ تھا۔ شیخ کی تعلیمات کا حلقہ جس قدر وسیع ہو گیا اور شیخ کے قلم کی فراوانی جس قدر زیادہ ہوتی گئی اسی قدر ان کے اثر سے نئے نئے اہل قلم میدان میں آتے گئے۔

سعد زغلول رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ نعیم رحمۃ اللہ علیہ بے، احسان رحمۃ اللہ علیہ بے اور کتنے ہی ایسے نام اس زمانے کے اخبارات میں نمایاں نظر آتے تھے اور سب شیخ ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ شیخ کا عقیدہ یہ تھا کہ تنظیم ملت کے لیے ہر ایک ملک میں اخبار نویسی کو آلہ کار بنانا نہایت ضروری ہے۔

چنانچہ چند ہی روز کے بعد جب شیخ مصر سے خارج البلد ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور عرصہ تک حیدر آباد میں مقیم رہے تو اکثر اپنے خیالات حیدر آباد کے رسالہ ''معلم'' کے ذریعے سے شائع کرتے رہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے فوائد جریدہ کے نام سے ایک مضمون (Article) شائع کروایا۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی

حصہ اول بر ص ۱۰۸۲، ص ۱۰۴

بہر کیف ایک طرف آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جامعۃ الازہر کے علماء، طلباء اور نوجوانوں کے حلقوں میں اور دوسری جانب اخبارات وصحافت کے ذریعے سے عوام (Public) کے اندر سوتے ہوئے اور مضمحل قویٰ کو محرک کیا۔

جناب سیّد عبدالقدوس ہاشمی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

علامہ سیّد جمال الدین افغانی کا مشن اتحاد اسلامی تھا اور اسی وجہ سے وہ

سیاسی وطنیت اور متعصبانہ نسلیت کے شدید مخالف تھے۔ انہوں نے ان تنگ ظرفیوں کے خلاف بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا۔

انہوں نے اس مشن کے لیے بڑی بڑی شدید تکلیفیں برداشت کیں۔ وہ بہت سے ممالک سے جلاوطن کیے گئے۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ انہیں شاہ قاچار ایرانی بادشاہ نے بہت دنوں تک شاہ عظیم میں رکھا اور اس کے بعد انہیں برف (Snow) میں دبا کر قتل کر دینے کا حکم دیا۔ لیکن وہ وہاں سے بچ گئے۔

وہ چاہتے تھے کہ سارے مسلمان مل جل کر سوجھ بوجھ کے ساتھ اہل یورپ کی استعماری حرکات کا مقابلہ کریں اور یہ بات مطلق العنان بادشاہوں کے شخصی و خاندانی مفادات سے ٹکراتی تھی اس لیے مولانا کو مشرقی بادشاہی عذاب نظر آتی تھی۔

(تاریخ الافغان) اردو ترجمہ کتاب ''تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان''

مولانا جمال الدین افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ جناب علامہ سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان

''سید جمال الدین افغانی ص ۱۲

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دور حیات کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان و حجاز، ترکی و مصر، لندن و پیرس، روس و ایران و بغداد، خالقین و بصرہ وقسطنطنیہ و جرمنی و فرانس وغیرہ ممالک میں اپنے سیاسی میدان عمل کو وسعت دی۔

نظر بندیوں اور مختلف تکالیف کے سبب سے آپ رحمۃ اللہ علیہ مرض سرطان میں مبتلا ہو گئے اور بالآخر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں ترکی میں انتقال

فرمایا۔ پیدائش بمقام اسد آباد ۱۲۵۴ھ ۱۸۳۹ء وفات بمقام قسطنطنیہ بمطابق ۹ مارچ ۱۸۹۷ء۔

بہر حال سیّد جمال الدین افغانی ایک مسلمان عالم و سیاسی رہنما ہی تو تھے۔ کوئی معصوم پیغمبر تو نہ تھے۔ اس لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت کی اور اس کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں اور ساری عمر تکالیف اٹھاتے رہے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

''حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا۔''

(تاریخ الافغان) اردو ترجمہ ص ۱۶

تصنیفات میں شیخ جمال الدین مرحوم کی ایک تصنیف ہے یعنی:

۱۔ تتمۃ البیان فی تاریخ افغان، فارسی کی تصنیف ہے پھر مصر میں اس کا عربی ترجمہ شائع ہوا۔ ازاں بعد ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔

۲۔ مضمون ''رد علی الدھرین'' بزبان فارسی تحریر ہوا بعد میں اس کا عربی ترجمہ ہوا۔ یہ مضمون حیدر آباد میں شائع ہوا پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مصری شاگردوں نے اسے رسالہ کی صورت میں شائع کیا۔

مستقل تالیف و تصنیف کا سرمایہ تو بس اسی قدر ہے چند مضامین اردو اور فارسی زبان میں ''مقالات جمالیہ'' کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئے اس رسالہ کے نسخے اب کمیاب ہیں۔

ایک نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس سے

راقم الحروف کو بہت مدد ملی۔ اس کے علاوہ شیخ کے حسب ذیل مضامین بھی مصر اور ہندوستان میں بصورت رسائل شائع ہو چکے ہیں۔

ا۔ حجتہ البالغہ۔ ۲۔ جملہ القرآن۔ ۳۔ فلسفہ الدین واللغت۔ ۴۔ المحافظ علی الدین۔ ۵۔ القضا والقدر۔ ۶۔ الوصیتہ بسابقہ الاسلامیہ۔

(آثار جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ)

از جناب قاضی محمد عبدالغفار صاحب

بعنوان (تصنیف وتالیف) بر ص ۳۱۴، ص ۳۱۵

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''عروۃ الوثقیٰ'' میں شیخ کے جتنے مضامین (Articles) شائع ہوئے وہ سب کتابی صورت میں مصر (Egypt) میں شائع ہو چکے ہیں۔ البتہ'' ضیاء الخافقین'' میں شائع شدہ مضامین (Articles) کا پتہ نہ چل سکا۔ اسی طرح پرنس ملکم خان کے رسالہ'' قانون'' میں جو مضامین شائع ہوئے ان تک بھی رسائی نہ ہو سکی۔

حیدر آباد کے رسالہ'' معلم'' اور'' معلم شفیق'' میں شیخ کے حسب ذیل مضامین شائع ہوئے تھے۔

ا۔ فلسفہ وحدت وجنسیت۔ ۲۔ تعلیم وتربیت۔ ۳۔ اسباب حقیقت سخاوت وشقائے انسان۔ ۴۔ فوائد جریدہ۔ ۵۔ فوائد فلسفہ۔ ۶ شرح حال اگھوریان۔

اخبار دارالسلطنت کلکتہ میں شیخ کا ایک مضمون'' تفسیر مفسر'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ بطرس البستانی کے رسالہ'' دائرۃ المعارف'' مصر میں بھی شیخ نے بابی مذہب کے متعلق کچھ مضامین شائع کیے۔ اخبار مصر (اسکندریہ) میں دو مضامین تعلیم

اور صنعت پر شائع ہوئے۔

''رسالہ المنار'' (مصر) میں بھی شیخ کے حالات کے سلسلہ میں ان کے بعض مضامین نقل کیے گئے ہیں۔ جن میں دو مضامین ''فی الحکومتہ الاستبدایہ'' کے عنوان سے بہت مشہور ہیں۔ ۶۴-۱۸۶۰ء میں ''Endenburg Review'' نے بھی شیخ کے دو مضامین شائع کیے تھے۔

علاوہ مندرجہ بالا رسائل و مضامین کے بعض کا ذکر مرزا لطف اللہ نے کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں اور کب شائع ہوئے، ان رسائل (Magzines) کے عنوانات (Topic) بقول مرزا لطف اللہ کے یہ ہیں۔

۱۔ طفل وضع ۔۲۔ رسالہ حقیقت آشنا۔۳۔ کیفیت شہادت حضرت سید الشہداء۔

باوجودیکہ شیخ کے مضامین کچھ زیادہ حاصل نہیں ہو سکے، پھر بھی اتنے ہیں کہ ان کے مجموعہ کو ایک علیحدہ جلد (Volume) میں شائع کرنا پڑے۔

(آثار جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ)

از جناب قاضی محمد عبدالغفار صاحب

بعنوان (تصنیف و تالیف)

العروۃ الوثقیٰ۔ پیرس (فرانس) میں شیخ محمد عبدن رحمۃ اللہ علیہ، سعد زغلول پاشا رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا باقر ایرانی کی معیت میں علامہ شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جماعت قائم کی جس کا نام عروۃ الوثقیٰ تھا اور فیصلہ کیا کہ مغرب کی آزاد فضا سے مشرق کے نام العروۃ الوثقیٰ کے نام سے ایک ہفتہ وار جریدہ شائع کریں گے۔

انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان: العروۃ الوثقیٰ کے اغراض و مقاصد

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عروۃ الوثقیٰ کی اشاعت سے مشرق و مغرب کی جدید تحریکوں کے لیے سامان فکر افزاء مہیا کیا اور دینی سیاست کی انقلابی ترویج و اشاعت کے لیے پھر سے مہمیز کا کام کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین اور متعلقین

علامہ شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین اور متعلقین میں درج ذیل علم و سیاست کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۔ علامہ موسیٰ جار اللہ۔ روسی ۱۹۱۵ء میں ان کی عمر ۳۵ اور ۴۰ سال کے درمیان تھی۔ روسی مسلمانوں میں ان کا وہی مرتبہ تھا جو کہ جناب مفتی محمد عبدہٗ کا مصر میں تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم قازان، بخارا، مصر اور حجاز میں حاصل کی۔ شیخ جب روس میں مقیم تھے تو علامہ موسیٰ کبھی کبھی ان کے ساتھ ملاقات کے لیے بھی آیا کرتے تھے۔ قیام حجاز کے دوران علامہ موسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر قرآن حکیم کے انقلابی پہلو کے پیش نظر لیکچر بھی دیے تھے۔ جو کہ اب الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن کے نام سے اردو زبان میں شائع ہونے لگی ہے۔ ابھی اس تفسیری ترجمہ و توضیحات کی دو مجلدات شائع ہو چکی ہیں۔ علامہ موسیٰ صاحب ہندوستان بھی تشریف لائے تھے۔

۲۔ پروفیسر ایڈورڈ کارڈنر بردان صاحب! آپ کیمبرج میں فارسی اور عربی کے پروفیسر تھے اور کثیر التعداد کتابوں کے مصنف تھے۔

۳۔ والفرڈ اسکاون بلنٹ صاحب! آپ برطانوی سفارت خانوں میں ملازم رہے تھے۔ اچھے مدبر تھے۔ برطانوی دفتر خارجہ میں ان کا بہت کچھ ذاتی اثر تھا۔ انگلستان میں بلنٹ صاحب مشرقی ممالک اور سیاسیات کے اچھے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب "مستقبل الاسلام" شائع کی۔ آپ کی بھی شیخ کے ساتھ ملاقات رہی ہے۔

۴۔ مدحت پاشا صاحب

۵۔ محمد نافق کمال بے صاحب

۶۔ شیخ ہادی نجم آبادی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ مصطفےٰ کامل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ خیر الدین پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ امیر عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ محمد بن عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ امام سید محمد بن علی بن السوسی الخطابی الحسینی الادریسی المہاجری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ جانثاری (فوج نو) ترکی فوج کی تنظیم جدید

۱۳۔ ریاض پاشا صاحب

۱۴۔ ادیب الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ جمیس سنا صاحب (یہودی تھے)

۱۶۔ سعد زاغلول صاحب ۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۷ء

۱۷۔ شریف پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ اعرابی پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ مہدی سوڈانی۔ محمد احمد بن سید عبداللہ۔

۲۰۔ شاہ عبدالعظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ مرزا رضا خان کرمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ ارنسٹ دینان صاحب، ۱۸۹۲ء ۱۹۲۳ء مشہور فرانسیسی فلاسفر و متشرق۔

۲۳۔ مرزا باقر ایرانی صاحب

۲۴۔ ملکم خان صاحب

۲۵۔ عثمان دغنہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ اعتماد السلطنت، محمد حسین خان صاحب

۲۷۔ حاجی مرزا احسن شیرازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ حاجی سید علی اکبر شیرازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ شیخ علی قزوینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ مرزا آقا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۔ شیخ احمد روحی کرمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۔ شیخ الرئیس ملائے طالقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۔ عالی پاشا صاحب

۳۴۔ فواد پاشا صاحب وغیرہ وغیرہ

ان رجال ومشاہیر کے اسماء کی فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ احباب کس قدر وسیع اور بلند پایہ تھا۔ شیخ جمال الدین افغانی کی اس عالمی حرکت انقلاب نے بالخصوص مصر میں دینی سیاست، صحافت، ثقافت، تہذیب و تمدن پر گہرے اثرات چھوڑے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردان رشید میں سے علامہ شیخ طنطاوی جوہری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ رشید رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شیخ المراغی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اول میں آتا ہے کہ جنہوں نے جدید علمی وسیاسی ودینی پیرایہ میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور مصری صحافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نتیجتاً جدید مصری صحافت وجود میں آئی۔

جناب محمد حسین ہیکل صاحب مرحوم

(۱۸۸۸ء-۱۹۸۶ء)

علامہ شیخ جمال الدین افغانی اور ان کی دینی وسیاسی وثقافتی کوششوں سے ایک دینی و مذہبی، سیاسی وتمدنی، ثقافتی خدمات کا مضبوط حلقہ قائم ہوگیا۔

ایک طرف تو غیر ملکی استعمار کے لیے اور عالم عرب بشمول سرزمین ہند کی خاطر جذبہ آزادی سے سرشار مجاہدین آزادی کی ایک جماعت تیار ہوگئی اور دوسری جانب تجدید واحیائے دین کی خاطر علماء کی ایک بھرپور جماعت دین وملت کی حفاظت کی خاطر علمی وعملی میدان میں آگئی۔

انہیں شخصیات میں سے ایک نمایاں شخصیت جناب محمد حسین ہیکل

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تھی۔

مختصر حالات و سوانح

(متولد ۱۸۸۸ء، متوفی ۱۹۵۶ء) انشا پرداز (مضمون و نامہ نگار) ماہر سیاسیات (پولیٹکل) تھے۔ عربی نژاد تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ''السنبلاوین''، مصر کے مرکزی دیہہ ہیکل میں ایک خوشحال (مالدار، تونگر) گھرانہ میں پیدا ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ''مدرسۃ الحقوق'' سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باریس (پیرس) میں تعلیم مکمل کی۔ جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''القانون'' میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔

ازاں بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب احمد لطفی السید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مضبوط روابط استوار کئے اور ان کے فکری رجحانات سے گہرے طور پر متاثر ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ مجلس دستور ساز کے رکن کی حیثیت سے شامل کر لئے گئے۔

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ جریدۃ ''السیاسیۃ'' کے روزنامہ اور ہفتہ وار میں مضامین لکھنے لگے اور ازاں بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ ''مجلس دستور'' ساز کے صدر ''رئیس'' ہو گئے اور ''مجلس الشیوخ'' کے صدر بھی منتخب ہو گئے اور کئی مرتبہ ''وزارۃ المعارف'' کے عہدہ پر بھی متمکن ہوئے۔

۱۹۱۴ء تک کی ابتدائی ادبی زندگی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''زینب'' پر ناول تحریر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ناول صحیح طور پر مصر کی ادبی روایت میں اولیت کی حامل کوشش تھا۔

ازاں بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن سیر و سوانح (Biography) میں

مشغولیت اختیار کی۔ پس آپ رحمۃ اللہ علیہ نے (۱۹۲۱ء۔۱۹۲۳ء) میں ''جان جاک روسو'' کی لائف (Life) پر کام کیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی مصنفین کی کتب کے تراجم مصری زبان میں کیے۔ یہ ۱۹۲۹ء کی بات ہے۔ اور اسلامی تالیفات و تراجم سے قبل کے واقعات ہیں۔ مثلاً

''حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' (زمانہ تالیف ۱۹۳۵ء) اور الصدیق الاکبر رضی اللہ عنہ (زمانہ تالیف ۱۹۴۲ء) اور الفاروق عمر رضی اللہ عنہ (زمانہ تالیف ۱۹۴۴ء) اور ۱۹۲۵ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فراغت کے ایام میں اپنے تنقیدی مضامین کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیا اور ۱۹۳۳ء میں جدید ادب پر آزادانہ مضامین ''ثورۃ الادب'' کی صورت میں ترتیب دیے اور ایک دیگر کتاب۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یورپ (مغرب) میں تعلیم پائی تھی۔ بدیں وجہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جدید عربی ثقافت پر جو کچھ نگارشات پیش کی ہیں ان میں فکری طور پر مغرب کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قومی میراث سے اس کے تاثر کو نکال پھینکا۔

مصری صحافت کا آغاز

یہاں پر ہم مختصراً ''مصری صحافت'' کی اشاریہ جاتی تاریخ ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں۔

اخبار التنبیہ

کہتے ہیں کہ جب نپولین مصر میں آیا تو اس نے ۱۷۹۹ء میں ایک اخبار

عربی میں شائع کیا اور ایک فرانسیسی میں۔ اول الذکر اخبار کا نام ''التنبیہ'' تھا اور یہ دنیائے عرب کا پہلا اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مقصد صرف پروپیگنڈہ تھا۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان (مصری صحافت کی ابتداء) بر صفحہ ۴۸۵

الوقائع المصریہ

یہ اخبار بانی جدید مصر جناب علی پاشا کبیر کے حکم سے مذکورہ اخبار ''اخبار التنبیہ'' کو ''الوقائع المصریہ'' کے نام سے جاری کیا گیا۔ پہلے صرف ترکی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں ترکی اور عربی دونوں زبانوں میں شائع ہونے لگا۔

اس پر عربی اور اجماعی مضمون ہوتے تھے اور اس کے ادارے میں شیخ حسن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسی قابل شخصیتیں تھیں۔ ان اخبارات کے بعد اسماعیل پاشا کے زمانے تک کوئی جریدہ نہ نکلا۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) بر صفحہ ۴۸۵، صفحہ ۴۸۶

مجلۃ الیعسوب

۱۸۵۶ء میں ڈاکٹر محمد علی پاشا بقلی نے ''مجلۃ الیعسوب'' کے نام سے ایک طبی رسالہ نکالا۔ یہ عالم عرب کا پہلا رسالہ (Magzine) تھا۔

(ایضاً) بر صفحہ ۴۸۶

وادی النہیل

۱۸۶۶ء میں ابوالمسعود آفندی نے ''وادی النہیل'' کے نام سے ایک سہ

روزہ سیاسی ادبی اور علمی جریدہ نکالا۔

(ایضاً) بر صفحہ ۴۸۶

نزهة الافکار

سہ روزہ ''وادی النیل'' کے تین سال بعد غالباً ۱۸۶۹ء میں ''ابراہیم بک المویلحی'' اور ''محمد بک عثمان جلیل رحمۃ اللہ علیہ'' نے ''نزهة الافکار'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا جسے اس کے باغیانہ مضامین کی وجہ سے اسمٰعیل پاشا نے بند کروا دیا۔

(ایضاً) ۴۸۶

روضة المدارس

۱۸۷۰ء میں طلبہ کی تربیت کے لئے ایک مجلّہ ''روضة المدارس'' کے نام سے نکلا۔ یہ ایک نہایت کامیاب رسالہ تھا اور اس میں ''رفاعہ بک حسین مرصفی'' اور عبداللہ پاشا فکری جیسے ادباء مضامین لکھتے تھے۔

(ایضاً) بر صفحہ ۴۸۶

الاہرام

۱۸۷۵ء میں ''الاہرام'' اسکندریہ سے نکلا اور بعد میں اس کے دفاتر قاہرہ میں منتقل ہوئے۔

الاہرام مصر کا سب سے بڑا اور سب سے قدیم واہم روزنامہ ہے اور اس کے ایک مدیر ایک عیسائی ''انکلون بک جمیل'' شاہی تھے۔

یہ اخبار آج بھی باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔

الوطن

زمانہ اشاعت کا آغاز (۱۸۷۷ء)

المتعلم

زمانہ اشاعت کا آغاز (۱۸۸۸ء)

مصر

زمانہ اشاعت کا آغاز (۱۸۹۵ء)

المؤید

یہ جریدہ اخبار تھا۔ زمانہ اشاعت کا آغاز ۱۸۸۹ء۔ یہ جریدہ جنگ آزادی کی نشر و تبلیغ کے لئے تھا۔ اس کے ادارے میں شیخ علی یوسف اور شیخ احمد ماضی شامل تھے۔ یہ وطنیت کا حامی اور استعماریت کا دشمن تھا۔ اسی سبب سے یہ اپنے دور کا اہم ترین اخبار (News Paper) بن گیا۔ اس کے ادارے میں شیخ محمد عبدہٗ، مصطفیٰ کامل پاشا، سعد زاغلول پاشا، قاسم بک امین اور ابراہیم بک المویلحی جیسی بلند پایہ شخصیات شامل تھیں۔

اللواء

مصطفیٰ کامل پاشا صاحب نے وطنیت کی تحریک (Movement of

(Nationalism) چلانے کے لئے خود بھی ایک اخبار ''اللواء'' شائع کیا تھا۔ جس نے مصر کی کافی قومی خدمات انجام دیں۔

ملاحظہ کیجئے (انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک)
از جناب محمد حسین الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بر صفحہ ۲۸۶
بعنوان (مصری صحافت کی ابتداء)

چند روزانہ (روزنامہ اخبارات)

یہاں پر ہم مصر (Egypt) کے روزنامہ اخبارات کے نام ذکر کرتے ہیں۔

الاہرام:

زمانہ اشاعت کا آغاز ۱۸۷۵ء اس کے ایڈیٹر ایک عیسائی انکلون جمیل شامی تھے۔

المقطم:

زمانہ اشاعت کا آغاز ۱۸۸۸ء اس کے ایڈیٹر بھی ایک عیسائی تھے۔

المصری یا صورت لأمہ:

یہ مصری حزب الوفد کا روزنامہ اخبار ہے۔

الوفد المصری:

یہ ''حزب الوفد'' کا دوسرا روزنامہ اخبار ''الوفد المصری'' ہے۔

البلاغ:

یہ اخبار حزب کے سخت خلاف تھا اور اس کی مخالف جماعتوں ''سعدی'' ''دستوری'' اور ''مستقبل'' کی حمایت کرتا تھا۔ اس کے مدیر جناب عبد القادر خمرہ

پاشا تھا۔ یہ مصر کی کابینہ میں وزیر بے محکمہ بھی رہ چکے تھے۔ یہ ۱۹۴۰ء کے دور کی بات تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اب یہ اخبار مکمل طور پر وفدی نظریات کی پالیسی کا حامی ہو گیا تھا۔

الدستور:

یہ روزنامہ ''حزب الوفد'' کے خلاف ہے اور یہ محمد محمود پاشا کا مؤید تھا اور یہ ''حزب الدستور'' کا خاص پرچہ تھا اور حکومت کا حامی تھا۔

اخبار الایام:

یہ حزب الوفد کے خلاف سب سے مشہور اخبار تھا۔ یہ بھی ہفتہ وار اخبار تھا۔

جریدہ مصر الفتاۃ:

جریدہ مصر ''الفتاۃ'' مصر کی آخری جماعت مصر ''الفتاۃ'' کا پرچہ ہے۔ اس جماعت کا قائد حسین احمد ہے۔ یہ اخبار نوجوانوں کے جذبات کا مظہر تھا۔ ''حزب الوفد'' کا مخالف تھا۔

:La Bours Egyptenne

یہ اخبار فرانسیسی زبان میں تھا۔ یہ انگریزوں کی ملکیت میں تھا لیکن اس کی حکمت عملی (Diplomacy) کا ناظم ایک یہودی تھا۔ یہ اخبار اکثر یہودیوں کی حمایت کرتا تھا اور سیاسی مسائل پر یہودی نقطہ نظر سے بحث کرتا تھا۔

:Egyptian Gazette

یہ اخبار انگریزی میں نکلتا ہے اور پچاس برس سے باقاعدہ نکل رہا ہے۔ مصر میں اس اخبار کی رائے کو قاہرہ کے برطانوی حلقوں کی سرکاری رائے سمجھا جاتا ہے، چنانچہ اس اخبار کو کافی اہمیت حاصل ہے۔

:Egyptian Mail

یہ اخبار (Egyptian Gazette) کے مقابلہ پر نکالا گیا تھا۔ اس نے چند ہی سالوں میں خاصی ترقی کر لی ہے۔

ملاحظہ کیجئے (انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ!
فن علماء الازہر بعنوان مصری صحافت کی ابتداء برصفحہ ۴۸۵ تا ۴۹۰
مطبوعہ ۱۲۶۸ فرنٹیر پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور

جناب محمد حسین الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (من علماء الازہر الشریف) تحریر کرتے ہیں کہ:

''مندرجہ بالا روزناموں کے علاوہ قاہرہ میں کئی روزنامہ اخبار نکلتے تھے لیکن انہیں چنداں اہمیت حاصل نہیں ہے۔ مندرجہ بالا تمام عربی روزناموں کی قیمت تقریباً ایک آنہ فی پرچہ تھا اور ان میں اکثر بڑے سائز کے سولہ صفحے ہوتے تھے۔ ان سب میں تصاویر کا انتظام تھا اور یہ عربی ٹائپ (Arabic Type) میں نکلتے تھے۔ تقریباً سارے اخبار خبر رساں ایجنسیوں کے علاوہ بعض مقامات پر نامہ نگار لکھتے ہیں، اور اکثر اخبارات میں مضمون نگاروں کو معاوضہ ملتا تھے۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک)
از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، برصفحہ ۴۹۱

ہفتہ وار رسائل

مصر کے ہفتہ وار جرائد مصری صحافت کے لئے مایہ ناز ہیں۔ وہاں ہر قسم کے ہفتہ وار جرائد ہیں۔ بعض صرف علم و ادب کے لئے وقف ہیں، بعض کا مقصد

سیاسی ہے اور بعض فراخی ہیں۔ جن میں مزاحیہ مضامین، لطائف، کارٹون وغیرہ درج ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اخبار صرف ایک تصویر کے لئے وقف ہیں۔ یہ تمام اخبارات یورپ کے بہترین اسبوعی اخبارات کا مقابلہ کرتے ہیں۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمہ اللہ برصفحہ ۴۹۱

ہم یہاں پر چند ''ہفتہ وار'' رسائل کا مختصراً تذکرہ کرتے ہیں۔

الثقافہ:

مصر کا سب سے زیادہ بلند پایہ ادبی و علمی ہفتہ وار اخبار ''الثقافۃ'' ہے کہ اس میں مصر کے چوٹی کے ادباء لکھتے ہیں، اور اس میں درج شدہ ہر مقالے کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔

اس کے مدیر (Editor) جناب احمد امین تھے۔ جو قاہرہ کے ''آرٹس کالج'' کے پرنسپل تھے۔ یہ پرچہ مصر کی مشہور ادبی مجلس (الجنہ التالیف الترجمہ) کے زیراہتمام نکلتا تھا جس میں شام (Syria) اور مصر (Egypt) کے اکثر ادباء شریک ہوتے تھے۔ اس پرچہ کی اشاعت پندرہ بیس ہزار کے قریب تھے۔ کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں۔ جو زیادہ تر مقالہ نگاروں اور مفکرین کی ہوتی ہیں یا نوادرات میں سے لی جاتی ہیں۔

(ایضاً) صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۲

الرسالۃ:

مصر کے ادبی حلقوں میں ''الثقافۃ'' کے بعد ''الرسالۃ'' کا درجہ بہت اہم ہے۔ اس کی اشاعت دس سے پندرہ ہزار تک ہے۔ اس کے مدیر احمد حسن زیارت تھے۔ اس میں دنیائے عرب کے اکثر ادباء اور مصر کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ

مضمون لکھتے ہیں۔اس رسالے میں کچھ تصاویر بھی موجود ہوتی تھیں۔

(ایضاً) بر صفحہ ۴۹۲

المصور:

صرف تصاویر پر مشتمل ہے۔ اس میں مصر کے تازہ واقعات کی تصاویر چھپتی ہیں۔ نیز جنگ کے متعلق ضروری تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں۔کبھی کبھی مضمون (Article) بھی درج ہوتے ہیں۔لیکن زیادہ تر تصاویر کی تشریح میں ہوتے ہیں۔اشاعت دس اور پندرہ ہزار کے درمیان ہے۔ مدیر (Editor) کا نام ''اباظہ المحامی'' ہے۔

(ایضاً) ۴۹۲

الصباح:

''الصباح'' میں ادبی، سیاسی، مزاحی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔اس کی اشاعت پچاس ہزار کے قریب تھی اور پرچہ میں کافی تصاویر ہوتی تھیں۔

(ایضاً صفحہ ۴۹۲ تا ۴۹۳)

روایۃ الحبیب:

یہ رسالہ ہفتہ وار تھا اور ہر ہفتہ اس میں ایک مکمل ناول موجود ہوتا تھا۔ ضخامت دوسو صفحے ہوتی تھی اور قیمت دو آنہ۔ چونکہ یہ بہت آسان عربی میں لکھا جاتا تھی۔اس لئے لوگ اسے بہت پڑھتے تھے۔خصوصاً کم تعلیم یافتہ لوگ۔اس کی اشاعت ستر ہزار سے زیادہ تھی اور رسالوں میں سب سے زیادہ اشاعت اسی کی تھی۔

مندرجہ بالا جرائد کی قیمت دو آنہ فی پرچہ ہوتی تھی اور مصر کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا، جہاں کوئی نہ کوئی اسبوعی ہفتہ وار جریدہ نہ آتا ہو۔ مندرجہ بالا جرائد کے علاوہ مجلتہ الاسلام، الحدیقۃ، منبر المشرق، رابطہ عربیہ، الفتح، زہرۃ الشرق، نور الاسلام، وغیرہ کئی پرچے نکلتے تھے۔ جو ادبی و سیاسی مقالے شائع کرتے تھے۔

مزاحیہ جرائد میں سے روز الیوسف، اور الکشکول، خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ ان میں مزاحیہ مضامین، سیاسی لطائف اور کارٹون شائع ہوتے تھے۔ یہ کافی تعداد میں فروخت ہوتے تھے، اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مصری آبادی کے لحاظ سے ہفتہ وار جرائد نسبتاً دیگر ممالک سے زیادہ نکلتے تھے۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ماہانہ رسالے

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

مصر میں ماہانہ مجلّے بھی کافی تعداد میں تھے۔ جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

مجلتہ مجمع فوائد الاول اللغوی:

یہ رسالہ مصری اور عربی ادب کی خاص خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ یورپ کی مختلف زبانوں کی اصطلاحات کا عربی ترجمہ کیا جائے۔ اس میں کئی ادباء شریک ہیں۔ جو جنگی، طبیعاتی، اقتصادی، علمی، زرعی وغیرہ اصطلاحات (Idioms) کا ترجمہ شائع کرتے ہیں۔

مجلتہ شئون اجتماعیہ:

یہ مجلّہ حکومت مصر کی وزارت شئون اجتماعیۃ کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے۔ اس میں لوگوں کو ان کی اخلاقی حالت سنوارنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

الہلال:

الہلال میں ادبی، تاریخی مضمون چھپتے ہیں اور ہندوستان میں بہت سے عربی دان اس سے واقف ہیں اس اخبار کے بانی جرجی زیدان آنجہانی تھے۔ آج کل ان کے صاحب زادے جمیل جرجی زیدان اس اخبار کے مدیر (Editor) ہیں۔ اس میں بہت سی تصاویر چھپتی ہیں اور ادبی وتحقیقاتی مقالات کا یہ بہت بہترین مخزن ہے۔

المقطف:

المقطف بھی الہلال کی طرح کا پرچہ ہے۔ اس میں بھی تصاویر ہوتی ہیں اور تقریباً ایک سو سے زائد صفحات ہوتے ہیں۔ یہ مجلّہ جریدہ ''المقطم'' کے دفتر سے نکلتا ہے۔

مجلّہ الرادیو:

مجلّہ الرادیو میں قاہرہ ریڈیو کے پروگرام درج ہوتے ہیں۔ نیز ہر پرچے میں چند ادبی مضمون ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ ہمارے ریڈیو کے رسالہ آہنگ سے ملتا جلتا ہے۔ ریڈیو کو عربی زبان میں ''المذیاع'' اور نشر کو ''الاذاعۃ'' کہتے ہیں۔

چہرہ نما:

چہرہ نما فارسی میں شائع ہوتا ہے۔ اس کے مدیر ایک ایرانی ہیں۔ مصر کے تعلیمی اداروں کے اپنے اپنے رسالے ہیں جو ''جامعۃ الازہر'' اور ''کلیۃ العلوم''

''کلیۃ الادب'' وغیرہ سے نکلتے ہیں۔ مصر کی انجمنوں ''شبان المسلمین'' ''اخوان المسلمین'' ''الہدایۃ الاسلامیہ'' اور ''شبان المسلمین'' کے بھی اپنے اپنے پرچے ہیں جو ان انجمنوں کے آرگن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الوعیٰ:

قاہرہ سے پاکستان کے سفارت خانہ کے زیر اہتمام الوعیٰ نہایت تزک و احتشام سے شائع ہو رہا ہے۔

THE SPINIX:

انگریزی زبان کا ایک رسالہ نکلتا ہے جو کہ انگریزوں کے حالات اور افسروں کی آمد و رفت کے حالت پر مشتمل ہوتا ہے۔

اسلامی دنیا:

اردو میں بھی قاہرہ سے ایک رسالہ ''اسلامی دنیا'' کے نام سے مرحوم محمود عرفانی ہندی نے نکالا تھا لیکن یہ پرچہ بند ہو گیا۔ یہ قادیانی پروپیگنڈہ کے لئے تھا۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذکورہ بالا صحافت کی تاریخ کا تعلق ۱۷۹۹ء تا ۱۹۴۰ء تک کی مصری صحافت سے ہے۔

مصری صحافت

اہل مصر کے ہاں تعلیم و سیاست وتمام شعبہ حیات سے متعلق انداز فکر اور روش کیا ہے۔ ان کی صحافت کا معیار اور انداز کیا ہے اور ان کے ہاں صحافت کس

قدر اہم ہے اور اس کو مصری معاشرت میں کس قدر اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ تو آیئے اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (من علماء الازھرا لشریف) میں تحریر کرتے ہیں کہ:

سرزمین مصر میں اخبارات ایک بہت اہم طاقت سمجھے جاتے ہیں اور مصر کی موجودہ ترقی میں صحافت کا ایک بہت اہم حصہ ہے۔

مصر کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کچھ زیادہ تھی۔ لیکن یہاں بے شمار جرائد و رسائل شائع ہوتے تھے۔ مصر میں اخبار پڑھنا ہر شخص کی زندگی کا ایک ضروری و اہم جزو ہے۔ غریب و امیر سبھی لوگ اخبار ضرور پڑھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور ناخواندہ لوگوں کے سامنے اخبارات کے ضروری حصے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج مصر کا ہر باشندہ خواہ وہ ناخواندہ ہو یا تعلیم یافتہ سیاسیات مصر کی باریکیوں سے واقف ہے۔

مصری اخبارات میں سب سے زیادہ سیاسیات کو اہمیت دی جاتی ہے اور اس کے بعد علمی و ادبی مقالے شائع کیے جاتے ہیں۔ ادب، طبیعات، آرٹ، حفظان صحت وغیرہ کے متعلق خصوصی کالم لکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح سے ریڈیو اور سینما کو بھی کافی اہمیت دی جاتی ہے۔

مصری صحافت اس حد تک ترقی کر چکی ہے کہ اگر کوئی اہم شخصیت قاہرہ میں آئے تو اس کی آمد کے دو تین گھنٹے کے اندر اس کی تصویر اور سوانح حیات اور پروگرام اخبارات میں درج ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ خاصہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

نواب بہادر یار جنگ مصر میں

آج سے چند سال پیشتر مرحوم نواب بہادر یار جنگ جو اس وقت "آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ" کے صدر تھے، مصر گئے۔ قاہرہ میں انہیں کئی دعوتیں دی گئیں۔ جریدہ الہلال کے ارباب بست وکشاد نے نواب صاحب کو اپنے دفتر میں بلایا اور انہیں اس جریدہ کی وساطت سے چھپائی کے وسیع اور جدید انتظامات دکھائے۔

نواب صاحب نے کہا کہ الہلال کا پریس حیدر آباد دکن کے سرکاری پریس سے بھی زیادہ بڑا ہے۔

ابھی نواب صاحب کو دفتر میں آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا کہ ادارے کے ایک رکن نے انہیں الہلال کا ایک خوبصورت مجلّہ دیا اور ان سے کہا کہ:

"وہ اس مجلّے کو ابھی دیکھ لیں۔

نواب صاحب نے رسالہ دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس دفتر میں ان کی آمد، ان کی سیرت اور ان کے معائنے کی کئی تصاویر شامل ہیں۔

اندازہ کیجئے کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں تصاویر اتارنے انہیں دھونے، کاپی بنانے، بلاک بنانے اور چھپنے کا کام کس طرح سے ہوا ہوگا۔

اسی لئے نواب صاحب اس سلسلہ میں مصر کے بہت مداح تھے۔

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان (مصری صحافت ۱۹۴۰ء میں)

۲۔ نیز ملاحظہ کیجئے (سفر نامہ روم وشام ومصر)

از مولانا شمس العلماء شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصر کے حالات اور مصر کی صحافت

۳۔ ملاحظہ کیجئے (سفر نامہ یورپ و بلاد روم، شام و مصر) از جناب منشی محبوب عالم۔ لاہور

بار دوم ۱۹۳۲ء بعنوان (مصر کے مطابع اخبارات، اخبارات

اور بعض مشاہیر سے ملاقات بر صفحہ ۸۶۷ تا ۸۷۳

جناب محمد حسین ہیکل کے ایام حیات کا مختصر جائزہ

جناب محمد حسین ہیکل (متولد ۱۸۸۸ھ متوفی ۱۹۵۶ء)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بعنوان (مختصر حالات وسوانح) تحریر کر چکے

ہیں۔

انشاء پرداز، نامہ نگار اور ماہر سیاسیات بھی تھے، عربی نژاد بھی تھے اور پھر ایک خوشحال گھرانہ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والدین نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت عمدہ مروجہ تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا وہ یہ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ملکی وقومی سطح کی تعلیم کی تکمیل مصر ہی میں "مدرستہ الحقوق" میں مکمل کی تھی۔ جب کہ القانون (Laws) کی تعلیم میں ڈاکٹریٹ فرانس کے دارالحکومت پیرس سے کی تھی۔

قانون (Laws) میں ڈاکٹریٹ کے لئے بہترین عقل وشعور فطری ذہانت و فطانت اور خداداد صلاحیتوں کی ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین صحافی بھی تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صحافت میں بھرپور حصہ لیا تھا اور اپنی مختلف النوع اور بوقلموں نگارشات ادب کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے میدان صحافت، انشاء پردازی اور مقالہ نگاری میں نمایاں طور پر مقام پیدا کر لیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی فکری صلاحیتوں کے تموج نے آپ کو جلد ہی مصر کی نامور سیاسی دینی و علمی اور ادبی شخصیت ہی سے متعارف نہیں کروایا بلکہ نہایت گہرے فکری، علمی اور سیاسی روابط کے باوصف منسلک کر دیا اور وہ عظیم شخصیت تھی جناب شیخ احمد لطفی السید صاحب کی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دور میں اپنے شعبہ قانون سے منسلک ہونے کے ساتھ باوصف ملکی سیاست میں نہایت سرگرم حصہ لیا۔ نتیجتاً آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مصر کی مجلس دستور ساز کے ایک رکن کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا۔ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ قانونی صلاحیتوں کی دلیل تھی۔ نیز دستور سازی اور ملکی و بیرونی سیاسیات پر علمی و عملی طور پر گہری نگاہ کی غمازی کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے دور میں سرزمین عرب اور بالخصوص مصر کے لئے نہایت ہنگامہ خیز دور تھا۔ خود عرب قوم میں دینی و سیاسی نیز تہذیبی و تمدنی و ثقافتی سطح پر یورپین ممالک کی آویزش سے نہایت درجہ انقلابی تموج پیدا ہو چکا تھا۔

جدید روایات و افکار اور قدیم تہذیب و تمدن و ثقافت و کلچر میں شدید ٹکراؤ اور انجذاب کی وہ کیفیت تھی کہ جو نوبہ نو عہد و عہد ہوا کرتی ہے۔

سلطنت ترکیہ کے قویٰ میں اضمحلال آچکا تھا اور اس کے عرب مقبوضات اس کے انتظام وانصرام سے نکلنے کے قریب تھے۔ جدید یورپین مثلاً فرانس، برطانیہ اور روس وغیرہ کی عالمی سیاست اور دینی و مذہبی و سیاسی، تہذیبی و تمدنی و ثقافتی اختلافات کی بنا پر سلطنت ترکیہ کے مقبوضات یورپ کی جدید تہذیب و مذاہب و افکار اور سیاسی نظریات کی زد میں آچکے تھے۔ جب کہ ایک عرصہ قبل سے عالم عرب میں مسلم قوم اپنے مذہبی و دینی تہذیبی و تمدنی و ثقافتی ورثہ اور دینی

قوتوں کے رشتہ واتفاق سے کافی حد تک دور جا پڑی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو ان کی قومی وعلاقائی حیثیات اقوام یورپ کی حکمت عملی (Diplomacy) کی زد میں آگئیں تو دوسری جانب ان کی دینی ومذہبی وتمدنی وقومی اور ثقافتی حیثیات یورپ کے ملحدانہ افکار ونظریات کی زد میں آگئیں۔

تو یہی وہ دور تھا کہ جس میں عالم اسلام کے (عرب و دیگر) اسلامی ممالک بشمول سرزمین ہندو پاک میں عظیم مسلم عبقری (Genius) شخصیات نے جنم لیا۔ مثلاً

(سرزمین مصروشام وعراق ومغرب میں)

۱۔ شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جبرتی
۲۔ شیخ محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ شیخ حسن عطار رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ سید علی درویش رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ رفاعہ بک طہطاوی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ محمود صفوت ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ شیخ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نجا ابیاری رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ علامہ شیخ حسین مرصفی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ عبداللہ پاشا فکری رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۔ علی مبارک پاشا رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۔ سید عبدالکریم ندیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ محمد عثمان بک جلال رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ سیدہ فاضلہ عائشہ تیموریہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ قاسم بک امین رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ مصطفیٰ پاشا رحمۃ اللہ علیہ کامل

۱۷۔ فتحی پاشا زغلول رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ سعد پاشا زغلول رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ احمد پاشا تیمور رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۔ محمد بک مویلحی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ احمد زکی

تحریک جدید کے شامی اراکین

۱۔ بطرس کرامہ

۲۔ محراش حلبی

۳۔ ادیب اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ شیخ عبدالرحمٰن کواکبی

۵۔ جمیل الدور رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ شیخ نجیب حداد رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ شیخ طاہر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ جرجی بک زیدان

۹۔ ڈاکٹر یعقوب صروف

تحریک جدید کے عراقی اراکین

۱۔ علامہ شہاب الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ سید محمد شکری آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ عبدالغفار اخراس۔

مغرب کے اراکین

۱۔ محمد بیرم رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ خیر الدین پاشا رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ محمود شامی پاشا رحمۃ اللہ علیہ بارودی

۴۔ شیخ جمال الدین افغانی السید رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ الاستاذ امام محمد عبدہٗ رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ علامہ استاد رشید رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ علامہ شیخ المراغی رحمۃ اللہ علیہ صاحب

۸۔ ابراہم بک مویلحی رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ شیخ علی یوسف

۱۰۔ حنفی بک ناصف رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ باختۃ البادیۃ

۱۲۔ مصطفیٰ لطفی نفلوطی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ شیخ حمزہ فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ اسماعیل پاشا صبری رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ احمد شوقی بک رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ محمد حافظ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۷۔ شیخ ناصف یازبی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ بطرس بستانی

۱۹۔ احمد فرس شدیاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ۔

رجال علم وادباء ورجال سیاست کے شانہ بشانہ محمد حسین ہیکل کا نام بھی آتا ہے۔ تو بات چل رہی تھی جناب محمد حسین ہیکل کی مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہونے کی۔

جریدہ ''السیاسیۃ''

مجلس دستور ساز کی رکنیت ہی کے دور کی بات ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مصروف لائف میں ایک اور انقلابی تموج پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے ایک اہم اور قومی سطح کے ایک نمایاں جریدہ ''السیاسیۃ'' میں اپنی قانونی علمی، مذہبی، تہذیبی وتمدنی نگارشات پیش کرنے لگے۔ ''السیاسیۃ'' جریدہ ہفتہ وار اخبار بھی تھا اور روزنامہ بھی تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قومی وملکی اور تمام ضروری فکری عنوان پر اپنی مؤقر اور دقیع نگارشات پیش کیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا اور خوب لکھا اور وقت کے دینی وعلمی، تہذیب وتمدنی اور ثقافتی اور ملکی وقومی اہم مسائل پر زریں نگارشات پیش کیں اور صحافت کا ایک نہایت سنجیدہ اور نہایت عمدہ فکری انداز پیش کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبقریت (Geniusness) کے باعث آپ رحمۃ اللہ علیہ

کو جلد ہی مجلس دستور ساز کے صدر رئیس کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔ یہ ایک بڑا قومی وملکی اعزاز تھا کہ جس کے حوالے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین قانونی و سیاسی وعلمی وادبی صلاحیتوں کا بھرپور احساس اجاگر ہوتا ہے۔

ازاں بعد جلد ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ مجلس الشیوخ کے صدر رئیس منتخب ہوگئے۔ چنانچہ اسی دوران حکومت مصر نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی مرتبہ وزارۃ المعارف کا عہدہ سپرد کیا۔

بہر کیف آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ان تمام خدمات کا تعلق قانون و سیاست اور حکومتی سطح کی خدمات کی نذر ہوگیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ لائف نہایت مصروفیت پر مبنی لائف (Life) تھی۔

علمی وادبی زندگی

۱۹۱۴ء تک کی ادبی زندگی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ''زینت'' پر ناول تحریر کیا۔ جو کہ مصر کی موجودہ ادب وصحافت پر جدت طرازی پر مبنی روایت کے حوالے سے اولیت کی حامل کوشش تھا۔

بس وہ دن اور یہ دن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ادب و سیرت سوانح پر اپنی نگارشات کا آغاز فرمایا۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جناب محمد حسین ہیکل نے نہایت عمدہ تعلیم پائی تھی۔ اور ''القانون'' میں ڈاکٹریٹ فرانس کے دارالحکومت پیرس میں کی تھی اور اس تعلیم کے حوالے سے قانون اور سیاست اور تاریخ وعمرانیات تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر اور عملی سیاسیات آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص موضوع تھے۔ جیسا کہ ہم نے

اوپر بیان کیا ہے کہ فرانس میں تعلیم کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرانسیسی ادب وثقافت و کلچر و قانون و سیاسیات وغیرہ پر بہت کچھ پڑھا اور سیکھا، جیسا کہ ان کی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔

۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۲ء: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یورپین مصنفین کے حوالے سے ان کے علمی وادبی وثقافتی ودیگر عنوانات کے حوالے سے عربی زبان میں تحریر کیا۔ جس میں سوانحی ادب بھی شامل تھا۔ مثلاً (جان جاک روسو) کی لائف قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یورپین تہذیب وتمدن وثقافت و کلچر کا نہایت گہری چھاپ اور نمایاں تاثر تھا۔

یہ سن وسال کے حوالے سے ۱۹۲۹ء کی بات ہے۔ جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً اکتالیس بیالیس سال تھی اور یہ اسلامی تالیفات وتراجم سے قبل کی بات ہے۔

اسلامی تالیفات وتراجم

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو درحقیقت لازوال شہرت کا سہرہ اسلامی تالیفات وتراجم کے حوالے سے بندھا۔

اس عرصہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل موضوعات وعنوانات پر بصورت اسلامی تالیفات وتراجم اپنی مؤقر اور زریں نگارشات پیش کیں۔

۱۔ حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: زمانہ تالیف ۱۹۳۵ء

۲۔ الصدیق اکبر رضی اللہ عنہ: زمانہ تالیف ۱۹۴۲ء

۳۔ الفاروق عمر رضی اللہ عنہ: زمانہ تالیف ۱۹۴۴ء

۴۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۔۔۔۔

۵۔ ۱۹۲۵ء۔ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شدید قومی سیاسی مصروفیات سے فراغت کے ایام میں اپنے تنقیدی فکری مضامین ومقالات کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیا۔

۶۔ ۱۹۳۳ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جدید ادب پر آزاد پسندانہ مضامین کو ''ثورۃ الادب'' کی صورت میں ترتیب دیا۔

۷۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یورپ (مغرب) میں تعلیم پائی تھی۔ بدیں وجہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جدید عربی ثقافت پر جو کچھ نگارشات پیش کیں۔ ان میں فکری طور پر مغرب کی جھلک نظر آتی ہے۔

مثلاً آپ رحمۃ اللہ علیہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الصدیق اکبر رضی اللہ عنہ، الفاروق عمر رضی اللہ عنہ، اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جدید سوانحی ادب وتالیفات میں یورپ کا رنگ اختیار کیا۔ لیکن عقائد ونظریات میں یورپ کی پیروی نہیں کی ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ یورپین مصنّفین کے حوالہ جات کو جابجا نقل کرتے ہیں۔ مگر ان حوالہ جات کو تنقید کی شان پر چڑھانے کیلئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سوانحی ادب محض تقلید اور قومی روایات کا من وعن انداز اختیار نہیں کیا، بلکہ ناقدانہ اور مدبرانہ انداز میں قلم اٹھایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حالات واقعات کی کھتونی ملتی ہے۔ حقائق کی تلاش میں کٹھنائیاں برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر حقائق کے تشخص پر رہوار قلم روک لیتے ہیں مگر بات سچے کی کرتے ہیں۔

آپ حریف مقابل کا بھر پور جائزہ لیتے ہیں۔ مگر اعتراضات پر جھجکتے

نہیں ہیں۔ بھرپور تنقیدی حوالے سے جوابدہی کرتے چلے جاتے ہیں۔

آپ اگرچہ عقائد و نظریات کے لحاظ سے شیعہ مذہب کی جعفری فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ نے حضرات اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیات پر کام کیا ہے کہ جو ''مسئلہ خلافت'' کے حوالہ سے ان کے اپنے مسلک کے باوصف متنازعہ شخصیات تھیں۔

مگر ان شخصیات کے حوالے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو سوانحی کام انجام دیا ہے اس میں کافی طور پر غیر جانبدارانہ، صلح پسندانہ اور منصفانہ قلم اٹھایا ہے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟

تو آیئے اس سلسلے میں ہم اہل مصر کے عقائد و نظریات کے حوالے سے وسعت ظرفی کے پس منظر کو یہاں پر ہدیہ قارئین کرتے ہیں کہ جو جناب محمد حسین ہیکل کے منصفانہ قلم میں کارفرما ہے۔

جناب محمد حسن الاعظمی صاحب (من علماء الازہر الشریف) اپنے نقوش و تاثرات کے حوالے سے اہل مصر کو وسیع الذہنی اور تحمل و برداشت کے مظاہرہ اور جذبات کو بیان کرتے ہیں:

> ''اوائل ۱۹۳۷ء میں مصر پہنچا ہوں مجھے ایسے رواق (ہوسٹل) میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے جس میں تبت کے ایک علاقہ سے شیخ محمد عبدہٗ رہ چکے تھے۔ جس کے اطراف کے کمروں میں جمال الدین افغانی ازہری نوجوانوں کو اپنی تحریک سے آشنا کرتے تھے، کچھ تو ازہر کی خوشگوار اور ہموار فضا اور کچھ مصر

کا اسلامی ماحول اس بات کا متقاضی ومساعد تھا کہ مصر میں تحریک اخوت کا عملی طور پر آغاز کیا جائے۔ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ مصری مسلمان خود کو مسلم تصور کرتے ہیں، کبھی اپنے آپ کو سنی وشیعہ نہیں کہتے ہیں۔

حالانکہ یہ فرقے وہاں موجود ہیں۔ ان کے درمیان کوئی جوہری اختلاف اور تفریق نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ازہر میں تمام دنیائے اسلام کے مذہبی علماء اور طلباء جو متعدد فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، تحصیل علم اور تدریس کی غرض سے آتے ہیں۔ ان کا ایک جگہ رہنا سہنا اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ مذہبی اختلاف کو بھی سمجھیں اور اس کا علاج سوچیں۔''

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک)

از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان (تحریک اخوۃ اسلامیہ کی ضرورت کا احساس)

برصفحہ ۳۴۶/صفحہ ۳۴۵

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین رحمۃ اللہ علیہ، جناب علامہ عباس محمود العقاد رحمۃ اللہ علیہ، جناب شیخ محمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عمر ابوالنصر رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن رحمۃ اللہ علیہ کی طرح جناب محمد حسین ہیکل صاحب نے بھی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر قلم اٹھایا۔ جدید مصر میں تازہ علمی وادبی نگارشات پیش کرنے میں بلاشک وشبہ مذکورہ تمام شخصیات اپنی اپنی تحقیقات وعلمی وادبی وسوانحی نگارشات پیش کرنے میں بذات خود منفرد حیثیت واہمیت کی حامل ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
خلافت اور حکومت کے نقطۂ نظر سے
جناب محمد حسین ہیکل رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر جائزہ

جناب محمد حسین ہیکل کی دیگر سوانحی اسلامی کتب کی طرح ان کی موجودہ کتاب ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلافت اور حکومت کے نقطہ نظر سے'' یا بعنوان ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' اپنی اہمیت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ وہ تحقیقاتی نگارشات، اچھوتا اسلوبِ بیان، فکری گہرائی کے ساتھ گھیرائی، علمی انداز میں سبک رفتاری مگر عالمانہ، تفکرانہ گھمبیر پہلو لئے ہوئے۔ خلیفہ ثالث جناب سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں بلاشک وشبہ منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کی اشاعت میں قربانیاں پیش کیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات کا کیا وزن تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ کے زریں دورِ خلافت میں سلطنت اسلامیہ کہاں تک وسعت پذیر ہوئی؟ اور دین اسلام کہاں تک اشاعت پذیر ہوا؟

یہ وہ تابناک عناوین ہیں کہ جن کے حوالے سے جناب سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت اپنے دو پیشتر خلفائے کرام سے کم اہم نہیں ہے۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ غلط انداز فکر نے جناب سیدنا

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور جناب سیدنا امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (خلیفہ رابع) کی ہر دو شخصیات کو اپنی فکر و قلم کرشمہ سازیوں کے ذریعہ سے باہم معاصرانہ چشمک کی حامل شخصیات ثابت کرنے کی کوشش کی!

آپ غور فرمایئے:

۱۔ حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ (خلیفہ اول) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خسر تھے۔

۲۔ جبکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثانی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خسر تھے۔

۳۔ جبکہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثالث) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔

آپ کی دو لخت جگر سیدات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ازاں بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے حبالہ عقد میں آئیں اور اسی سبب سے آپ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مبارک لقب سے ملقب ہوئے۔ یقیناً یہ بہت بڑی سعادت تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

۴۔ حضرت سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہ (خلیفہ رابع) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم جناب سیدنا ابو طالب کے فرزند ارجمند تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی لخت جگر حضرت سیدنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، آپ رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں آئیں اور آپ رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے اور یہ آپ کی خوش بختی اور سعادت مندی کی دلیل تھی۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

ایک متنازعہ شخصیت کیوں؟

تو آیئے ہم مختصراً جائزہ لیتے ہیں؟

جناب بیرسٹر احمد محمد حسین ہیکل صاحب بعنوان تعارف خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی خلیفہ کے حالات کی جانچ پڑتال کرنے اور تاریخ امت اسلامیہ میں اس کے اثرات کی قدر و قیمت متعین کرنے میں جتنا اختلاف مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا ہے اور خلیفہ سے متعلق نہیں کیا ہے، اور یہیں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد کی تاریخ اور سیرت ایک نیا رنگ اختیار کر لیتی ہے جو اہمیت سے خالی نہیں ہے اور یہ دونوں باتیں طبعی طور پر اشخاص و واقعات پر حکم لگانے کی خواہش کے باعث مزید تحقیق وجستجو اور ژرف نگاہی کا تقاضا کرتی ہیں۔

شاید ایسی یا دیگر باتوں نے ڈاکٹر ہیکل کو اپنی دونوں کتابوں الصدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور الفاروق عمر رضی اللہ عنہ کے مکمل کرنے کے بعد صدر الاسلام کی بقیہ تاریخ کے لکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ اگر وہ حالات پیدا نہ ہوتے جن کی طرف ہم عنقریب اشارہ کریں گے تو مرحوم کی نیت یہ تھی کہ وہ دونوں خلفائے راشدین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد کا مطالعہ کر کے ان اسباب ونتائج کی تحقیق کریں جن کی وجہ سے اسلامی اخوت کا نظام کاٹنے والی ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔ جسے پھر بنو امیہ اور بنو عباس اور اس کے بعد آنے والے لوگوں نے وراثت میں

حاصل کیا۔ نظام حکومت میں اس انقلاب کا آنا اور اس کے سیاسی عوامل اس تحقیق کا اہم ترین سرمایہ ہیں۔ کاش یہ تحقیق ان کے ہاتھوں میں مکمل ہو جاتی اور اگر یہ بات ہو جاتی تو یہ کتاب جس صورت میں آج آپ کے سامنے ہے اس سے بہت مختلف ہوتی۔

(حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلافت اور حکومت کے نقطہ نظر سے)

از محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ جناب اختر حسین فتح پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان (تعارف) جناب بیرسٹر احمد محمد حسین ہیکل صاحب

جناب بیرسٹر احمد محمد حسین ہیکل صاحب آگے تحریر کرتے ہیں۔

''ڈاکٹر ہیکل نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کی یہ تحقیق ۱۹۴۵ء میں اس ارادے سے شروع کی تھی کہ وہ اپنی اس اسلامی تحقیق کو جاری رکھیں گے۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع کیا تھا۔ مگر ان کی سیاسی زندگی کے حالات وظروف نے جن کی گہرائیوں میں اتر کر وہ وزیر بنے، انہیں اپنی فکری کاوشوں سے بہت دور رہنے کا حکم دیا تھا۔ آپ کے پروگرام میں یہ بات شامل تھی کہ عہدہ وزارت کے دوران ان کی کوئی کتاب منظر عام پر نہ آئے۔ نیز اس اثناء میں ان کے پاس اپنی شروع کی ہوئی تحقیق کو مکمل کرنے کا وقت بھی نہ ہوتا تھا اور وہ اس تحقیق کو فراغت کے وقت تک مؤخر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور یہی کیفیت ان کی اس وقت تھی جب وہ ''مجلس شیوخ'' کے صدر تھے اسی وجہ سے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کی باقی ماندہ تحقیق کو سال بہ سال مؤخر کرتے رہے۔

یہاں تک کہ اس کے بعد ان کا اس تحقیق کی طرف واپس آنا آسان امر نہ رہا۔

اس کے علاوہ ایک اور سبب یہ بھی تھا جس پر ڈاکٹر ہیکل کو اس تحقیق میں

آگے بڑھنے سے قبل لمبا عرصہ غور وفکر کرنا پڑا۔ جس کے باعث اس تحقیق پر مزید غور وفکر کرنے میں تاخیر ہوگئی۔

وہ سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے امر خلافت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ حق دار خلافت ہونے کے متعلق اسلامی فرقوں میں جو جھگڑا پایا جاتا تھا وہ تیرہ یا اس سے زیادہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی جوں کا توں ہے اور خلافت کے کھنڈرات میں سے اب صرف خلافت کا نام ہی باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی پہلی عالمی جنگ کے بعد مٹ مٹا گیا ہے۔

اور بعض فرقوں نے تو اس معاملے کو اس حد تک پہنچا دیا ہے، کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قانونی ہونے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد انہیں اس کی وصیت کی تھی۔

جس بے اعتدالی کو ان فرقوں نے روا رکھا ہے بلاشبہ یہ ایک عیب لگانے والی بات ہے۔ کیونکہ یہ کلیتًا اس امر کی مخالف ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے۔ وہ یہ کہ مومن کنگھی کے دانوں کی طرح سے برابر ہیں۔ اس لحاظ سے وہ حقوق اور واجبات عامہ میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ اور ان میں سے خلافت اسے ملے گی جو کہ اس کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ خلافت

''مسئلہ خلافت'' اسلامی تاریخ میں صدر اول سے ہی زیر بحث چلا آرہا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ مختلف فِرَقِ اسلامیہ میں دوراز کار فکری

مباحث اور اندازِ فکر میں کج فہمی کی بناء پر زیادہ سے زیادہ مختلف فیہ ہوتا چلا گیا اور ایک متنازع فیہ موضوع بحث بن کر رہ گیا اور یہ محض سمع خراشی کے اور کچھ بھی نہ تھا نتیجتاً اختلافِ امت کا پہلو نکل آیا؟ اور یہی افسوسناک پہلو ہے کہ جس سے امت مسلمہ کو اس وقت دوچار ہونا پڑا ہے۔

مصر کے مشہور عرب سکالر اور پروفیسر تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی جناب ڈاکٹر حسن ابراہیم فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال ایک سیاسی ہنگامہ کی شکل میں اٹھا۔ بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا فیصلہ اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں کے ''جمہوری نظام'' کو بہت پسند کرتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے واقف تھے۔ اس لئے آپ کو اعتماد تھا کہ مسلمان جمہوری طریقہ انتخاب سے ایک شخص کو اپنا حاکم بنالیں گے۔ آپ کے بعد یہ مسئلہ اٹھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس نازک وقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اپنی غیر معمولی فہم وفراست سے یہ ہنگامہ فرو کیا اور جانشینی کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ خلافت کی ابتداء تھی۔

(مسلمانوں کا نظام حکومت) از جناب ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صاحب

اردو ترجمہ بعنوان خلافت کی ابتداء

(تاریخ الاسلام) السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی للدکتور حسن ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الجلد الاول الباب السابع بعنوان (الخلفاء الراشدون) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۰۸

مطبوعہ داراحیاء التراث العربی۔ بیروت۔ عربی ایڈیشن!

جناب محمد حسین ہیکل صاحب کا نقطہ نگاہ جو کہ فیصلہ کن انداز وصحت فکر اور مجتہدانہ بصیرت پر مبنی ہے وہ بھی یہی کچھ ہے۔ چنانچہ آپ ''مسئلہ خلافت'' کے موضوع پر موافق ومخالف مباحث اٹھانے کے بعد بعنوان ''مسلمانوں کا تصور خلافت'' اپنا نقطہ نگاہ پیش فرماتے ہیں کہ:

جناب محمد حسین ہیکل صاحب اور تصور خلافت

ابتداء میں مسلمانوں کا تصور خلافت خالص عربی نقطہ نگاہ سے تھا۔ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کے لئے خلافت کی وصیت نہ فرمائی تھی اس امر کے پیش نظر جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن ''سقیفہ بنی ساعدہ'' میں انصار اور مہاجرین کے درمیان تنازع اور عام بیعت کے بعد ہی بنی ہاشم اور دوسرے تمام مہاجرین کے درمیان خلافت کے سلسلے میں پیدا شدہ چشمک پر غور کرتے ہیں تو بلاشبہ صریحاً عیاں ہوتا ہے کہ خلیفہ اول کا انتخاب کرنے کے موقع پر اہل مدینہ نے اجتہاد سے کام لیا تھا۔

کتاب وسنت میں خلافت کے لئے کوئی سند نہ تھی۔ اس لئے مدینہ کے مسلمانوں نے جس شخص کو خلافت کی گراں باری کے لئے اہل سمجھا اسے خلافت سپرد کر دی۔

اگر انتخاب کا فیصلہ مدینہ سے باہر دوسرے قبائل عرب تک بھی محیط ہو جاتا تو حالات بالکل مختلف ہوتے اور اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول

کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اتفاقیہ اور ناگہانی نہ ہوتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے موقع پر جو طریق استعمال کیا گیا تھا وہ بعد کے دو خلیفوں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے انتخاب کے وقت استعمال نہ کیا جا سکا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت (Caliphate) کی وصیت (Legacy) فرما دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے انتخاب خلیفہ کے لئے چھ (۶) آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اس کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات رونما ہو کر بالآخر خلافت امویوں کے ہاتھ میں آئی تو انتخاب (Selection) کا طریقہ بالکل بدل گیا۔

(ابوبکر رضی اللہ عنہ......صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) از جناب محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ بعنوان ''مسلمانوں کا تصورِ خلافت'' بر صفحہ ۱۰۶، صفحہ ۱۰۷

انتخابِ خلیفہ ایک اجتہادی معاملہ ہے

جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نگاہ کے مطابق انتخاب خلیفہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ چنانچہ آپ بعنوان مذکورہ بالا آخر سطور میں حاصل بحث بدیں الفاظ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ان واقعات وحوادث کو دیکھتے ہوئے اس قول کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ اسلام نے سلطنت کا نظام سنبھالنے کے لئے باقاعدہ اصول مقرر کئے ہوئے

ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر ''اجتہادی'' معاملہ ہے۔ جو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بدلتا چلا گیا ہے اور مختلف صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہوتا چلا آیا''

(ابوبکر رضی اللہ عنہ ...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) از جناب محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ بعنوان ''مسلمانوں کا تصورِ خلافت'' برصفحہ ۱۰۷

خلافت راشدہ کے طریقہ انتخاب پر نقد و تبصرہ

جناب ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صاحب پروفیسر ''تاریخ اسلام'' فواد اول یونیورسٹی (قاہرہ) بعنوان (خلاف راشدہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ انتخاب پر ایک تنقیدی نظر) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے انتخاب (Selection) کی اگرچہ کوئی متعین و منظم شکل نہ تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وراثتی نظام سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی بیعت میں شوریٰ (Shu'Ra) کا دخل تھا جس کی تعمیر میں عربی روح کارفرما تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب (Selection) سے ایسا کوئی طریقہ کار نہیں ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ لوگ اپنے اپنے امیدوار کو انتخاب کے لئے نامزد کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

انصار نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحریک پیش کی تھی

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام پیش کیے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں عجلت سے کام لیا اور حاضرین نے بھی ان کے ساتھ ہی بیعت کر لی تھی اس کے بعد عام مسلمانوں نے بھی ان کی بیعت کر لی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''میرے کانوں تک یہ بات پہنچی ہے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کو بیعت کر لوں گا، دیکھو کسی ایسے شخص کی بات سے دھوکہ نہ کھانا جو یہ کہتا ہو کہ:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عجلت میں ہو گئی تھی اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے انکار نہیں کہ ایسا ہوا تھا مگر خدا نے اس کے شر سے امت کو بچا لیا تھا۔ اب ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا تم میں موجود نہیں ہے جو ہوشیار امیر البحر کی طرح امت کی کشتی کو بچا لے جائے''

۱۔ (مسلمانوں کا نظم مملکت) از جناب ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ: بعنوان (خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ انتخاب پر ایک تنقیدی نظر) صفحہ ۴۲

۲۔ (تاریخ طبری) از علامہ ابی جعفر محمد ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ ...... جلد ۳ صفحہ ۲۰۰

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں نظام شوریٰ (Form of Shura) کا دخل تھا۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتماع ہوا تھا اور تبادلہ خیال اور اسباب ترجیح پر نقد و تبصرہ ہوا تھا۔

''یہ اعتراض مہمل ہے کہ اس انتخاب (Selection) کے لئے باقاعدہ اجتماع کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور اس میں مہاجرین کی اکثریت موجود نہ تھی۔

''اس سے بحث نہیں وہ انصار رضی اللہ عنہم تھے یا مہاجرین رضی اللہ عنہم یہ تفریق بے سود ہے''

یہ اعتراض جدید مؤرخوں نے خاص طور پر کیا ہے، اعتراض کے وقت شاید انہیں خیال نہیں رہا کہ وہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے واقعات کو اس زمانہ کے ماحول پر منطبق کر رہے ہیں، جس کی حیثیت قیاس مع الفارق سے زیادہ نہیں ہے۔''

(مسلمانوں کا نظم مملکت) بر صفحہ ۴۶، صفحہ ۴۷!

ایضاً:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی جمہوری اصول پر ہوا تھا۔ اس کو ولایت عہد یا خود مملکت کی جانب سے تعین ونامزدگی کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے میں کسی قسم کی خودسری و مطلق العنانی سے کام نہیں لیا تھا اور نہ جمہور کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لینے پر مجبور کیا تھا۔ بلکہ اپنا فیصلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے کیا تھا۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی رائے سے اتفاق کیا تھا اور تحسین کی تھی۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ کار، لائحہ عمل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ یہ طرزِ عمل خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ گو اس طریقہ کی شکل ''توریث'' کی نہیں بلکہ شوریٰ (Shura) کی ہے۔ تاہم اس صورت میں خلیفہ (Caliph) اپنے جانشین کے انتخاب میں بڑی حد تک آزاد ہے۔ وہ کسی قید و مشروط کا پابند نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ خلیفہ اپنے جانشین کے انتخاب میں غلطی کرے یا حسنِ ظن سے کام لے کر غیر مستحق کو ولی عہد مقرر کر دے۔ یہ حسن اتفاق تھا۔

ورنہ ہر خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں ہے اور ہر ولی عہد عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہے اس طریقہ کار میں کم سے کم انتخاب (Selection) میں غلطی کا احتمال ضرور ہے۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت) اردو ترجمہ صفحہ ۴۷!

ایضاً!

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ''نظام شوریٰ'' سے بہت زیادہ قریب ہے اس انتخاب کے وقت خلافت کے امیدوار متعدد تھے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمانوں کی ''اجتماعی مجلس'' کا انتخاب میں بڑا دخل تھا۔''

(مسلمانوں کا نظم مملکت) اردو ترجمہ صفحہ ۴۷!

ایضاً:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی نظام جمہوری پر مبنی تھی۔ ان سے اہل مدینہ نے بیعت کر لی تھی اور ان کا انتخاب ہو گیا تھا۔ یہ صحیح ہے جمہور مسلمانوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثریت نے بیعت کر لی تھی۔

اس اعتراض کا جواب ''ان سے صرف اہل مدینہ نے بیعت کر لی تھی اور دوسرے اسلامی مرکزوں کے مسلمانوں سے کوئی رائے نہیں لی گئی تھی۔'' یہ دیا جا سکتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل مدینہ کے رائے خلافت کے انتخاب میں کافی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب پچھلے خلفاء سے کچھ مختلف تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرضی سے ہوا تھا جو مدینہ میں موجود تھے۔

اگرچہ ابتدا میں آپس میں اختلاف پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس طریقہ شوریٰ کے مطابق ہوا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کر دیا تھا۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت) از جناب ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صاحب اردو ترجمہ بعنوان: (خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ انتخاب پر ایک تنقیدی نظر) بر صفحہ ۴۷، ۴۸!

جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان "اسلام کا نظام حکومت" تحریر کرتے ہیں کہ:

"ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جو نظام جاری کیا وہ خالص عربی نظام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اتصال اور خود ان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرے تعلق کے باعث ان کے زمانے میں جو نظام رائج ہوا وہ تقریباً وہی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا تھا۔

لیکن جب حالات متغیر ہوئے اور اسلامی فتوحات میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ نظام بھی آہستہ آہستہ مٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عہد عباسیہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ عروج اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نظام ہائے حکومت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کے بعد میں آنے والے تین خلفاء کے جاری کردہ نظاموں میں بھی بہت فرق تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد (Reign) اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہے۔

ان کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی سیاست اور حکومت کی دنیوی سیاست کا سنگم تھا۔ یہ درست ہے کہ دین مکمل ہو چکا تھا اور کسی شخص کو اس میں تغیر و تبدّل اور اس کی تنسیخ کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی اور بہت سے قبائل (Tribes) اسلام سے روگرداں ہو گئے۔

اس صورت حال کی موجودگی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس عظیم الشان خطرے کو دور کرنے کے لئے ایک مضبوط پالیسی مرتب کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہمسایہ مملکتوں کے سربراہوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کا ایک اہم فریضہ بھی شروع کیا تھا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

(ابو بکر رضی اللہ عنہ......صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) از جناب محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸

بعنوان: (اسلام کا نظام حکومت)

آگے بعنوان (ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عرب کی سیاسی وحدت) تحریر کرتے ہیں کہ:

''اس طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی نظام حکومت (Islamic Form Of Govt.) کی بنیادیں استوار کر کے اپنے بعد آنے والے خلفاء کے لئے ان بنیادوں پر ایک رفیع الشان عمارت تعمیر کرنے اور عرب کو ایک سیاسی وحدت میں ڈھالنے کا موقع فراہم کر دیا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عفو و درگزر کی پالیسی نے عرب کی سیاسی وحدت کے حصول میں بے حد آسانی پیدا کر دی۔ جو بھی باغی سرداران کے سامنے حاضر کیا گیا انہوں

نے اس کے پچھلے اعمال سے درگزر کرتے ہوئے اس کی جان بخشی کر دی۔ مرۃ بن مغیرہ، عمرو بن موری کرب، اشعث بن قیس وغیرہ سردارانِ عرب کی مثالیں سب کے سامنے ہیں۔ بغاوت اور سرکشی کو سختی سے فرو کرنے اور بعد میں بغاوت کے سرغنوں کو معافی دے دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سچے دل سے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی اور وحدت (Oneness) کی لڑی میں منسلک ہو گئے۔ شوریٰ کے طریق کار نے وحدت کے نظام کو مزید استواری بخشی جس کے نتیجے میں عراق اور شام کی فتح آسان تر ہو گئی۔

اس زمانے میں عوام کی فکری نہج بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ نظام حکومت کی بنیادیں شوریٰ اور جمہوریت پر استوار کی جاتیں۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا تھا۔ اسلامی شریعت عربی زبان میں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سرزمین عرب سے تعلق رکھتے تھے۔

''عرب قبائل بدوی ہوں یا شہری، آزادی اور خودمختاری کے دلدادہ تھے اور آزادی سے بڑھ کر انہیں کوئی شے عزیز نہ تھی۔ بدوی لوگوں میں ''مساوات'' کی روح سرایت کر چکی تھی۔

''اسلامی تعلیمات'' نے اس فکر و نظر کو مزید جلا دی۔ کیونکہ اسلام کامل مساوات کا علم بردار تھا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں بہ وضاحت اعلان کر دیا تھا کہ اس کے نزدیک خاندانی وجاہت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ اصل حیثیت بندوں کے اعمال کو حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا تھا کہ اسلام گورے، کالے، عربی، عجمی، آقا اور غلام میں کسی قسم کی تمیز رکھنے کا روادار نہیں۔

اسکے نزدیک برتری اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ آج جمہوریت کا دور دورہ ہے اور ہر جا جمہوریت ہی کے گن گائے جاتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو حقیقی جمہوریت کا نظارہ چشم بینا نے صرف اسلام کے دور اولین میں دیکھا ہے۔

اس زمانے میں جمہوریت کی بنیادیں اخوت ومحبت اور حریت ومساوات پر تھیں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کے نتیجے میں ایسی فضاء پیدا ہوگئی تھی کہ ہر شخص اپنے مومن بھائی کا خیر خواہ تھا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم میں سے کسی شخص کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلا ہوا یہ ارشاد کوئی معمولی ارشاد نہیں بلکہ جمہوریت کی جان ہے اور کوئی جمہوری حکومت اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس حکیمانہ فقرے کو اپنی مشعل راہ بنا کر رعایا کے افراد کو ایک دوسرے کا خیر خواہ اور مونس وغم خوار نہ بنا دے۔

انہیں تعلیمات کے باعث جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا۔ اس عربی وحدت کا قیام عمل میں آسکا جس کے سہارے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک رفیع الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور ایک ''نرالا نظام'' دنیا کے سامنے پیش کر کے ایک عالم کو انگشت بدندان کر دیا۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ......صدیق اکبر رضی اللہ عنہ''

از جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ بعنوان ''ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عرب کی سیاسی وحدت'' بر صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۷

دین اسلام اور ''آزادانہ حقوق خودارادیت'' کا احترام

جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نگاہ کچھ یہ ہے کہ ''دین اسلام'' کی پاکیزہ تعلیمات کے باوصف دنیائے انسانیت کو جہاں اہم ذمہ داریوں سے ''حقوق اللہ'' اور ''حقوق العباد'' کی صورت میں گرانبار کیا گیا ہے وہاں ایک انسان کو شرع شریف کی حدود و قیود میں رہتے ہوئے ''آزادانہ حقوق خودارادیت'' بھی تفویض کیے گئے ہیں۔ یہی وہ ''آزادانہ حقوق خودارادیت'' کا انتہائی نقطہ تھا کہ جس کے پیش نظر قابل ترجیح شخصیت کا انتخاب بحیثیت ''خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کیا تھا!

امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم و مغفور بعنوان (انتخاب خلافت و جمہوریت) کے تحتی عنوان ''خلفائے اربعہ کا تقرر'' فرماتے ہیں کہ:

''نظام جمہوریت'' کا تیسرا رکن (یہ ہے کہ) امام یا خلیفہ کا تقرر ''انتخاب عام'' سے ہو اور دوسروں پر حقوق میں اس کو کوئی ترجیح نہ ہو۔

اس مبحث کو ہم دو حصوں میں بیان کریں گے۔

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا تقرر بحق وراثت یا باستبداد رائے نہیں ہوا۔ بلکہ مجمع عام میں مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی کثرت رائے سے (جو بمنزلہ ارکان عام تھے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب نشست گاہ بنوساعدہ میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی تائید، اور ''عامة المسلمین'' کی پسندیدگی سے ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحریک، مہاجرین وانصار اور "عامۂ مسلمین" کی تائید وقبول سے ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ کی ایک مجلس نیابی کے انتخاب اور عام اہل مدینہ کے مشورہ سے خلیفہ بنایا گیا۔

اسی طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ، اہل مصر و اہل مدینہ کی تجویز وقبول سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

(اسلام اور جمہوریت) از امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ برصفحہ ۴۲، ۴۳ مطبوعہ، مکی دارالکتب غزنی مارکیٹ لاہور ۱۹۹۵ء

آگے بعنوان (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعلان حقیقت) فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو صاف فرما دیا تھا:

"لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشُوْرَةٍ......"

(کنزالاعمال: جلد۳، صفحہ ۱۲۹)

یعنی خلافت (Caliphate) صرف عام مشورہ سے طے ہو سکتی ہے۔ شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

واقعہ تحکیم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی میں بھی قوم ہی کی رائے سے مدد لینی پڑی۔ گو اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نائب نے مکروخدع سے کام لیا تھا اور قوم کو دھوکہ دینا چاہا تھا۔

(ایضاً: برصفحہ ۴۳)

آگے بعنوان (حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی تصریح) تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ تم کو خلیفہ

(Caliph) کس نے بنایا؟ حضرت جواب میں فرماتے ہیں:

انه بایعنی اتقوم الذین............

''جس قوم نے ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور جن شرائط پر بیعت کی تھی اس نے انہی شرائط پر میری بھی بیعت کی۔''

جو مجلس انتخاب میں موجود ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی رائے (Opinion) پر اڑا رہے اور جو حاضر ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی غیر حاضری کی بنا پر ''انتخاب عام'' کو رد کر دے۔

حق مشورہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو ہے اگر وہ کسی ایک شخص پر متفق الرائے ہو جائیں اور اس کو امام مقرر کر دیں تو یہ ان کی رضائے عام پر دال ہے۔

پس اگر ان کی متفقہ رائے کسی طعن یا بدعت کے سبب سے علیحدہ ہو تو ان پر واجب ہو گا کہ جس سے وہ علیحدہ ہو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

اگر وہ اب بھی نہ مانے تو ''اجماع رائے المسلمین'' کی مخالفت کی بنا پر اس سے جنگ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ان چند فقروں میں انتخاب خلافت وجمہوریت کے تمام ارکان کی بہترین تفصیل کر دی ہے اور ایسی تفصیل جس سے بہتر تفصیل آج بھی نہیں ہو سکتی۔ (ملخصاً)

[اسلام اور جمہوریت

از جناب امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بر صفحہ ۴۳ ر ۴۴ مطبوعہ مکی دار الکتب یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور]

......خلیفہ ثالث......

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

از

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب پر [رِیویو]

جناب محمد حسین ہیکل صاحب کی دیگر اسلامی تالیفات مثلاً ''حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''، ''سیرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ''، ''سیرۃ عمر رضی اللہ عنہ'' عربی زبان میں اپنی منفرد اور اچھوتی حیثیت کی حامل ہیں۔ بلاشبہ آپ نے عربی زبان میں ان مقدس شخصیات پر سوانحی خدمات انجام دے کر مسلم تاریخ میں قابل قدر اضافے کئے ہیں۔ بلکہ اس سلسلے میں تحقیقی کام سرانجام دینے والے غیرملکی محققین کے لئے اسلامی تاریخ کے ان ادوار کے حوالے سے ایک عمدہ و ناقدانہ و مبصرانہ لٹریچر مہیا کر دیا ہے اور نہایت پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔

اور آپ اپنی اس سعی و محنت، تبحرنظری، غزارۃِ فکری (یعنی فکرِ بلیغ کے باوصف) اور عمیق علمی کدوکاوش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا کچھ اندازہ قارئین کرام ہی لگا سکتے ہیں۔

بلاشک وشبہ ان موضوعات پر دیگر عرب معاصرین مثلاً جناب ڈاکٹر طٰہ

حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب علامہ عباس محمود العقاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب علامہ محمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور جناب عمر ابو النصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عمدہ و بیش قیمت اور فکری و علمی گہرائی سے کام لیتے ہوئے اپنی اپنی علمی و ادبی نگارشات پیش فرمائیں ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم جناب ڈاکٹر محمد طہٰ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ و پروفیسر علی ابراہیم صاحب ایم اے رحمۃ اللہ علیہ اور مصر کے مشہور عیسائی فاضل جناب علامہ جرجی زیدان صاحب عفی عنہ کے اسماء گرامی بھی پیش کر سکتے ہیں کہ جنھوں نے اپنی بیش قیمت نگارشات میں انہیں موضوعات پر نہایت عمدہ علمی افادات پیش فرمائے ہیں۔

بہر کیف یہ شخصیات بستانِ علم وادب کی انمول کیاری کے وہ گلہائے رنگا رنگ ہیں کہ جن کی خوشبو کی مہک آج بھی ان کی علمی و ادبی نادر تحقیقات اور بیش بہا افادات کی صورت میں جوں کی توں موجود ہے۔ اگرچہ اس چمن کی روش میں وہ پھول آج باقی نہیں رہے لیکن ان پھولوں کی خوش کن بہار کی مہک اور خوشبو کی لپک اور لپٹ آج بھی علم وادب و تاریخ وسیاست کے پروانوں کے قلوب واذہان کو معطر کیے بنا نہیں رہ سکتی۔

انہیں مذکورہ بالا اسلامی تاریخی سوانحی کتب میں سے ایک اور عمدہ گلدستہ فکر ونظر یعنی کہ ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کا پاکیزہ نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ جناب محمد حسین ہیکل صاحب کی مذکورہ تالیف ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کی تالیف و تحقیق وترتیب کے دور کا آغاز ۱۹۴۵ء سے ہوتا ہے اور آپ اپنی وفات ۱۹۵۶ء تک تقریباً گیارہ برس کے عرصہ تک اس کتاب کی ترتیب و تحقیق میں شب و روز بسر فرماتے رہے۔ اپنی پیشتر ازیں تالیف شدہ کتب کی طرح سے اس کتاب میں بھی علمی و نادر

فکری تحقیقات اور ان میں ربط و تسلسل کو کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔

جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موجودہ تالیف بعنوان ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' میں جو عنوانات اس موضوع پر علمی و نادر فکری تحقیقات اٹھائے ہیں ان کے حوالہ سے آپ کی اس کتاب کی اہمیت کا بخوبی طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ''الفصل الاول'' بعنوان (حدیث شوریٰ اور بیعت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

۲۔ ''الفصل الثانی'' بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ماضی اور مستقبل کے آئینہ میں)

۳۔ ''الفصل الثالث'' بعنوان (عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کی فتوحات)

۴۔ ''الفصل الرابع'' بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت)

۵۔ ''الفصل الخامس'' بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت)

جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کو پانچ فصول پر عربی زبان میں ترتیب دیا ہے۔ افسوس پر محمول ہوگا اگر ہم یہ عرض کریں کہ ''اے کاش جناب محمد حسین ہیکل صاحب اس کتاب کی تکمیل فرماتے۔'' اپنی زندگی کی شدید مصروفیات اور سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے آپ اس موضوع پر آخری عمر میں زیادہ کدو کاوش نہ دکھا سکے لیکن آپ نے اس موضوع پر جو کچھ بھی اور جہاں تک بھی علمی و تحقیقی نگارشات پیش فرمائی ہیں۔ وہ اپنی پیشتر ازیں تالیفات میں علمی رتبہ میں کسی طرح بھی کم پایہ نہیں ہیں۔

جناب احمد ہیکل بیرسٹر صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''ڈاکٹر ہیکل نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد کی یہ تحقیق ۱۹۴۵ء میں

اس ارادے سے شروع کی تھی کہ وہ اپنی اس اسلامی تحقیق کو جاری رکھیں گے۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب حیات محمد ﷺ سے شروع کیا تھا۔ مگر ان کی سیاسی زندگی کے احوال وظروف نے جن کی گہرائیوں میں اتر کر وہ وزیر بنے۔ ان کو اپنی فکری و ادبی کاوشوں سے بہت دور رہنے کا حکم دیا تھا۔ آپ کے پروگرام میں یہ بات شامل تھی کہ عہدہ وزارت کے دوران میں ان کی کوئی کتاب منظر عام پر نہ آئے۔ نیز اسی اثناء میں ان کے پاس اپنی شروع کی ہوئی کتاب کا مکمل کرنے کا وقت بھی نہ ہوتا تھا اور وہ اس تحقیق کو فراغت کے وقت تک مؤخر کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے، اور یہی کیفیت ان کی اس وقت تھی جب وہ مجلس شیوخ کے صدر تھے۔ اسی وجہ سے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد کی باقی ماندہ تحقیق کو سال بہ سال مؤخر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے بعد ان کا اس تحقیق کی طرف واپس آنا آسان امر نہ رہا۔

آگے رقمطراز ہیں کہ:

اس کے علاوہ ایک اور سبب یہ بھی تھا جس پر ڈاکٹر ہیکل کو اس تحقیق میں آگے بڑھنے سے قبل لمبا عرصہ غور وفکر کرنا پڑا۔ جس کے باعث اس تحقیق پر غور وفکر کرنے میں تاخیر ہوگئی۔ وہ سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے امر خلافت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ حق دار خلافت ہونے کے متعلق اسلامی فرقوں میں جو جھگڑا پایا جاتا تھا وہ تیرہ یا اس سے زیادہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی جوں کا توں ہے اور خلافت کے کھنڈرات میں سے اب صرف خلافت کا نام ہی باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی پہلی عالمی جنگ کے بعد مٹ مٹا گیا ہے۔

اور بعض فرقوں نے تو اس معاملے کو اس حد تک پہنچا دیا ہے، کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قانونی (Legal) ہونے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد انہیں اس کی وصیت کی تھی۔ جس بے اعتدالی کو ان فرقوں نے روا رکھا ہے بلاشبہ یہ ایک عیب لگانے والی بات ہے۔ کیونکہ یہ کلیتاً اس امر کی مخالفت ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے۔ وہ یہ کہ مومن کنگھی کے دانوں کی طرح سے برابر ہیں۔ اس لحاظ سے وہ حقوق اور واجبات عامہ میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور ان میں سے ولایت اسے ملے گی جو کہ اس کا حقدار ہوگا۔

ملاحظہ کیجئے (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) خلافت اور حکومت کے نقطہ نظر سے
از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ اختر فتح پوری صاحب
بعنوان ''تعارف'' از بیرسٹر احمد محمد حسین ہیکل بر صفحہ ۱۰، ۱۱

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کا تحقیقاتی و علمی تبصرہ

ہم گزشتہ صفحات میں ''سیرت ابوبکر رضی اللہ عنہ'' کے حوالے سے جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کا ''مسئلہ خلافت و اسلامی نظم حکومت'' نقطہ نگاہ ہدیہ قارئین کر چکے ہیں کہ جو آپ نے اتنے اہم موضوع پر پیش فرمایا ہے۔

آپ نے فرد کے آزادانہ حق خودارادیت کو ''انتخاب خلیفہ'' کے معاملہ میں نہایت واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔

آپ کی تالیف ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کی الفصل الاول (حدیث

شوریٰ اور بیعت عثمان رضی اللہ عنہ) نے اجمالی طور پر "خلافت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم" پر بھر پور فکری بحث دی ہے۔ آپ نے اس معاملہ میں انتہائی فکری وعلمی گہرائی اور گیرائی سے کام لیا ہے اور ہم اگر یوں کہیں کہ آپ نے اس عنوان کے حوالہ سے فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے دلائل وشواہد کے پیش نظر جناب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے "انتخاب خلیفہ رضی اللہ عنہ" کی کارروائی کو "آزادانہ حق خودارادیت" پر مبنی درست انتخاب اور جائز واطمینان بخش انتخاب قرار دیا ہے۔ چنانچہ "الفصل الاول" کی آخری سطور میں اپنا نقطہ نگاہ تاریخی دلائل وشواہد اور حقائق کی روشنی میں درج ذیل طور پر واضح انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ" کی بیعت خوش آئند مستقبل کی فضاء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ جب لوگ بیعت سے فارغ ہوگئے تو حج کے بعد مدینہ آنے والے حضرات اپنے وطنوں، عراق، فارس، شام اور مصر کو واپس ہونے لگے۔ ان میں سے ہر ایک اس بات کا خواہاں تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے زیادہ سے زیادہ اپنے فضل سے نوازے۔

حالات پھر معمول پر آنے لگے۔ لوگ اپنے اپنے روز مرہ کے کاموں میں مشغول ہوگئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے وقت آگیا کہ وہ بار خلافت کو قوت وطاقت سے سنبھال کر امورِ خلافت اپنی طبیعت کی ضرورت کے مطابق خوش خلقی، نرم روی، صدق ایمانی اور بھلائی کے لئے سرانجام دیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا تو اس دن سے لے کر......انہوں نے مؤقف اختیار کیا کہ اس مؤقف کے خلاف پیدا ہونے والے حالات کا مقابلہ کریں۔ اس کے مقابلہ میں آپ رضی اللہ عنہ

سیاست کے ایک نئے انداز کے محتاج تھے۔ شروع میں آپ رضی اللہ عنہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ اس کو انجام دینے کی توفیق ملی۔ پھر عمر کی زیادتی اور حوادث نے آپ کو عاجز اور درماندہ کر دیا اور بعد میں اس کام کو بہ حسن وخوبی انجام نہ دے سکے۔"

ملاحظہ کیجئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل

اردو ترجمہ ترتیب وتدوین جناب حکیم مرزا صفدر بیگ

الفصل الاول بعنوان (حدیث شوریٰ اور بیعت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) برصفحہ ۵۹ صفحہ ۶۰

الفصل الثانی۔ بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، ماضی اور مستقبل کے آئینہ میں) تحریر کرتے ہیں کہ:

بیعت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عمر ۷۰ برس تھی۔ آپ نہ طویل القامت تھے، نہ چھوٹے قد کے بلکہ درمیانہ قد کے مالک تھے۔ آپ خوبرو، نرم انداز اور گندم گوں رنگ کے تھے۔ آپ کے چہرے پر کچھ چیچک کا اثر بھی تھا۔ آپ کی ریش مبارک گھنی اور بڑی تھی اور جسم کے جوڑ وبند بھی بڑے تھے۔ دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ بھی بڑا تھا۔ آپ کے سر کے بال گھنے تھے مگر بعد میں سر کے اگلے حصے کے بال اڑ گئے تھے۔

آپ نے دانتوں کو مضبوط سونے سے بنوایا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ آپ قیمتی اور خوبصورت لباس زیب تن کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ آسودہ حال زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ بڑے حیا دار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

"میری امت کا سب سے سچا حیادار عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔"

آپ کی حیاء آپ کی توجہ میں اور بھی اضافہ کر دیتا تھا۔ آپ کی بیوی کی

ایک لونڈی نبانہ رضی اللہ عنہا نام کی تھی۔ جب آپ غسل کرتے وہ آپ کے کپڑے لے کر آتی تو آپ رضی اللہ عنہ اسے کہتے:

''میری طرف نہ دیکھو، یہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔''

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ وترتیب وتدوین جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب!

الفصل الثانی بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ماضی اور مستقبل کے آئینہ میں)

بر صفحہ ۶۱، صفحہ ۶۲ ومابعد صفحات

غرضیکہ آپ رضی اللہ عنہ امانت ودیانت وحیاء وخلوص للٰہیت نیز آپ کے جود و سخا کے واقعات کتب احادیث وسیر سوانح میں متواتر و مسلسل موجود ہیں اور زبان زد خلائق وعوام ہیں کہ جن کی تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا نظم حکومت ومملکت

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

آپ نے حکومت کے مختلف علاقوں میں عرب، مصر سے شرق فارس تک امرائے افواج کو لکھا:

''امابعد! تم مسلمانوں کے حامی اور ان کا دفاع کرنے والے ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تک ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئے۔ انہوں نے تمہارے لئے کچھ قانون وضع کئے تھے۔ بلکہ وہ ہمارے سرداروں کے بنائے ہوئے ہیں۔ مجھے تم میں سے کسی طرف سے بھی ان میں تبدیلی کی بات نہیں پہنچنی چاہیے۔ ورنہ تم جس حالت میں ہو، اللہ اسے بدل دے گا اور تمہاری جگہ دوسرے

لوگ لے آئے گا۔ پس دیکھو کہ تم کیسے ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو بات میرے ذمہ لگائی ہے، میں اس میں غور وفکر کر رہا ہوں اور اس کی نگرانی بھی کر رہا ہوں۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ وہ سیاست ہے جسے آپ نے اپنی بیعت کے آغاز میں اختیار کیا اور شہروں میں شائع کیا۔ آپ اس میں اضافہ بھی کر سکتے تھے، انہوں نے حکمرانوں کو ان کے علاقوں میں قائم رکھا اور ان میں سے کسی کو بھی معزول نہیں کیا اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان میں سے کسی دوسرے علاقے میں تبدیل کیا۔

آپ نے نافع بن عبد الحارث رضی اللہ عنہ الخزاعی کو مکہ پر سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کو طائف پر، یعلیٰ منیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء پر، عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور اس کے ارد گرد کے علاقوں پر، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق پر، عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو حمص پر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر پر قائم رکھا۔ جیسے آپ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کو فوج پر، امیر لشکر۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) اردو ترجمہ الفصل الثانی بر صفحہ ۹۲، ۹۳!

ترتیب وتدوین جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ) کے واقعہ شہادت کے بعد مفتوحہ علاقوں میں رومیوں نے گڑبڑ پھیلانی شروع کر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف رومیوں کے اشارہ پر بغاوت پھیلانے والے علاقوں کو مضبوطی سے کنٹرول کیا بلکہ مزید علاقے بھی فتح کر لیے۔

چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ الفصل الثانی کے آخر میں

فتوحات عہد عثمانی پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

عہد عثمانی کی مشکلات

اس قسم کا پہلا بگاڑ آذر بائیجان اور آرمینیا میں رونما ہوا۔ پھر رومیوں نے شام (Syria) پر حملہ کر دیا۔ اسکندریہ نے اپنا معاہدہ (Trety Peace) توڑ دیا اور رومیوں سے مدد مانگی اور انہوں نے اس کی مدد کی۔ پھر اس قسم کے واقعات پے در پے رونما ہونے لگے۔ جن کا آغاز ہی میں قلع قمع کرنا ضروری تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس سے فتوحات کا سلسلہ لمبا ہو گیا اور حکومت کی حمایت کے لئے مسلمان جنگی مشقیں کرنے لگے اور بری فوج کے ساتھ ساتھ انہیں بحری فوج بھی تیار کرنا پڑی!

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ ترتیب وتدوین از جناب حکیم مرزا اصفدر بیگ صاحب!

الفصل الثانی بعنوان (حدیث شوریٰ اور بیعت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) بر صفحہ ۹۷

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے ''الفصل الثانی'' میں جناب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت کے شدائد و مشکلات اور نازک صورتحال کا جچے تلے انداز میں تجزیہ کیا ہے۔

۳۔ جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے ''الفصل الثالث'' بعنوان (عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کی فتوحات) میں اجمالی طور پر خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے عہد کے ان نازک مسائل کا جائزہ لیا ہے کہ جن کا سامنا آپ کو مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد کرنا پڑا۔ ابھی روم و ایران کی سلطنتوں کے فرمانروا اسلامی سلطنت کو سخت

حریفانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہ اپنی دیرینہ و پے در پے شکستوں اور وسیع علاقہ جات کے چھن جانے سے پہلے سے کہیں زیادہ سیخ پا تھے۔

چنانچہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بے وقت اور ناگہانی شہادت سے مسلم امہ جن مشکلات اور نازک صورتحال سے دوچار ہو چکی تھی اس کا ان کو بخوبی اندازہ تھا۔ لیکن آپ نے اس نازک صورتحال پر کس طرح قابو پایا اور پھر اپنی افواج کو کس طرح چوکنا کیا اور پھر حسب ضرورت بری فوج کی تشکیل و تنظیم نو کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کو بحری فوج و بحری بیڑے کی تنظیم و تشکیل بھی کرنا پڑی تو سنئے۔

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور بری و بحری افواج کی تنظیم و تشکیل نو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی مملکت مشرق میں اقصائے فارس سے حدود برقہ تک اور مغرب میں طرابلس تک، شمال میں بحر قزوین سے جنوب میں بلاد نوبہ تک پھیل چکی تھی۔

اس مملکت کے جن علاقوں کو مسلمانوں نے فتح کیا ان میں امن و امان قائم کیا۔ کیونکہ ان علاقوں میں اور کوئی غالب آنے والا نہ تھا۔ اس کے باوجود وقتاً فوقتاً ان علاقوں کے لوگ ہمیشہ ہی مسلمانوں کے خلاف سرکشی و بغاوت کے لئے حرکت کرتے رہے اور انہوں نے اپنے معاہدے بھی توڑ دیے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ کیونکہ فاتح قوم، زبان اور عقیدہ میں ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ فتح سے چند سال پہلے حیرہ اور غساسہ کے عرب

شہنشاہ ایران اور اثر روم کے ماتحت تھے۔

اسی طرح سے یہ بات بھی تعجب خیز نہیں کہ فتنہ کے عوامل مفتوحہ علاقوں میں لوگوں کے دلوں کو برانگیختہ کریں۔ یہ بات اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے مقابل ان کے مقام کے متعلق ایک حکم ہوتا ہے اور مسلمانوں کے مقام کا حکم ان کے مقابل ایک دوسری قسم کا ہوتا ہے۔

ان علاقوں میں مسلمانوں کی چوکیاں نہ تھیں، بلکہ وہ جن علاقوں کو فتح کرتے تھے وہاں کے لوگوں سے مقررہ جزیہ پر مصالحت کرتے تھے۔ جو وہاں کے رہنے والے انہیں ادا کرتے تھے۔ پھر اس علاقے کی حکومت وہاں کے مقامی لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے بعد ان کی افواج عربی چھاؤنیوں میں چلی جاتی تھی ان چھاؤنیوں میں سب سے بڑی چھاؤنی کے مراکز شام، دمشق، اور حمص تھے جیسے عراق میں بصرہ اور شام بڑے مرکز تھے۔ مگر مصر میں قلعہ بابلیون کے سوا جہاں آج کل قدیم مصر کے آثار ہیں اور کسی جگہ عربوں کی مسلح افواج نہ تھیں۔ اس لئے کئی دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان ریاستوں نے اطاعت کے بعد سرکشی اختیار کر لی اور جزیہ کی ادائیگی بند کر دی اور عربوں سے بچنے کے لئے قلعہ بند ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر فوج کشی کر کے پھر انہیں اپنا اطاعت گزار بنا لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی افواج کا کوئی حصہ وہاں نہ چھوڑا۔ جو ان ریاستوں کے نظام کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتا اور ان سے ان کا احترام کرواتا۔ اس لئے حکومت کی تیزی سے ہوتی ہوئی توسیع کی وجہ سے فوجوں کے ایک میدان سے دوسرے میدان میں منتقل ہونے کی ضرورت رہتی تھی۔ پھر انہیں یہ خدشہ بھی رہتا

تھا کہ اگر انہوں نے مفتوحہ علاقوں میں تھوڑی فوج چھوڑی تو لوگ اس کے خلاف انقلاب بپا کر کے اس پر غالب آ جائیں گے۔ جس کا فوج کے دلوں پر برا اثر پڑے گا اور حقیقت میں وہ ہمیشہ اس بات پر قادر رہے کہ نافرمانوں کو ان کی سرکشی سے روک دیں اور انہیں ایسا سبق دیں کہ جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو!

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب اردو ترجمہ ترتیب و تدوین جناب پروفیسر مرزا اصفدر بیگ صاحب الفصل الثالث بر صفحہ ۹۸، ۹۹

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اختلاف کا فکری تجزیہ بدیں الفاظ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"مگر مسلمان ہمیشہ کے لئے دین کی جلالت اور عظیم دعوت سے وابستہ رہے تھے جو اخوت انسانی تک لے جاتی ہے اور اس کی مضبوطی کے لئے اعلیٰ نمونے پیش کرتے تھے۔ یہ درست ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تھے اس وقت سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں اختلاف کا کیڑا رینگ رہا تھا۔ لیکن اس کی رفتار بہت کم تھی اور لوگوں پر اس کا اثر نمایاں نہ تھا اور نہ ہی وہ انہیں فساد پر آمادہ کرتا تھا اور اسی طرح سے یہ بھی درست ہے کہ مختلف قبائل کے عرب قریش کی حکومت اور ان کے تسلط سے برا مناتے تھے اور اسی تسلط سے متعلق وقتاً فوقتاً تنگ دلی کا اظہار بھی کرتے تھے مگر مقابلہ اور تنگ دلی ہمیشہ اندرون خانہ ہی رہی۔

انفرادی طور پر ان کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ مگر یہ دونوں باتیں جماعتی تحریک تک نہ پہنچیں اور نہ ہی اس مقابلہ بازی نے انہیں اس حال تک پہنچایا کہ وہ عربوں پر چھا جائیں۔ جو انہیں بلند قدر رسالت پر حاصل ہے اور دنیا بھر میں

جس کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری قضاء وقدر نے ان کے کندھوں پر ڈالی ہے۔

اس لئے ان خفیہ تحریکوں کا جو انقلاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے لئے راہ ہموار کر رہی تھی۔ فتوحات کو روکنے کے لئے اور اس کی قوت کمزور کرنے میں جو نئے دین اور جدید نظام میں مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کی تھی، اس کا کوئی اثر نہیں پڑا اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اگر یہ عوامل نہ ہوتے تو مسلمان جہاں تک پہنچے تھے اس سے آگے جاتے اور جو فتوحات انہوں نے حاصل کی تھیں وہ اس سے زیادہ فتوحات حاصل کرتے۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب

اردو ترجمہ و ترتیب و تدوین جناب حکیم مرزا صفدر بیگ

الفصل الثالث بعنوان (عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کی فتوحات) بر صفحہ ۱۷۲ و مابعد صفحات

(باہمی سیاسی کھینچا تانی اور مسئلہ خلافت پر نزاع کی اموی و ہاشمی گروہ بندی کے پیش نظر) تحریر کرتے ہیں کہ:

''یاد رہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ سوچ اسلامی نظریہ کے جلال پر غالب نہیں آسکی اور وہ اپنی پہلی حالت ہی میں رہی اور نہ ان جماعتوں تک پھیل سکی ہے جو دین جدید کی قوت سے ملکوں کو فتح کر رہی تھیں۔ سوائے اس خرابی کے جو عقائد و نظم میں آچکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔

ہاں اس کے ساتھ ساتھ اس سوچ نے نئی حکومت کی زندگی میں کئی نئے رجحان پیدا کئے اور ان کا بھی اثر پڑا جو انقلاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

فتوحات کے استقرار و اطراد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت

(Govt) کا اثر بھی تھا۔

اس طرح ان عوامل کی حوصلہ افزائی میں اس کا بھی اثر تھا جو عمر رسیدہ خلیفہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر منتج ہوا۔

(ایضاً) بر صفحہ ۱۷۴

"الفصل الثالث" اپنے موضوع کی مناسبت سے نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہے اور جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے نہایت عمیق علمی و فکری تجزیہ کے پیش نظر ترتیب دیا ہے اور قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس تمام فصل کو نہایت توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے بلاشک وشبہ نہایت مختصر بیانات میں جناب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخری حصہ میں پیدا ہو جانے والے افکار حوادث وفتن سے پر بدنظمی اور بے چینی کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔

"جو خفیہ تحریکیں انقلاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کے لئے کام کر رہی تھیں ان میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ فتوحات کے سلسلہ کو روک دیں یا نئے دین اور جدید نظام نے مسلمانوں کے دلوں میں جو قوت پیدا کر دی ہے اسے کمزور کر دیں۔

اگر یہ تحریکیں نہ ہوتی تو مسلمان جہاں تک پہنچے اس سے زیادہ آگے جاتے اور جہاں تک انہوں نے فتوحات حاصل کیں اس سے زیادہ حاصل کرتے۔

ان تحریکوں کے اثر نے فتح پر ہی اکتفا نہیں کیا جو اپنے اندر دفاعی شگاف کی حد بندی کرتی ہے، بلکہ اس کا اثر عربیہ کی زندگی پر پڑا اور اس نے اس کے بعد بہت سے حالات کو ایک ایسی ڈگر پر ڈالا جو کہ حکومت اسلامیہ اور بعد کی تمام تاریخ اسلامی پر نگران بن گیا۔

اس لئے سیاسی و مذہبی انقلاب کو سمجھنے کے لئے جس نے بعد میں واقعات کو ایسے راستے پر ڈال دیا جس کا اثر آج تک نمایاں چلا آرہا ہے۔ ان تحریکوں اور جوہری عوامل کا مطالعہ ضروری ہے۔

ان میں سب سے پہلا عمل جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے بنو ہاشم اور بنوامیہ کا باہمی مقابلہ ہے۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے سو سال پہلے کا چلا آتا ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے استقرار کے بعد یہ مقابلہ ٹھنڈا پڑ گیا اور جزیرہ نمائے عرب کے اطراف سے آ آ کر جو لوگ اللہ کے دین میں شامل ہونے لگے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو بنو ہاشم کے دل میں خلافت کے خیال نے انگڑائی لی کہ یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی میراث ہے مگر یہ خیال وقفے وقفے سے پیدا ہوتا رہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حکومت کی زندگی میں اس کا کچھ زیادہ اثر نہ تھا۔

جب مسلمانوں نے ایران، شام اور مصر کو فتح کیا پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو یہ مقابلہ بازی نمایاں ہوگئی اور یہ عصبیت اس صورت میں نمایاں ہوئی جس کی وضاحت ہم نے شوریٰ میں بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس بیعت کے وقت کیا مؤقف تھا۔ اس بارے میں روایات کا اختلاف ہے۔ لیکن اس بارے میں سب متفق ہیں کہ بنو ہاشم اس سے راضی نہ تھے اور انہوں نے اس کی طرف اس نظر سے دیکھا جس نے انہیں حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وہ بات یاد دلا دی جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہی تھی کہ:

''لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ نبوت وخلافت کو تمہارے لئے یکجا کر دیں۔ قریش نے اسے اپنے لئے پسند کیا ہے اس لئے ٹھیک کیا ہے۔''

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کہا:

''لوگ قریش کی طرف دیکھتے تھے اور قریش اپنے گھر کی طرف دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر بنو ہاشم تم پر حکمران بن گئے تو ولایت کبھی ان کے گھر سے نہیں نکلے گی اور اگر ان کے گھرانے کے علاوہ دوسرے قریش میں ہوگی تو تم آپس میں اسے لیتے رہو گے۔''

الفصل الرابع بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت)

ترتیب وتدوین جناب حکیم مرزا صفدر بیگ بر صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:

''بنو ہاشم کی تنگ دلی کی وجہ سے بنی امیہ کے کسی آدمی کو خلافت دینے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت پر گہرا اثر پڑتا تھا۔ اسی طرح عربوں کی تنگ دلی کی وجہ سے کسی غیر قریش کی حاکمیت سے قریش پر اسی قسم کا اثر پڑتا تھا۔ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم میں سے مکہ اور مدینہ کو چھوڑنے والے اور فتح کے وقت مسلمان ہونے والے شام گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی اور نجد اور یمن کو خیر باد کہنے والے اور جزیرہ نما کے مشرق اور جنوب میں بسنے والے قبائل عراق چلے گئے۔ اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں جو بھی والی مقرر ہوئے وہ مکہ اور مدینہ

کے آدمی ہوتے تو دوسرے عربوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ:

ان لوگوں کو ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ جب کہ فتوحات اور حکومت کے قیام میں ان کا اثر ہم سے زیادہ نہیں ہے۔

وہ ہم سے ''سابق الاسلام'' ضرور ہیں اور جب یہ سبقت اس بات کو جائز قرار دیتی کہ خلافت قریش میں ہو تو یہ بات کیوں جائز قرار نہیں دیتی کہ حکومت کے عہدوں میں بھی انہیں ترجیح دی جائے۔''

اسلام تقویٰ کے سوا کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دیتا جو لوگ بصرہ اور کوفہ میں رہائش پذیر ہوئے وہ بھی اہل حجاز اور اہل مکہ و مدینہ کی طرح برابر کے ہیں۔ اس طرح ترجیح دینے سے عرب کے ایک گروہ کو دوسرے پر حکومت کرنے کی حرص پیدا ہوئی۔ جسے اسلام قبول نہیں کرتا ہے اور نہ ہی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پسند فرماتے ہیں۔ کیا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حسن سلوک نہیں کیا۔ وہ غلام تھے۔ جسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ جو بہت سے قریش اور انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم سے ''سابق الاسلام'' تھے۔ اسی لئے اہل نجد و دیگر لوگوں کو جنہیں فتح میں بڑی فضیلت حاصل ہے کیسے مؤخر کیا جاسکتا ہے اور اہل مکہ اور مدینہ کو ان پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ حق تلفی ہے جس سے کوئی شریف آدمی راضی نہیں ہوسکتا ہے۔

اس برتری کو وہ عرب قبول نہیں کرتے جو کافی صدیوں سے، قبل اس کے کہ اسلام انہیں ایمانی طور پر حریت اور مساوات میں زیادہ کرے، مساوات اور حریت سے پیار کرتے چلے آرہے ہیں۔

ایک جگہ پر ایک تیسرا عمل بھی ہے جو کہ حکومت کی سیاست کو اس راستے پر ڈالنے میں ان دو عوامل سے کم اثر انداز نہیں!

جو انقلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل پر ختم ہوا یہ عجمیوں اور یہود و نصاریٰ کا شعور ہے۔ جو وہ اپنے اوپر عربوں کے غلبے اور خدمت کے بارے میں رکھتے ہیں اور اس زمانے سے بیس سال پہلے عربوں کو کوئی غلبہ حاصل نہیں تھا۔ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خالق حقیقی سے جا ملے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جزیرہ نما سے مرتدین کا خاتمہ کیا اور ایرانی اور رومی ان عربوں کی طرف دیکھتے تھے کہ یہ تمدن اور عالی مقام میں ہم سے کہیں نیچے ہیں۔ پس یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر عربوں کی حکومت کو پسند کریں۔

یہ شعور ایران میں بڑا واضح تھا۔ وہاں سے شام اور مصر میں آیا اور اس لئے کہ ایران ایک آزاد حکومت تھی جو حکومت عالم میں رومیوں کا مقابلہ کرتی تھی جو شام اور مصر میں حاکم بنے بیٹھے تھے۔

آپ ایرانیوں میں کمزوری اور ضعف کو حد سے بڑھا ہوا پائیں گے۔ جس نے عربوں سے نجات پانے کیلئے ان کیلئے کوئی راستہ باقی نہ رہنے دیا تھا۔

خصوصاً ان لوگوں سے یہود و نصاریٰ بہت خوش تھے جو کہ نفاق سے اسلام قبول کرتے یا بالکل قبول نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یہ نیا دین انہیں ان کے وطن سے جلا وطن کر دے گا اور یہ عرب ہی تھے جنہوں نے انہیں ان کے وطن سے جلا وطن کر دیا تھا۔

(ایضاً) الفصل الرابع اردو ترجمہ ترتیب و تدوین جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب بر صفحہ ۱۷۸ تا ۱۷۹

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ان عوامل کا نئی حکومت کی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔ اس اثر کا کچھ حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا اور ہرمزان جفینہ اور ابولولؤ فیروز جو مغیرہ کا غلام تھا کی سازش پر منتج ہوا۔ جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے متعلق کی، لیکن اس وقت کسی نے بھی اس فتنہ کے اسباب کو ان کی جڑوں سے اکھیڑنے کے بارے میں نہیں سوچا اس لئے کہ کسی کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ ممکن ہے یہ اسباب بڑھ جائیں اور عربوں اور ان کے درمیان خانہ جنگی ہو جائے اور انہیں خلافت سے ملوکیت کی طرف لے آئے۔

نیز واقعات کے پلٹا کھانے سے حکومت اسلامیہ کی زندگی اور تمام عالم کی زندگی میں بڑا اثر پڑا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ان عوامل کو درست کرنے کی طرف توجہ کی تھی جو ان کے وقتی اثر کو دور کر دیتی تھی۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہ کر سکے تھے۔ کیونکہ ان کا تمام عہد جہاد اور مسلسل جنگوں سے بھرپور ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لمبے عرصے تک جاری رہیں۔ پس ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی زیادہ توجہ فتوحات کی کامیابی اور اپنے قائم کردہ جدید نظام کے متعلق عربوں کو مطمئن کرنے پر مرکوز کر دیں۔

یہی کیفیت اپنی خلافت کے شروع میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تھی جب معاملات ٹھیک ہوں اور کوئی انہیں سبوتاژ کرنے والا نہ ہو اور نہ کوئی دوسرا خوف دامن گیر ہو تو ان عوامل سے علاقے میں انقلاب آ جائے یا انقلاب کے خانہ جنگی

تک پہنچ جانے کا خدشہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سے ہر فساد کے علاج کے متعلق جو دلوں کو اطمینان بخشے اور فتوحات کو کامیابی سے چلائے۔ سوچنا بند کر دیا تھا۔ [ملخصاً]

(ایضاً) الفصل الرابع بر صفحہ ۱۷۹

مختصر یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے آخری عہد خلافت میں سن رسیدگی اور کثرت کار کی بنا پر جسمانی اور ذہنی طور پر معذور ہوتے چلے جاتے تھے تو سچ پوچھیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت پیش آنے پر جن ناسازگار حالات میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمام حوادثات وفتن پر قابو رکھتے ہوئے کاروبار خلافت وحکومت جس کامیابی سے چلایا اور اسلامی مملکت کی وسعت اور دین اسلام کی اشاعت میں جو اہم حصہ لیا وہ فقید المثال تھا۔

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نہایت اہم کارنامہ اپنے دور خلافت وحکومت میں امت مسلمہ کو ایک مصحف پر اکٹھا اور متفق کرنا تھا۔

چنانچہ جناب محمد حسین ہیکل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خطرہ محسوس کیا تو لوگوں کو اس بارے میں مشورہ کے لئے جمع کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ تمام لوگ ایک قرأت پر متفق ہو جائیں۔ جب آج تم لوگ اختلاف کرتے ہو تو جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ تم سے زیادہ شدید اختلاف کریں گے۔ اہل الرائے نے آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول کر لیا تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف آدمی بھیجا کہ ان سے کہے کہ وہ مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ اسے دیگر

مصحف میں لفظ بہ لفظ نقل کیا جائے۔ مصحف ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے پاس رہا۔ پھر ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مصحف کے لکھنے کا حکم دیا اور یہ کہ سعید رضی اللہ عنہ بن العاص اموی، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بن الحارث ابن ہشام مخزومی کی موجودگی میں اسے املاء کروائیں اور انہیں حکم دیا کہ جب کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے ''مضر'' کی لغت میں لکھیں۔ کیونکہ قرآن مجید ''مضر'' کے ایک آدمی پر نازل ہوا ہے۔ جب انہوں نے قرأت واحدہ پر اس کی کتابت مکمل کر لی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ شامیوں، مصریوں، بصریوں اور کوفیوں کے لئے ایک نسخہ لکھو۔

چنانچہ انہوں نے لکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ''مکہ'' میں ایک مصحف بھیجا اور ''یمن'' بھی اس جیسا ایک مصحف بھیجا اور ایک مصحف ''مدینہ'' میں رکھا۔ ان مصاحف سے امت کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگ ہمیشہ ان کا نام ''مصحفِ عثمانی رضی اللہ عنہ'' لکھتے رہے۔ اس لئے کہ انہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق لکھا گیا اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ کے خط میں انہیں نہیں لکھا گیا۔

مختصر یہ کہ آپ نے لوگوں کو ''قرأت واحدہ'' پر جمع فرما دیا۔ جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بیانات درحقیقت لائق مطالعہ ہیں۔

الفصل الرابع کی آخری سطور میں فرماتے ہیں کہ:

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد

کی طرح رہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اکثر والی اس قسم کے بیکار امور سے چشم پوشی کرتے رہے۔ اس لئے ان میں سے اکثر اس کی وجہ سے وقار حاصل کرتے تھے۔ جس کا اس دور حکومت میں بڑا اثر تھا۔

عربوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کئی قسم کے بے کار امور ختم کر دیئے تھے۔ جو اس سے پہلے بھی جائز نہ تھے اور اہل مدینہ نے اپنے آپ کو اس قسم کے بیکار امور میں فنا کر دیا تھا۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ اور اس سے روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ:

پہلی برائی مدینہ میں اس وقت ظاہر ہوئی جب دنیا کی نعمتیں خوب ملیں اور لوگوں کا سب سے بڑا کام کبوتروں کو مارنا اور غلیل سے شکار کرنا تھا۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ ترتیب وتدوین جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب الفصل الرابع بر صفحہ ۱۹۷

بحیثیت مجموع ''الفصل الرابع'' اس کتاب میں نہایت اہم حیثیت کی حامل ہے اور یہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے دیگر فصول سے کسی طرح سے بھی کم نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے کے لئے اس ''الفصل الرابع'' کا مطالعہ نہایت ناگزیر اور اہم ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے اپنی کتاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری پانچویں فصل یعنی ''الفصل الخامس'' میں (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت) کے اسباب وعلل کو بیان فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں حالات واقعات کی کھتونیوں اور بوقلمونیوں سے ان حالات و واقعات کی نشاندہی ہوتی ہے جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر

میں فتنہ زاء ثابت ہوئے اور بالآخر آپ کی شہادت پر منتج ہوئے۔ وہ کون کون سے حوادث فتن پیش آئے کہ جن کی بنا پر امت مسلمہ ہمیشہ کے لئے اختلافات اور افتراعات کا شکار ہو گئی۔ تو آیئے جناب محمد حسین ہیکل صاحب کی ''الفصل الخامس'' میں آپ کی اس موضوع پر عمیق اور فکری تجزیاتی بحث کا مختصر طور پر جائزہ لیتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب ''الفصل الخامس'' بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت) کا آغاز بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ انقلاب کا بنیادی مرکز تھا اور وہاں سے اکثر لوگ اپنے امراء اور والیوں کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اظہار ناراضگی کیا پھر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کی تہمت لگائی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی بنایا۔

جب وہ کوفہ آیا تو اس نے کوفیوں کو اپنی تقریر میں کہا کہ:

میں تمہارے امور کا بادل نخواستہ ذمہ دار بنا ہوں اور اس نے اعلان کیا کہ فتنے نے اپنی نکیل اور آنکھیں کھول دی ہیں۔

پھر سعید رضی اللہ عنہ کوفیوں کے حالات اور خواہشات کا مطالعہ کرنے لگا تاکہ بیماری کی جڑ کو معلوم کر سکے۔ جب وہ حقیقت حال سے واقف ہو گیا۔ تو اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے مشاہدات لکھے اور کہا کہ:

''کوفیوں کا معاملہ بڑا مضطرب ہے اور صاحب شرف گھرانوں میں بھی

یہ اضطراب پایا جاتا ہے۔ ان شہروں میں اکثریت پیچھے آنے والے لوگوں اور لاحق ہونے والے بدوؤں کی ہے۔ یہاں تک کہ کسی صاحب شرف آدمی یا پھوٹنے یا نازل ہونے والی مصیبت کی طرف بھی نہیں دیکھا جاتا۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوفہ میں رہنے والے دوسرے لوگوں پر مقدم کرے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں لکھا:

''اما بعد، سابقین اور پرانے لوگوں اور جنہوں نے ان علاقوں کو فتح کیا ہے۔ انہیں فضیلت دو اور جو کوئی دوسرا ان کے ہاں آئے وہ ان کا پیروکار ہو سوائے اس کے کہ وہ حق کی ادائیگی کو بوجھ خیال کرے اور اس کو چھوڑ دیں۔

ان لوگوں کے ساتھ حق کو قائم کرو ہر ایک کے مقام کا خیال رکھو اور ان سب لوگوں کو منصفانہ حق دو۔ کیونکہ ان لوگوں کی جان پہچان سے عدل کو نقصان پہنچتا ہے۔

اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو تقریر کرتے ہوئے کوفہ کی حالت کی خبر دی اور انہیں فتنہ سے ڈرایا اور ان کے سامنے پیش کش کی کہ وہ لوگوں کو اس کی غنیمت کا حصہ اس جگہ پہنچائیں جہاں وہ عرب میں مقیم ہوں گے۔

اس پر اہل مدینہ نے آپ کو خوش آمدید کیا اور عرض کیا کہ:

''آپ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس وہ غنیمت کیسے لائیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین میں دی ہے؟''

تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

''ہم حجاز اور یمن کی غنیمت میں سے جو کچھ حصہ چاہیں گے

فروخت کر دیں گے۔"

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) الفصل الخامس اور ترجمہ ترتیب وتدوین

جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ برصفحہ ۱۹۸، ۱۹۹!

جناب ڈاکٹر محمد ہیکل صاحب فرماتے ہیں کہ:

لوگوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے وہ بات کھول دی جو کہ ان کے گمان میں بھی نہ تھی۔ حجاز میں مسلمانوں کے ایک گروہ کی ملکیت میں بہت سا مال تھا، جس سے انہوں نے عراق میں، جو اپنی سرسبزی اور دولت مندی کی وجہ سے بہت مشہور تھا، زمین خریدی اور ان میں سے ایک بڑی تعداد بڑے سرمایہ داروں سے بن گئی۔ جس سے وہ عرب جو کہ عراق کے شہروں میں مقیم تھے برافروختہ ہو گئے۔

آگے خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ:

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے والیوں پر ان کی ناراضگی میں اس لئے اضافہ ہو گیا انہوں نے انہیں "فی" اور "غنیمت" سے محروم کیا تھا اور خلیفہ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ غنیمت صرف ان لوگوں کو دے جنہوں نے جنگ کی ہے۔

ایضاً:

اسی طرح اسلامی شہروں کے بہت سے باسیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیاست پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ بعض شخصیات نے رہنے والوں کے دلوں میں ناراضگی کو ہوا دینی شروع کر دی۔ جس سے "عبد اللہ بن سبا" کی تحریک چلی۔

یہ ایک یہودی (Jewish) تھا جو یمن کے علاقے صنعاء کا رہنے والا

تھا۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کر لیا۔ اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو ورغلانے کے لئے بلاد اسلامیہ کا دورہ کیا۔

بصرہ میں اس کی دعوت سے عوام میں بہت سے لوگ متاثر ہوئے۔ جب اس معاملے کی خبر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے اسے بصرہ سے باہر نکال دیا۔

پھر یہ اپنی دعوت کی اشاعت کرتا ہوا کوفہ کی طرف نکل گیا۔ ابن سباء کو کوفہ سے بھی دھتکارا گیا تو اس نے شام جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ابھی وہ وہاں ٹھہرا بھی نہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے شام سے نکل جانے کا حکم دیا۔

پھر وہ مصر چلا گیا۔ جہاں وہ اپنی دعوت کی اشاعت کرنے لگا اور وہاں سے وہ اپنے کوفی اور بصری پیروکاروں کی طرف ایلچی بھیجنے لگا۔ اس کی دعوت اس بات پر مبنی تھی کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور وہ خاتم الانبیاء کے بعد خاتم الاوصیاء ہیں۔ اس طرح سے اس نے ان کے ذہنوں میں ایک ایسی بات ڈال دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وصی رسول سے ناحق طور پر خلافت چھین لی ہے۔

ایضاً: الفصل الخامس اردو ترجمہ ترتیب وتدوین

جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ بر صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰

تو یہ تھا ''فتنہ سباء'' اور اس کے برگ وبار کہ جن کو حضرت ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کا وہ عمیق تاریخی وفکری تجزیہ کہ جس کے حوالے سے آپ نے یہودیوں کی انتہائی خوفناک سازش کو بے نقاب کیا۔ بلاشک وشبہ اسلام کے خلاف یہودیت کی نہایت گہری اور بھیانک سازش تھی کہ اس سے قبل خلیفہ ثانی حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ اس طرح کی مکر و سازش کا نتیجہ تھا۔

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب تبصرہ جاری رکھتے ہوئے خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ:

جن شخصیات نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیاست سے معارضہ کیا ان میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو کہ کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے حالات کی اصلاح کرنے اور اغنیاء و فقراء کے درمیان فرق کو کم کرنے کی دعوت دی۔

یہ بات آپ نے اس لئے کہی کہ جو عرب مفتوح علاقوں میں آ گئے تھے انہوں نے بہت سے اموال حاصل کر لئے تھے اور اس وقت ان کے پڑوس میں بعض مسلمان بھی رہائش پذیر تھے۔ جو فاقہ اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ والی مقرر کرنے اور معزول کرنے کی عثمانی سیاست پر اعتراض کرنے لگے اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں شام سے جانے کا حکم دیا تو وہ وہاں سے جا کر بھی وہی باتیں کرنے لگے۔ جو وہ مدینہ میں کیا کرتے تھے اور لوگوں کو فقراء سے ہمدردی اور غمخواری کی دعوت دینے لگے۔

آپ رضی اللہ عنہ مسلسل یہ دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نیت کا امتحان لینا چاہا۔ ایک شب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ایلچی کو ایک ہزار دینار دے کر بھیجا اور صبح اپنے ایلچی کو اشارہ کیا کہ وہ ان سے ایک ہزار دینار واپس لائے اور یہ معذرت کرے کہ یہ دینار دراصل کسی دوسرے شخص کو دینے تھے، غلطی سے آپ رضی اللہ عنہ، کو دے گئے ہیں۔ اس ایلچی نے دیکھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے وہ دینار فقراء میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ تو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی دعوت میں سنجیدہ ہیں۔

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دعوت سے شامیوں کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوف دامن گیر ہوا اور وہ امراء، فقراء کے سلوک کی بکثرت شکایات کرنے لگے تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں میرے پاس بھجوادیں۔

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں ''ربذہ'' جو مدینہ کے پاس ایک چھوٹی سی بستی ہے، میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دی اور ان کی وفات تک انہیں عطیات دیتے رہے۔

(ایضاً) صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱

مختصر یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۴ھ کے حج کے اجتماع میں اس وقت کے تمام والیان، گورنران کو شرکت کی دعوت دی اور آپ نے اس تمام فتنہ کے بارے میں حضرات عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اجتماع حج کے موقع پر مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''ہر امام کے وزیر اور خیر خواہ ہوتے ہیں، تم میرے وزیر، خیر خواہ اور قابل اعتماد آدمی ہو۔ لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اسے تم دیکھ چکے ہو۔ انہوں نے مجھ سے اپنے عمال کو معزول کر دینے کا مطالبہ کیا ہے اور یہ کہ میں ان تمام باتوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں ترک کر کے ان باتوں کو اختیار کروں! جنہیں وہ پسند کرتے ہیں، پس تم پوری قوت خرچ کر کے رائے قائم کرو اور مجھے بتاؤ''

ایضاً: ''الفصل الخامس'' اردو ترجمہ وترتیب وتدوین

جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ بر صفحہ ۲۰۲

اب گورنران اور والیان نے جناب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثالث) کی تقریر اور آپ کے استفسارات پر کیا کیا معروضات پیش کیں اور ان گورنران کے مابین کس قسم کا تبادلۂ خیالات ہوا۔

تو جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے اس بارے میں معقول حد تک دلائل وشواہد پیش فرمائے ہیں اور تفصیلات سے کام لیا ہے۔

بدلتے حالات کے ساتھ مفسدین نے مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ کیسا رویّہ اختیار کیا اور بالآخر نوبت بانجارسید کے مصداق تمام تر جھگڑا آپ کی شہادت پر منتج ہوا اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ میں کون کون سے افراد شریک تھے اور انہوں نے آپ کے ساتھ شہادت سے قبل کیسا ظالمانہ رویّہ اختیار کیا جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے ان تمام حوادث و واقعات کا مفصل بیان فرمایا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ:

''آپ کی شہادت اور تدفین کے درمیان صرف چند گھنٹوں کا وقفہ ہے۔''

''الاصابہ'' میں ہے:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالحجہ کے آٹھویں روز بروز جمعہ بعد از نماز عصر شہید کیا گیا اور ہفتہ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان آپ کی تدفین کی گئی اور یہ تدفین ''حش کوکب'' میں عمل میں آئی۔ یہ وہ باغ تھا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ''جنت البقیع'' کی توسیع کے لئے خریدا تھا۔''

''کوکب'' ایک صحابی کا نام ہے اور ''حش'' ان کے باغ کا نام ہے۔ یہ باغ یہودیوں کے قبرستان کے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے اس باغ میں سپردِ خاک کیا.................. حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

''البدایہ والنہایہ'' میں ہے کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز پڑھانے والے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی اور خلافت کی مدت کچھ کم بارہ (۱۲) سال رہی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب ''الفصل الخامس''

اردو ترجمہ ترتیب وتدوین جناب پروفیسر مرزا صفدر صاحب بر صفحہ ۲۲۰

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کی کتاب ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کی ''الفصل الخامس'' اپنی نوعیت تحقیق اور تبصرہ کے اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری ایام میں جو افسوسناک حالات پیش آئے ان واقعات کی تفصیلات میں آپ نے بھرپور اور نہایت عمدہ طور پر واقعات نگاری کے ساتھ ساتھ حقیقت پسندی سے کام لیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان اسباب وعلل کی جابجا کھوج کی ہے جو ان افسوسناک حالات اور واقعات وحوادث کا سبب ہے اور بالآخر آپ کی افسوسناک شہادت پر منتج ہوئے۔

جیسا کہ ہم ''مقدمہ'' کے ابتدائی صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ جناب محمد حسین ہیکل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کو اپنی شدید

مصروفیات کی بناء پر جیسا کہ وہ چاہتے تھے، مکمل نہیں کر پائے تھے۔ ابھی زیر نظر کتاب میں کچھ مزید عناوین پر خامہ فرسائی کی ضرورت باقی تھی۔ لیکن آپ کو اس موضوع پر کام کرنے کا مزید موقع نہ مل سکا۔

آپ زیر نظر کتاب میں کن کن ناگزیر عنوانات پر کیا کیا نگارشات علمی، فکری، تجزیاتی حوالہ سے پیش فرمانا چاہتے تھے۔ تو اس کا اندازہ ان حلقہ احباب کو ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے آپ کی علمی فکری اور تجزیاتی مشاہدات کو بالمشافہ تو سنا تھا لیکن کیا کہوں کہ!

"آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"

بہر کیف ہمارے کرم فرما جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب مدّ ظلہٗ نے اس ناگزیر ضرورت کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور ڈاکٹر ہیکل صاحب کی موجودہ کتاب "حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ" کے اردو ترجمہ و تدوین کا کام نہایت عمدہ طور پر انجام دیتے ہوئے جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کی پانچ فصول کے ساتھ ساتھ دو نہایت بیش قیمت اور اہم فصول کا اضافہ درج ذیل طور سے کیا ہے۔ مثلاً

ا۔ "الفصل السادس" بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات)

۲۔ "الفصل السابع" بعنوان (فقہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ......)

تو ہم یہاں پر جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب کی اضافہ کردہ یا یوں کہیے کہ مستزاد کردہ دو مذکورہ بالا فصول کا درج ذیل مختصر طور پر جائزہ لے سکتے ہیں۔

"الفصل السادس" بعنوان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے

اعتراضات اوران کے جوابات)

تو اس فصل میں جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب نے جناب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر وارد کیئے گئے چار عدد اعتراضات نقل کیئے ہیں جو کہ اس سلسلہ میں نہایت معرکہ آرائی کے حامل سمجھے جاتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اعتراض

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ وظیفہ بند کر دیا تھا جو کہ انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مل رہا تھا۔ نیز ان کا قرآن جلایا گیا تھا اور زدوکوب بھی کیا گیا تھا۔

۲۔ اعتراض

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے اپنے عزیز واقارب کو عہدوں سے نوازا۔ ان انتظامی غلطیوں کا نتیجہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو خود بھی خلافت سے ہاتھ دھونے پڑے اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا۔

۳۔ اعتراض

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے بدکردار عاملوں کی وجہ سے قتل کیئے گئے تھے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے داماد کو اپنا میر منشی بنایا جس نے ایسے جھگڑے اور فساد کی بنیاد ڈالی جو کہ آج تک ختم نہ ہو سکا اور اس کے نتیجہ میں خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے قتل کیا۔

۴۔ اعتراض

جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے خوش نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران انہوں نے ان کی مدد نہیں

کی۔

جہاں تک ان مذکورہ بالا چار عدد اعتراضات کا تعلق ہے جو کہ پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب نے نقل فرمائے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ان اعتراضات کی مناسب طور پر جوابدہی فرمائی ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب نے بھی موجودہ کتاب ''حیات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کی دو فصول یعنی کہ الفصل الرابع اور الفصل الخامس میں جیسا کہ ان دو مذکورہ بالا عنوانات سے ظاہر ہے جابجا ان تاریخی وعلمی طور پر حقائق کی روشنی میں تجزیاتی انداز میں تبصرہ سرائی کی ہے وہ کافی حد تک جاندار ہے۔

لیکن حضرت حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب نے موجودہ فصل ''الفصل السادس'' میں ان مشہور اعتراضات کے نہایت کامیابی سے جوابات پیش فرمائے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے درج ذیل کتب متداولہ سے مدد لی ہے۔

۱۔ ''اسد الغابۃ'': الامام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ ''تاریخ طبری'': الامام ابی جعفر محمد ابنِ جریر طبری

۳۔ ''طبقات ابن سعد'': لابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ ''الکامل فی التاریخ'': لابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ ''ناسخ التواریخ''

۶۔ ''البدایۃ والنہایۃ'' لامام ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ۔

ان کتب کے حوالے سے آپ نے ان مذکورہ بالا چار اقسام کے اعتراضات کی بھرپور طور پر قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ماشاء اللہ جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب کے جوابات مطالعہ کے لائق ہیں اور ان اعتراضات کو پڑھ

چکنے کے بعد قارئین کرام کے قلوب واذہان میں ایک تشنگی سی پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر ایک تجسس سا اجاگر ہونے لگتا ہے کہ آخر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم اورقد آور شخصیت کہ جنہوں نے اسلام جیسے ایک ضعیف وناتواں پودے کو اپنی عظیم قربانیوں کے لہوئے تازہ سے سینچ کر پروان چڑھایا کے بارے میں ایسے گھٹیا اور چھچھورے اعتراضات کیونکر؟

تو یہی وہ کیفیت تھی کہ جس کا لحاظ روا رکھتے ہوئے جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب نے ان وارد شدہ اعتراضات کے بحمد اللہ تعالیٰ کافی مدلل اور مسکت جواب دیئے ہیں۔

جوابات کیا ہیں اور ان کی روش وانداز کیا ہیں؟ تو اس کے لئے ہم قارئین کرام کی خدمت میں پرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب کی ترتیب دادہ ''الفصل السادس'' کا مطالعہ ضرور بہ ضرور فرمائیں تاکہ اس سلسلہ میں ان کی متجسسانہ تشنگی کی ماشاء اللہ بھرپور طور پر تسکین ہو سکے۔ ہم نے یہاں پر جوابات کے اقتباسات کو بخوف طوالت نقل نہیں کیا ہے۔ مگر جوابات ہیں بڑے خاصے کی چیز! ہم تو یہی دعا کر سکتے ہیں۔

تو ذرا بر سر بام آ۔ کہ خوش تماشا الیست

''الفصل السابع'' بعنوان (فقہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ......)

خلیفہ ثالث حضرت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منفرد اور خاص اہمیت کی حامل تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کے ابتدائی ایام میں دیگر قدیم الاسلام

بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پہلو بہ پہلو دین حق کی اشاعت وترویج میں جو مصائب وآلام برداشت کیے وہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کے واقعات میں آج بھی دین حق کی راہ پر چلنے والوں کے لئے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب وسنت اور اسلامی فقہی مسائل کی تعلیم پائی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو دینی وفقہی علم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل تھی اور آپ رضی اللہ عنہ علم فقہ کے بلند مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے اور اس سلسلہ میں آپ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ فقہی ودینی علمی محاصرات فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب نے ''الفصل السابع'' کو بعنوان (فقہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) ترتیب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

جیسے جیسے اسلام پھیلتا چلا گیا اور بہت سے قبائل وممالک کے لوگ اسلام کے اندر داخل ہو گئے تو مسلمانوں کو بہت سے ایسے مسائل وامور سے واسطہ پڑا جو کہ اس سے قبل موجود نہیں تھے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ دوسرے جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سے جو کہ باقاعدہ کسی مسئلے پر فتویٰ دیتے تھے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی ایک اعلیٰ پایہ کے مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل میں ضرورت کے مطابق احکامات جاری کئے مثلاً نماز جمعہ کے لئے دو اذانیں، قرآن کو کتابی شکل میں جمع کرنا اور دوسرے تمام صحائف کو تلف کرنا، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع وغیرہ ایسے کام تھے

جن کا اس سے پہلے وجود نہیں تھا۔

یہ باب ایسے مسائل سے مزین کیا گیا ہے جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے قیاس ومشورہ سے رائج کئے یا ان پر عمل کرتے تھے۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ یہاں مختصر طور پر اس باب میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) از جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب

اردو ترجمہ وترتیب وتدوین: ''الفضل السابع''

جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب بر صفحہ ۲۳۵

ان فقہی مسائل کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ وضو

۲۔ قرآن

۳۔ ذکر اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ

۴۔ نماز

۵۔ جہاد

۶۔ زکوٰۃ

۷۔ توبہ

۸۔ زیارتِ قبور

۹۔ شوریٰ

چنانچہ پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب بعنوان (شوریٰ) تحریر فرماتے ہیں کہ

''شوریٰ'' کی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص معاملے میں اہل علم اور صائب الرائے حضرات کی رائے معلوم کی جاسکے۔ اسلامی حکومت کے سربراہ اور قاضی دونوں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ پیش آنے والے معاملات میں اہل علم وصائب الرائے حضرات سے مشورہ کریں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی دوسرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی طرح سے امور خلافت میں اہل علم ورائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے پاس دو فریق کوئی مقدمہ لے کر آیا کرتے تھے تو وہ ان میں سے ایک فریق سے کہتے کہ علی رضی اللہ عنہ کو بلا لائیں اور دوسرے سے کہتے کہ علی رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا لائیں۔

جب یہ حضرات تشریف لے آتے تو دونوں فریقوں سے کہتے کہ اب تم لوگ اپنا مقدمہ پیش کرو۔ جب یہ لوگ مقدمہ پیش کرتے تھے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان حضرات رضی اللہ عنہم کی طرف رخ کر کے فرماتے کہ آپ حضرات رضی اللہ عنہم اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

اگر ان کی رائے ان کی اپنی رائے کے مطابق ہوتی تو فوراً فیصلہ نافذ کرتے۔ بصورت دیگر اس معاملے پر غور وفکر فرماتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جب فریقین وہاں سے اٹھتے تو فیصلہ تسلیم کر چکے ہوتے۔

ملاحظہ کیجئے الفصل السابع مرتب جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب بر صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶!

۱۰۔ سحر

۱۱۔ خاتم (انگوٹھی)

۱۲۔ حلی

۱۳۔ رؤیا (خواب)

۱۴۔ خلع

۱۵۔ حمل کی مدت

۱۶۔ الخمر (شراب)

۱۷۔ حد

۱۸۔ حمام (کبوتر)

۱۹۔ بدعت

۲۰۔ خضاب

۲۱۔ کلب (کتا) وغیرہ وغیرہ

آخر میں ہمیں یہ کہتے ہوئے حد درجہ خوشی محسوس ہوتی ہے جناب مولانا پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب نے ایک طرف تو جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب مرحوم ومغفور کی کتاب (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کی پانچ فصول کا اردو زبان میں نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ فرمایا ہے۔ زبان ادبی لوچ کے ساتھ بلاتصنع، برجستہ اور معنی خیز ہے۔

دوسری جانب جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کی کتاب مذکورہ بالا میں ''الفصل السادس'' اور ''الفصل السابع'' کا قیمتی اضافہ فرمایا ہے اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا فرمایا ہے اور درحقیقت جناب ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صاحب کی مذکورہ بالا کتاب کے لئے یہ اضافہ شدہ ہر دو فصول ناگزیر اہمیت کی بھی حامل تھیں۔

ہم اللہ تعالیٰ رب العزت کے حضور بخلوص قلب دست بدعا ہیں کہ وہ جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب کی اس سعی جمیلہ کو بوسیلۂ فخرِ کائنات آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن قبولیت سے نوازے اور ذخیرۂ عاقبت میں شامل فرمائے۔ کتاب مذکورہ نہایت عمدہ طور پر زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ ہے اور حسن ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

ہم اس سلسلے میں جناب پروفیسر مرزا صفدر بیگ صاحب کے نہایت ممنون ومشکور ہیں کہ آپ نے اپنے علمی اور روحانی کمالات سے ہمیں بھی فیض اٹھانے کا موقع دیا۔

آپ کا مخلص

راجہ طارق محمود نعمانی

(ایڈووکیٹ)

الفصل الاول

حدیثِ شوریٰ اور بیعتِ عثمان رضی اللہ عنہ

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام لے کر اُٹھے اس وقت جزیرۂ نمائے عرب آزاد قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ یہ قبائل حضارت و برارت کی وجہ سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ جزیرۂ عرب کے اطراف آسودگی کی خاطر شاہِ فارس یا روم کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ جب بعثت کے (۲۳) سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے اور خدائے ذوالجلال سے جا ملے تو اس وقت تک جزیرۂ عرب سے رُوم و فارس کا اثر ورسوخ مٹ چکا تھا اور عرب کے قبائل گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے اسلام سے مرتد ہونے والے عربوں سے جنگ کی اور انہیں دوبارہ اسلام پر واپس لائے۔ آخرکار دینی و سیاسی وحدت جزیرۂ عرب کا انتظام کرنے لگی۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کے قیام کیلئے عراق اور شام سے جنگوں کی بنیاد رکھی لیکن اجل نے انہیں اس کام کی تکمیل کی مہلت نہ دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو انہوں نے سیاستِ صدیقی کی پیروی کی اور اسلامی لشکر جزیرۂ نمائے عرب سے نکل کر ایرانی و رُومی علاقوں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے ایران کی شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف رُوم سے بھی اس کی بڑی بڑی ریاستیں چھین لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت مشرق میں چین، مغرب میں برقہ، شمال میں بحرِ قزوین اور جنوب میں بلادِ نوبہ تک پھیل گئی جو ایران، عراق، شام اور مصر کے علاقوں پر مشتمل تھی۔

اس طرح عربوں نے اپنے اندر ان اقوام کو اکٹھا کر لیا جو اپنے تمام بنیادی اُمور میں شدید اختلاف رکھتی تھیں۔ ہر ایک قوم دوسری قوم سے زبان، قومیت، عقیدہ، تہذیب و تمدّن اور اجتماعی و سیاسی طور پر اختلاف رکھتی تھی۔ مگر اسلام ان اقوام میں بڑی تیزی سے پھیل گیا اور یہ نیا دین ان کے درمیان رابطہ کا کام دینے لگا۔ یوں عرب ان مفتوحہ علاقوں کو عربی رنگ میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آپ کی شہادت تک اسلامی مملکت کا قیام اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کی زندگی ہی میں حیرہ کے ایک عیسائی اور دو ایرانیوں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی۔

ایرانیوں میں سے ایک کا نام ہرمزان اور دوسرے کا ابولؤلؤ فیروز تھا جو مغیرہ کا غلام تھا۔ عیسائی کا نام جفینہ تھا۔ ہرمزان جنگِ قادسیہ کے ان سواروں کا سردار تھا جنہوں نے اس جنگ میں شکست کھائی تھی۔ جنگ کے بعد یہ شخص اہواز کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے ان مسلمانوں پر حملے کرنے لگا جو عراقِ عربی کے آس پاس رہتے تھے۔ جب اس کی کارروائیاں حد سے بڑھنے لگیں تو حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کو بلادِ فارس میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے تستر کے مقام پر ہرمزان کا محاصرہ کر لیا اور اسے گرفتار کر لیا، جہاں سے اسے مدینہ لایا گیا۔ مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے درمیان گفتگو ہوئی۔ جب ہرمزان کو یقین ہو گیا کہ وہ اسلام قبول کیے بغیر قتل سے نہیں بچ سکتا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کے لیے دو ہزار دینار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

ابولؤلؤ فیروز بھی ایران کا رہنے والا تھا۔ وہ غزوہ نہاوند میں مسلمانوں سے لڑا اور قید ہو گیا۔ پھر یہ مغیرہ بن شعبہ کی مملکت میں آ گیا۔ یہ بڑھئی، نقاشی اور لوہار کا کام جانتا تھا اور غالب امکان یہی ہے کہ وہ تلوار یا خنجر بھی اسی کے ہاتھ کا بنا ہوا تھا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرب لگائی گئی۔ یہ ایرانی فوج میں رہ چکا تھا۔ اس نے سازشیوں کو بلایا اور انہوں نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسے منتخب کیا۔

جفینہ حیرہ کا عیسائی تھا اور سعد بن مالک کے پاس رہتا تھا جو اسے اس عہد نامہ کی وجہ سے مدینہ لائے تھے جو حیرہ کے عیسائیوں اور ان کے درمیان ہوا تھا۔ اس لیے جب عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قتل کے بعد اسے قتل کیا تو سعد سخت غضب ناک ہو گئے اور قریب تھا کہ ان دونوں کے درمیان ایسی بات ہو جاتی جس کا انجام اچھا نہ نکلتا۔

اس سازش سے ان امور کا پتہ چلتا ہے جنہیں بعد کے واقعات نے نمایاں کیا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جن علاقوں و اقوام کو مسلمانوں نے فتح کیا وہ ان سے راضی نہ تھیں اور بعض لوگوں

کے دلوں میں اس سلسلہ میں بڑا جوش پایا جاتا تھا۔ ایک اور بڑی دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے سازش کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں تھے اور ان کا سردار ہرمزان تھا، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی تھے اور اس پر مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے اور اسے مدینہ میں وہی مقام دلوا رہے تھے جو اسے اپنی قوم کے اندر حاصل تھا۔ اس کے باوجود اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان ایرانی سواروں نے بھی اسے بھڑکایا ہو، جو اپنے وطن میں عربوں کے محکوم بن کر رہ گئے تھے اور ان کے دلوں میں آگ بھڑک اُٹھی ہو۔ اگرچہ وہ آگ اس غیر ملکی بادشاہ کی قوت کی تاب نہ لاسکتی تھی جو ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا مگر یہ آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

عرب علاقے کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ اگر عرب اسلامی حکومت کا قیام عمل میں نہ آتا تو یہ بات نہ ہوتی۔

جس روز ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو مسلمانوں کو خوف محسوس ہونے لگا اور وہ سوچنے لگے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں موت کا فیصلہ صادر فرما دے گا تو وہ اپنے بعد کس کو جانشین بنائیں گے۔ اس کے متعلق بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور آپ سے مطالبہ بھی کیا کہ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیں۔ اس بات سے بظاہر فکر مند ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ”اگر میں خلیفہ مقرر کروں تو اس نے بھی خلیفہ مقرر کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہے اور اگر نہ کروں تو اس نے بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر ہے۔“

لیکن بعد میں غور و فکر کے بعد آپ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے یہ کام یوں ہی چھوڑ دیا تو اس سے معاملہ بگڑ جائے گا۔ ایران اور رُوم کے ساتھ جنگوں میں تمام عرب قبائل شریک تھے اور ہر قبیلہ خلیفہ کے انتخاب میں اپنا وہی حق سمجھتا تھا جو مہاجرین وانصار کو حاصل تھا۔ ان میں سے بعض تو اپنے قبیلے کے سردار کو نامزد کرنے کا حق سمجھتے تھے۔ جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات نہیں ہوئی تھی اس سلسلہ میں نئی قائم ہونے والی خلافت کے لیے بڑا خطرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جلد ہی اپنے بعد خلافت کے لیے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا دی تا کہ وہ اپنے میں سے ایک شخص کو خلیفہ نامزد کر لیں۔ یہ چھ آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ناموں کے تعین کے بعد فرمایا:

> ''میں اس معاملہ میں ان لوگوں میں سے کسی کو زیادہ حقدار نہیں سمجھتا، جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ ان سب سے راضی تھے اس لیے ان میں سے جو بھی خلیفہ بنایا جائے وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ آدمیوں کو منتخب کیا ان میں انصارِ مدینہ کا کوئی فرد شامل نہیں تھا اور نہ ہی باقی قبائل میں سے کوئی آدمی تھا بلکہ وہ سارے کے سارے قریشی مہاجرین تھے۔ انصارِ مدینہ اور دیگر عربوں نے جو حج کی ادائیگی کے بعد فوج درفوج مدینہ واپس آئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر کسی قسم کی

خفگی کا اظہار نہ کیا بلکہ آپ کی شہادت کے بعد ان سب نے آپ کے خلیفہ کی بیعت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان چھ آدمیوں کے انتخاب پر انصار اور دیگر عربوں کا مطمئن ہونا اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش آیا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسدِ اطہر گھر میں پڑا رہا اور اسے ابھی قبر مبارک میں نہ رکھا گیا تھا۔ انصار نے چاہا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امر خلافت ان کے ہاتھ میں رہے۔ ان میں سے سب سے متوسط قول اس شخص کا تھا جس نے کہا کہ:

''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے ہو۔''

جب حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مطالبہ پر ان سے مباحثہ کرنے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''ہم مہاجرین ہیں اور آپ لوگ انصار ہیں، آپ ہمارے دینی بھائی ہیں، مالِ غنیمت میں ہمارے ساتھ شریک ہیں اور دُشمنوں کے خلاف ہمارے مددگار ہیں، آپ لوگوں نے اپنی جن خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے آپ لوگ ان کے اہل ہیں اور تمام دُنیا کے لوگوں سے بڑھ کر تعریف کے مستحق ہیں مگر عرب قریش کے اس قبیلے کے سوا کسی دوسرے کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے، اس لیے امیر ہم میں سے ہوں گے اور وزراء آپ لوگوں میں سے''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کہی ہوئی یہ بات صدیوں تک مسلمانوں

میں دستور اور حکم کے طور پر چلی آتی ہے اور یہی وجہ ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تو کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور نہ ہی قریش میں سے شوریٰ کے انتخاب پر کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا بلکہ انصار اور دیگر تمام عرب قبائل بھی مطمئن ہو گئے اور اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ یہ چھ آدمی مسلمانوں کے لیے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا مسئلہ شوریٰ کے انتخاب پر کیوں چھوڑا اور ان چھ میں سے کسی ایک کو معین طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے ہوئے خلیفہ کیوں نہ بنایا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں معین طور پر خلیفہ مقرر کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ سعد بن زید بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اگر آپ مسلمانوں میں سے کسی ایک آدمی کی طرف اشارہ کر دیتے تو لوگ آپ کو امین بنا لیتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں نے اپنے اصحاب میں حرص کو محسوس کیا ہے۔''

اس جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر میں نے ایک آدمی کو خلیفہ مقرر کیا تو حرص کسی دوسرے کو اس کے مقابل لے آئے گی جس سے مسلمانوں کا اتحاد متاثر ہو سکتا ہے اور ان میں ایسا اختلاف جنم لے گا جس کا انجام کوئی اچھا نہیں ہو گا۔ بعض کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چھ میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے افضل نہ پایا، اس لیے انہوں نے یہ نہ چاہا کہ وہ اپنے رب کے حضور اس مشورے کا بوجھ اُٹھا کر جائیں

جس پر ان کا دل کامل طور پر مطمئن نہیں ہے۔ یا یہ کہ زخمی ہونے کے بعد انہیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر مسلمانوں کے اجتماع سے قبل ہی میری موت واقع ہو جائے گی۔ اس لیے آپ نے یہ معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کام کو پورا کر لے جس کی تکمیل کے لیے وہ خود وقت کی مہلت نہیں پا رہے تھے۔

یہ تمام مفروضے ہیں۔ مؤرخ کے لیے ان میں سے کسی ایک بات کو ترجیح دینا مشکل ہے۔ ایک بات ان مفروضوں میں شامل کرنا ضروری ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا:

> ''اگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرتا اور اگر میرا رب مجھ سے سوال کرتا تو میں یہ کہتا کہ میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس اُمت کا امین ہے اور اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں جواب دیتا کہ میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سالم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتا ہے۔''

کیا آپ اس عبارت سے یہ مراد لینا چاہتے ہیں کہ آپ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سالم رضی اللہ عنہ کو ان چھ آدمیوں پر فضیلت دیتے تھے جنہیں آپ نے شوریٰ کے لیے منتخب کیا تھا اور یہ کہ آپ کے نزدیک یہ چھ آدمی برابر درجے کے تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تصرف کی دوسری تاویل بھی کر سکتے ہیں کہ آپ ان چھ آدمیوں میں سے کسی ایک پر بارِ خلافت نہیں ڈالنا چاہتے تھے اور آپ اس کے

بھاری بوجھ سے تجربہ کار ہو چکے تھے۔ روایت ہے کہ آپ نے زخمی ہونے کے بعد پہلی بار ہوش میں آنے پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں آپ کو وصیت کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے امیر المومنین میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا نہیں۔ اس مشورے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خدا کی قسم میں اس معاملہ میں بالکل دخل نہیں دوں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ اس وقت تک خاموش رہیے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کے متعلق بتا دوں جن سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہونے کی حالت میں فوت ہوئے۔''

وہ کون سا سبب تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے تقرر سے روکا اور آپ نے یہ بات شوریٰ کے سپرد کر دی تا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ بعد کے واقعات نے آپ کی اس رائے کی صداقت کو واضح کر دیا ہے۔

شوریٰ کے ارکان جب شروع شروع میں اس کام کے لیے جمع ہوئے تو وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

''کیا تم امیر المومنین کی زندگی میں ہی امیر بنانے لگے ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو ان کو بلا کر فرمایا:

''ابھی ٹھہر جاؤ اگر میری وفات ہو جائے تو حضرت

صہیب[1] رضی اللہ عنہ تین راتوں تک تمہیں نماز پڑھائے، پھر تم اپنے
معاملے میں اتفاق کر لینا اور جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے
بغیر تم پر امیر بن جائے اس کی گردن توڑ دو۔"

پھر آپ نے حضرت طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جو چنیدہ بہادروں میں سے تھے
اپنے ہاں بلا کر فرمایا:

"طلحہ! اپنی قوم انصار کے پچاس جوانوں کو لے کر اصحابِ
شوریٰ کے ساتھ ہو جاؤ، میرے خیال میں یہ ان میں سے کسی
ایک کے گھر میں جمع ہو جائیں گے، اس گھر کے دروازے پر
اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہو جانا اور کسی کو ان کے پاس
نہ جانے دینا اور تیسرا دن گزرنے نہ پائے کہ وہ اپنا امیر مقرر
کرلیں، اے اللہ تو ہی ان پر میرا خلیفہ ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور شوریٰ کیلئے وہ وقت آ گیا کہ وہ
اکٹھے ہو کر کسی ایک کو مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کریں۔ انہوں نے اکٹھے ہو کر حضرت
طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کی دربانی کریں۔ نیز وہ مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن
العاص کے دروازے پر بیٹھنے پر رضا مند نہ ہوئے بلکہ حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کو کنکر مارے اور کھڑا کر کے کہا:

"تم کہنا چاہتے ہو کہ ہم حاضر ہوئے ہیں اور ہم بھی اہل

---

[1] حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی الاصل غلام تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال سے فدیہ دے کر
انہیں آزاد کروایا تھا۔

شوریٰ میں سے ہیں۔"

اہل شوریٰ نے مشورہ کا عمل شروع کیا ہی تھا کہ ان کے درمیان سخت اختلاف ہونے لگا اور ان کی آوازیں اس قدر بلند ہوئیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے شدید اختلاف کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اندر جا کر ان سے کہا:

"مجھے تو یہ خوف لاحق ہو گیا ہے کہ تم کسی کو خلافت دینے کی بجائے اس کو خود حاصل کرنے میں زیادہ رغبت رکھتے ہو، اس خدا کی قسم جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جان لی ہے میں تمہیں تین دن سے زیادہ وقت نہ دوں گا، میں گھر کے اندر بیٹھ کر تمہاری کارروائی دیکھتا ہوں۔"

ان لوگوں کے درمیان اختلاف کیسے پیدا ہوا اور کیسے وہ شدت کو پہنچ گیا حالانکہ وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کبار صحابہ میں سے تھے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے (۷۲) انسانوں میں سے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو اختلاف مہاجرین و انصار کے درمیان پیدا ہوا اس نے انصار کو جلد ہی یہ بات باور کرا دی کہ خلافت قریش کا حق ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنے اِردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا:

"یہ عمر رضی اللہ عنہ ہے اور یہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہو کر لو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو کہا "ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! اپنے ہاتھ کو پھیلایئے۔" جب آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

اور تمام حاضرین مجلس نے سوائے سعد بن عبیدہ رضی اللہ عنہ کے جو انصار کے لیڈر تھے، آپ کی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عربی اسلامی حکومت کے فیصلہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بن گئے۔ حتیٰ کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپکو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر لوگوں کو متفق کرنے کیلئے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ کیا شوریٰ کے لیے یہ دو مثالیں کافی نہیں تھیں جو ان کے درمیان اختلافات بڑھتے جا رہے تھے اور کیا یہ اس بات کی دعوت نہیں دیتیں کہ مسلمان جس شخص کی بیعت خلافت کر لیں اس پر اتفاق کر لیا کریں؟

امر واقعہ یہ ہے کہ جو حالات شوریٰ کو درپیش تھے وہ ان حالات سے جو سقیفہ بنی ساعدہ کے روز مہاجرین و انصار کو اور جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، سے بالکل مختلف تھے۔ جس وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اس وقت تک جزیرہ نمائے عرب کی وحدت یکجا نہ ہوئی تھی اور بنی اسد، بنی حنیفہ اور یمن میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی خبریں مشہور اور معروف تھیں جن کا علم مہاجرین و انصار دونوں کو بھی تھا اور ان کو یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ کہیں عرب اس نئے دین اور مدینہ کی سلطنت پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ اس بات کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والوں پر اتفاق کرنے کے بارے میں واضح اثر ہوا اور اس بات نے بھی انہیں جلد متفق ہونے پر آمادہ کیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں رُومیوں سے مقابلہ کرنے کیلئے ایک لشکر بھیجنے کا حکم دیا ہوا ہے۔

پسِ پردہ مؤقف کی دُشواری اور اس بوجھ کی جسامت کے اندازے سے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نے اُٹھانا تھا وہ اور زیادہ متحد ہو گئے۔ ان دنوں

مہاجرین و انصار کو غنیمت کا لالچ نہیں تھا اور نہ ہی مدینہ آنے والے خلافت کو وہ مالِ غنیمت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان اختلاف صرف دینِ الٰہی اور اس کی نصرت کے بلدے میں پیدا ہو رہا تھا اور یہ بھی کہ نصرتِ دین کیلئے خلیفہ ہونا چاہیے۔ جہاں تک حکومت و سلطنت کے معاملات کی بات ہے، یہ بات ان کے دلوں میں برائے نام آتی تھی۔ گویا انصارِ مدینہ نے آغاز ہی میں اپنے حقِ خلافت کو ترجیح دینے یا اس میں اشتراک کے حق کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ مدینہ ان کا شہر تھا اور اس لیے بھی کہ مہاجرین ان کے پاس مدینہ میں آئے تھے۔ اس لیے وہ ولایتِ اُمر اور اس کے معاملات کی تدبیر کے باقی لوگوں سے زیادہ حق دار تھے۔ جب انہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں گفت و شنید سے پتہ چلا کہ بات صرف ایک مدینہ کی نہیں بلکہ یہ نئے دین کی بات ہے تو انہوں نے سابقون الاولون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہونے والوں کو بھی آپ کی خلافت میں حق دار تسلیم کر لیا۔

جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا اس وقت مسلمانوں کی فوجیں عراق اور شام میں ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہو کر دفاعی مؤقف پر قائم تھیں اور اس کے انجام کی کسی کو خبر نہ تھی بلکہ مسلمان عراق کی طرف جانے میں سُستی کر کے ابنِ حارثہ کی واپسی کا سبب بننے لگے، انہوں نے وہاں تین دن قیام کیا اور ایرانیوں کے خوف اور انکی ہیبت کی وجہ سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا جواب نہ دیا۔ اس کٹھن وقت میں یہ ذمہ داری اُٹھانا اتنا آسان نہیں جس کو کوئی بآسانی قبول کر سکے۔ ہر شخص اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دینے کی کوشش کرتا تھا مگر حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس

مؤقف کی دشواری کا اندازہ لگا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام اصحابِ رسول سے زیادہ مضبوط اور آپ کو سیاست میں سب سے زیادہ صاحبِ قدرت پایا۔ اس سیاست میں کامیابی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور عزم کی ضرورت تھی۔ باوجود یہ کہ مسلمانوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا علم تھا وہ آپ کی خلافت پر راضی ہو گئے اور کسی نے بھی اس خلافت میں اپنی رغبت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ وہ روم و شام کی جنگ سے خائف تھے اور یہ خوف اس قدر غالب تھا کہ وہ ان جنگوں میں مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کے متعلق کہتے تھے کہ کامیابی ان کے مقدر میں نہیں ہے اور اس کے ایسے نتائج برآمد ہوں گے جو قابلِ خوف ہوں گے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ کی فتوحات اور توسیع کی سیاست کامیاب رہی۔ آپ نے اسلامی حکومت کو قائم کیا اور مدینہ کو سارے عالم اسلام کا دارالخلافہ بنا دیا اور جزیرہ نمائے عرب میں ایک ایسی عظیم حکومت قائم کر دی جس کی طرف ہر جانب سے اقوامِ عالم کی نگاہیں اُٹھتی تھیں۔ اطراف سے دارالخلافہ کی طرف ڈھیروں اموال آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اس مال کو شمار کریں یا تولیں۔ حالات میں تبدیلی آ گئی اس لیے شوریٰ کے اختلاف کرنے اور ان میں سے اکثر کے خلافت کی خواہش رکھنے کے بارے میں کوئی تعجب باقی نہیں رہتا۔ دیگر اختلافی امور بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اسلامی حکومت میں جس چیز نے بعد میں گہرا اثر ڈالا وہ قبائل قریش کی آپس کی مقابلہ بازی بھی ہے جس کا جاہلیت میں بھی بہت بڑا اثر تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے مساوات، حق اور لالچ و ہوس سے بالاتر ہو کر عدل کی دعوت دی تو اس طرح کے حالات آپ کی زندگی میں بھی پیش آئے تھے۔ پھر اس کا ظہور آپ کی وفات کے

بعد بھی ظاہر ہوا مگر تھوڑا، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت گزر گیا اور عرب قبائل نے دیکھا کہ وہ روم وایران پر غالب آ چکے ہیں تو قبائلی عصبیت نے دوبارہ سر اُٹھایا اور وہ لوگ بنو ہاشم اور بنواُمیہ کے ان اختلافات کا تذکرہ دوبارہ کرنے لگے جو زمانہء جاہلیت میں ہوا کرتے تھے۔ مکہ میں دیگر قبائل کا کوئی خاص مقام نہیں تھا۔ یہ دونوں ان سب کو اس مقابلہ اور خون ریزی میں شامل کرلیا کرتے تھے۔

بنواُمیہ اور بنو ہاشم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے اختلافات اور مقابلہ بازی چلی آ رہی تھی۔ بیت حرام کے تمام مناصب قصی بن کلاب میں یکجا ہو جاتے تھے اور پانچویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں اہل مکہ نے اس کی عمارت کو تسلیم کرلیا تھا۔ قصی کے تین بیٹے تھے عبدالدار، عبدمناف اور عبدالعزیٰ۔ جب قصی عمر رسیدہ ہو گئے اور حکومت چلانے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو مکہ کی عمارت اور بیت الحرام کے مناصب تفویض کر دیئے۔ عبدمناف کے بیٹے اپنی قوم میں سب سے زیادہ صاحب ثروت اور شرف وعظمت والے تھے وہ چار یعنی عبدشمس، نوفل، ہاشم اور مطلب تھے۔ انہوں نے اپنی قوت اور طاقت کو دیکھتے ہوئے یہ اتفاق کیا کہ وہ تمام امور کو اپنے چچازاد بھائیوں سے چھین لیں۔ اس موقع پر قریش دو حلقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حلقہ مطیبین کا تھا جو عبدمناف کے بیٹوں کا مددگار تھا اور دوسرا گروہ احلاف کا تھا جو عبدالدار کے بیٹوں کا حامی تھا۔ لوگوں نے انہیں صلح کی دعوت دی۔ انہوں نے سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) اور رفادۃ (حاجیوں کی بیت اللہ کے زائرین اور اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے کی وجہ سے کھانا کھلانا) عبدمناف

کے بیٹوں کو دیا اور عبدالدار کے بیٹوں کو دربانی، لواء اور مجلس کی ذمہ داری سونپی۔

ہاشم اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے لہٰذا انہوں نے سقایہ اور رفادہ کا کام خود سنبھال لیا۔ جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی تو ان کے بھتیجے اُمیہ بن عبد شمس کو خیال آیا کہ وہ اپنے چچا ہاشم کی طرح حج کے موقع پر قریش کو کھانا کھلا کر ان کے مقابلے کی طاقت رکھتا ہے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا تو لوگوں نے اسے مجبوری اور عاجزی کے طعنے دیئے۔ اس کے بعد وہ شام چلا گیا اور وہاں اس نے دس سال قیام کیا۔ مقریزی نے ''النزاع والتخاصم بین بنی اُمیہ و بنی ہاشم'' میں لکھا ہے کہ یہ بنو اُمیہ اور بنی ہاشم کی پہلی عداوت تھی۔

یہ عداوت بدستور قائم رہی اور باپ دادا سے بیٹوں میں منتقل ہوتی رہی۔ عرب پناہ کا احترام کرتے تھے۔ جب کوئی عرب کسی آدمی کو پناہ دیتا تو وہ شخص ہر کسی کی زیادتی سے محفوظ و مامون ہو جاتا اور یہ روایت ان میں مسلمہ اور قابل احترام تھی۔ اس کے باوجود حرب بن اُمیہ نے عبدالمطلب بن ہاشم کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے، ایک یہودی کے بارے میں اذیت پہنچائی جو عبدالمطلب کی پناہ میں تھا۔ حرب بن اُمیہ اس کی تاک میں لگا رہا، یہاں تک کہ اسے قتل کر کے اس کا مال لے لیا۔

بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان مسلسل مقابلہ بازی جاری رہی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو بنو اُمیہ سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر آپ سے عداوت رکھتے تھے اور لوگوں کو آپ کے خلاف متحد کرتے تھے۔ بنو ہاشم سے مقابلے کی اکثر وجہ یہی بات ہوا کرتی تھی۔

سلیمان بن حرب، اخنس بن شریق اور ابوالحکم بن ہشام نے تین راتوں

تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ٹوہ لگائی تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سنا۔ اخنس نے ابوجہل سے جا کر پوچھا ''ابوالحکم! تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرآن سنا ہے اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟'' ابوجہل نے جواب دیا ''میں نے کیا سنا ہے، ہم اور بنوعبد مناف شرف کے بارے میں جھگڑے، انہوں نے لوگوں کو کھانا کھلایا، ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کے بوجھ اُٹھائے، ہم نے بھی اُٹھائے، انہوں نے لوگوں کو دیا، ہم نے بھی دیا، یہاں تک کہ ہم سوار ہو کر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے، ہم دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح تھے، انہوں نے کہا ہم سے ایک نبی ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، ہم اس جیسا کہاں پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم نہ کبھی اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔''

ابوسفیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و جنگ کرنے والوں کا سردار ہوا کرتا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں تھے اس وقت بھی اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اس وقت بھی یہی وطیرہ تھا۔ یاد رہے کہ غزوہ اُحد میں ابوسفیان قریش کا سردار تھا۔ جب قریش کامیاب ہوئے تو اس نے پکار کر کہا ''یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور آئندہ سال پھر مقابلہ ہوگا۔'' غزوہ خندق میں بھی یہی احزاب کا لیڈر تھا۔ اُحد سے پہلے اور خندق کے بعد یہ لوگوں کو آپ کے خلاف اشتعال دلاتا تھا اور آپ کے قتل کی دعوت دیا کرتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے چلے تو ابوسفیان نے باہر نکل کر دیکھا کہ اہل مکہ مسلمانوں کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتے تو اس نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے پناہ طلب کی۔ آپ نے اسے پناہ دی اور اسے اپنے بھتیجے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس لے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے پوچھا "کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تجھ کو پتہ چل جائے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" ابوسفیان نے جواب دیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر صلۂ رحمی کرنے والے، حلیم اور کریم ہیں، رہی بات رسول ہونے کی تو اس بارے میں میرے دل میں کچھ خلجان ہے۔

اس جواب کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اگر میں نے اسلام قبول نہ کیا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس نے اپنی جان بچانے کیلئے اسلام قبول کر لیا نہ کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد تمام اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے ان میں بنو اُمیہ بھی شامل تھے جو باقی قبائل کی نسبت تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ تھے۔ ابوسفیان اور بنو اُمیہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ابوسفیان کے دل کو قبیلہ کے تعصب نے اپنی گرفت میں لیے رکھا، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی قوت نے اسے اس بات کے اظہار کا موقع نہ دیا جسے وہ اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بطور خلیفہ بیعت ہو گئی تو اس نے فتنہ کے بیج بونے کے موقع کو غنیمت جانا۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے اتفاق کے بعد وہ یہ کہتا ہوا آیا "قسم بخدا! میں ایک غبار دیکھ رہا ہوں جسے خون ہی ٹھنڈا کرے گا۔" پھر پکارنے لگا "اے آلِ مناف ابوبکر کو تمہارے امور سے کیا واسطہ، وہ کمزور ذلیل علی اور عباس کہاں ہیں؟" اور یہ شعر پڑھنے لگا "جو ظلم ان سے روا رکھا گیا ہے اس پر قبیلے کے گدھے اور کھونٹے کے سوا، جو دونوں ذلیل ہیں اور کوئی قیام نہیں کر سکتا۔"

جن روایات میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے ان میں اس امر پر اتفاق ہے

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا ''خدا کی قسم تو نے اس سے فتنہ کے سوا اور کچھ نہیں چاہا اور خدا کی قسم تو نے کافی عرصہ اسلام کے متعلق شر پیدا کرنا چاہا، نیز آپ نے فرمایا تو نے کافی عرصہ تک اسلام اور اہل اسلام سے عداوت کی مگر تو اس کا کچھ نقصان نہ کر سکا، میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل پایا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد اسلام کے متعلق ابوسفیان کا کیا مؤقف رہا اس بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ پوری طرح اسلام قبول کر چکا تھا اور مسلمانوں کو شام میں رومیوں سے جنگ پر آمادہ کیا کرتا تھا۔ اس روایت کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کے دو بیٹے یزید اور معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں فوجی عہدوں پر فائز تھے اور فوج کے سپہ سالار تھے۔ جب یزید کی وفات ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی حکومت دے دی۔ جبکہ اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوسفیان کے ظاہر و باطن میں تضاد تھا۔ جب رومیوں کا غلبہ ہوتا تو کہتا اے بنو اصغر آگے بڑھو اور جب مسلمان انہیں شکست دیتے تو نعمان ابن امرئ القیس بن اوس جو حیرہ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا کا یہ شعر پڑھتا کہ بنو اصغر روم کے بادشاہ ہیں مگر اب ان میں کوئی قابل ذکر بادشاہ نہیں رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات دیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام نے ابوسفیان کی بات بیان کرتے ہوئے کہا ''اللہ اس کا ستیاناس کرے وہ نفاق ہی کی بات کرتا ہے، کیا ہم بنو اصغر سے بہتر نہیں ہیں۔'' آخری روایت کے متعلق غالب امکان یہ ہے کہ داعیوں نے اسے بعد میں بنو عباس کے لئے وضع کیا ہے اور نہ ہی یہ بات طبعی طور پر درست ہے کہ

ابوسفیان اپنی عرب قوم کے خلاف رومیوں کے لیے تعصب سے کام لے جبکہ اس کے دو بیٹے رومیوں سے جنگ کرنے والی فوج کے سردار ہوں۔ بعض اوقات ایسی روایات بھی وضع کر لی جاتی ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوسفیان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس خلیفہ بننے کے بعد آ کر کہنے لگا ''تیم اور عدی کے بعد تمہارے پاس خلافت آئی ہے اسے گولے کی طرح گھما اور اس کی تانت بنواُمیہ سے بنا۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چلا کر کہا مجھ سے دُور ہو جا۔ لیکن اگر ہم پہلی روایت کے کذب کو اس بناء پر ترجیح دیں کہ وہ واقعات کی منطق کے خلاف ہے تو ہم دوسری روایت کے کذب کو ترجیح دینے کی سکت نہیں رکھیں گے کیونکہ ابوسفیان اپنی قوم بنواُمیہ کے لیے شدید تعصب رکھتا تھا۔

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے اس اختلاف نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو آپ کے ساتھ تعلقات رکھنے سے نہیں روکا کہ وہ آپ سے عداوت پیدا کر لیں اس لیے کہ آپ نے ان کے دین پر تنقید کی ہے اور ان کے آباؤ اجداد جن کی عبادت کرتے تھے ان کی عیب گیری کی ہے۔ آپ کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی حمالۃ الحطب دونوں بنواُمیہ اور دوسرے قریش سے بڑھ کر آپ کو تکلیف دیتے تھے اور آپ کے چچا ابوطالب اپنے دین پر قائم رہنے کے باوجود (اور وہ آخر دم تک اپنے دین پر قائم رہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر طرح مدد کرتے رہے تھے۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کو آپ کو گالیاں دیتے اور تکلیف پہنچاتے دیکھا تو اپنے بھتیجے کے لیے ازراہِ تعصب اسلام قبول کر لیا۔ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا جب تک کہ مسلمانوں کا لشکر فتح مکہ کے لیے نہیں چل پڑا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں سے اس بات کا اظہار کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان پر گرفت کی جائے۔ عقائد کا دل پر بڑا غلبہ ہوتا ہے جن کی وجہ سے اکثر لوگ ان باتوں میں جھگڑا کرنے سے گریز کرتے ہیں جن پر انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انہیں حق اور باطل میں امتیاز کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جن کی بصیرتوں کو اللہ تعالیٰ روشن کرتا ہے اور وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ دلائل سے حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ باطل کے لیے تعصب اختیار نہیں کرتے اور ان کی آرزؤں کو وہ اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق کی دعوت دی جائے تو قبیلہ قوم اور عقیدہ کی عصبیت انہیں قبول حق سے نہیں روکتی، جب وہ راضی ہو جاتے ہیں تو اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اس کے بڑے داعیوں میں سے بن جاتے ہیں۔ یہ شان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اور ان میں سے کوئی بھی بنو ہاشم میں سے نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو اُمیہ میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن العاص بن اُمیہ بن عبد شمس۔

بعثت کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی تو آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو حق کی دعوت دی تو ان پانچ آدمیوں نے آپ کی پیروی کی جن کے لیڈر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہی پانچوں آدمیوں نے قبول

اسلام میں سبقت حاصل کی اور اس سے منسلک رہے اور اس کی راہ میں جنگیں لڑیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے وقت تک ان سے راضی رہے، انہی حضرات کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں شامل کیا اور ان کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد اور داماد تھے کو بھی شامل کیا، ان کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ آپ بنی ہاشم میں سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص تھے۔ نیز آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے۔ یہ لوگ سابق الاسلام ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے اور ان میں بعض کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا شرف بھی حاصل تھا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے دلوں کے اور قریب ہو گئے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ رکھتے تھے اور آپ کے چچا ابی طالب بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور ابوطالب وہ ہیں جنہوں نے آپ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد بچپن میں آپ کی کفالت کی اور انہوں نے ہی آپ کی بعثت کے بعد کفار سے آپ کو اس وقت بچایا جب قریش آپ کی ایذا رسانی میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بچپن میں اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس طرح آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے بہترین وفاداری کا ثبوت دیا۔ آپ کے چچا زاد ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مقام بھی حاصل ہے کہ آپ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ آپ نے بلوغت سے پہلے اسلام قبول کیا جب آپ جوان ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔

آپ اپنی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ یہ وہی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے اعتبار سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتے ہیں۔ آپ کی والدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبدالمطلب ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ہیں اور ابن العوام بن خویلد (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند) اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ اس قرابت داری کی وجہ سے وہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسلام لے آئے اور کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ بات قریش کی ایذا رسانی کے باعث دو مرتبہ حبشہ کی طرف اکٹھے ہجرت کرنے کے بعد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ اُحد کے روز عربوں سے بیعت لی، غزوہ خندق کے روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کون شخص میرے پاس اس لشکر کی خبر لائے گا جس نے مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی پکار پر لبیک کہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہے۔''

فتح مکہ کے روز حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس مہاجرین کے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا تھا۔ آپ اپنی خودداری اور سخت جنگ جوئی کے باعث لوگوں میں بڑے مہربان اور معزز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے قریب کیا اور آپ سے محبت کا معاملہ فرمایا۔ جب آپ نے مدینہ میں گھروں کی تقسیم فرمائی تو آپ کو وسیع زمین کا ایک ذخیرہ عطا کیا۔ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح چاہتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ''الجوف'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارا ''الحقیق'' جاگیر میں دے دیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی قرابت داری نہ تھی۔ آپ کے دادا ابو العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں دادا تھے (یعنی آپ کا شجرہ پانچویں پشت میں جا کر مل جاتا تھا) لیکن پھر بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیوں حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کے باعث وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے (یعنی دوہری دامادی کا شرف حاصل تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت سے قبل اپنی دو بیٹیوں کی شادی اپنے چچا ابولہب کے دونوں بیٹوں سے کی ہوئی تھی۔ جب آپ کی بعثت ہوئی تو ابولہب کی عداوت آپ سے بہت بڑھ گئی۔ اس نے اپنے بیٹوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی اور ہجرتِ مدینہ تک آپ کے ساتھ رہیں۔ غزوہ بدر سے کچھ عرصہ قبل آپ بیمار ہوئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے آپ کی تیمارداری کے لیے پیچھے رہ گئے (پیچھے رہنے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو غزوہ بدر کے ثواب میں شامل ہونے کی خوشخبری سنائی، یہ بات ان لوگوں کے لیے قابلِ غور ہے کہ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان بیٹیوں کا انکار کیا ہے اور یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ وہ آپ کی لے پالک تھیں یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھانجیاں تھیں وغیرہ) لیکن آپ کی تیمارداری کچھ

کام نہ آئی اور ان کا وصال ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا۔ وہ آپ کے ساتھ کچھ عرصہ رہیں پھر نبی کریم ﷺ کی وفات سے قبل ہی وفات پا گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعزیت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں تجھے بیاہ دیتا۔''

(یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا، رُقیہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا) یہ بات آپ نے اس لیے فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صالح، نرم دل، حسن معاشرت کرنے والے اور کریم آدمی تھے۔ نبی ﷺ انہی اوصاف کی بناء پر آپ کو بہت چاہتے تھے اور آپ کی فضیلت رجحان، عقل اور حسن ایمان کو خوب جانتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف سُسر اور داماد کے تعلق نے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ کے قریب اور محبوب نہیں بنایا تھا بلکہ آپ اسلام میں سابقون الاولون میں سے تھے۔ بنی اُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان اختلاف و مقابلہ بازی نے آپ کو قبولِ اسلام سے نہیں روکا۔ آپ کے قبولِ اسلام نے آپ کی قوم کے غضب کو آپ پر بھڑکا دیا۔ آپ کے چچا حکم بن ابی العاص بن اُمیہ نے آپ کو پکڑ کر باندھ دیا اور کہا:

''تو اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین کو قبول کرتا ہے، خدا کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تو اس دین کو نہ چھوڑ دے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''خدا کی قسم نہ میں اس دین کو کبھی چھوڑوں گا اور نہ اس سے الگ ہوں گا۔''

آپ کے چچا نے جب حق پر آپ کی مضبوطی اور پختگی کو دیکھا تو آپ کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ کی قوم نے ایذا رسانی میں شدت اختیار کی تو آپ نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ بعد میں جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنے مالِ کثیر کو بے دریغ خرچ کیا۔ بلکہ جیش العسرہ کو تیار کر کے تبوک کی طرف بھیجنے میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے پانی پینے کے لیے بئر رومہ کو اس کے یہودی مالک سے خرید کر یوں مسلمانوں کو دے دیا گویا وہ انہی میں سے کسی کی ملکیت ہے۔ حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قریش کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب وہاں آپ کا قیام طویل ہو گیا تو مسلمانوں کو یہ خیال گزرا کہ قریش نے آپ کو قتل کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے جنگ کرنے (اور آپ کا بدلہ لینے کے لیے) صحابہ کرام سے بیعت الرضوان لی (اس بیعت کے متعلق قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ''لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبا یعونك تحت الشجرۃ'') نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ:

''یہ عثمان کی بیعت ہے''

گویا وہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ آپ کا یہ عمل وحی میں سے تھا۔ بلاشبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قرابت کی وجہ سے مسلمانوں میں انہیں ایک قابلِ رشک مقام حاصل تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بنی زہرہ میں سے تھے۔ جو رسول

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔ وہ زہری قریشی ہیں اور ان کی ماں صفیان بن اُمیہ کی بیٹی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ابوسفیان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ نے سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ بہت مالدار اور خوشحال تھے جو ریشم زیب تن کرتے تھے اور ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ جب جنگ اُحد میں اکثر لوگ کفار کے دوبارہ حملے سے منتشر ہو گئے تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر دُشمنوں سے آپ کی حفاظت کی۔ جب غزوہ قرقس میں ابی عبیدہ بن مسعود ثقفی مشکل سے دوچار ہوئے تو مسلمانوں نے بالاتفاق جنگ قادسیہ میں آپ کو دُشمن کے سواروں کے مقابلہ کے لیے منتخب کیا۔ آپ سابق الاسلام ہونے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید تعلق اور اپنی بہادری کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت محبوب و مرغوب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی طرف جانے والی فوج کا کمانڈر منتخب کیا تو فرمایا:

> ''اے سعد تجھے یہ بات غرور میں نہ ڈالے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماموں یا ساتھی مارا گیا ہے، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے دُور نہیں کرتا بلکہ برائی کو نیکی کے ذریعے دُور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے کسی بندے کے درمیان اس کی اطاعت کے سوا اور کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اللہ کے نزدیک شریف اور رذیل دونوں برابر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا

ربّ ہے اور وہ اس کے بندے ہیں، وہ بھلائی کی وجہ سے
ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور جو اس کے پاس ہے
اسے اطاعت سے حاصل کرتے ہیں، بس اس بات کا خیال
رکھنا جو تو نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بعثت سے لے کر وفات
تک لازماً دیکھی ہے، اسے اختیار کرنا کیونکہ اصل بات وہی
ہے۔"

(طبری جلد۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرح زہری قریشی تھے، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بن عبد الحارث بن زہرہ بن کلاب ہے۔ آپ کی والدہ شفاء بنت عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا تعلق قرابت ان کے والد سے بہت مضبوط ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سُسر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے عم زاد ہیں۔ آپ کا شمار نوجوانی سے ہی امانت دار تاجروں میں ہوتا تھا اور آپ کی امانت داری کی وجہ سے آپ کو تجارت میں بہت فائدہ ہوتا تھا جس کے باعث آپ لوگوں میں ایک قابل اعتماد آدمی تھے اور جب آپ سابقون الاولون کے ساتھ اللہ کے دین میں داخل ہوئے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ پر اعتماد کرتے تھے، یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے متعلق فرمایا:

"آپ زمین و آسمان میں امین ہیں۔"

جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

کے ہاں قیام کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

''یہ میرا مال ہے، میں اسے آپ کو تقسیم کیے دیتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں، میں آپ کی خاطر ایک سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تجھے مال اور بیوی میں برکت دے، جب صبح ہو تو مجھے اپنے بازار کا راستہ بتانا۔''

انہوں نے صبح راستہ بتایا تو آپ بازار گئے اور نفع کے ساتھ واپس آئے۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ تجارت کرتے رہے اور آپ کا نفع بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت آپ بہت مالدار مسلمانوں میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کی صحبت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ترجیح دیا کرتے تھے۔ آپ اپنی امانت داری اور نرم روی کی وجہ سے اہل الرائے کے نزدیک قابل اعتماد آدمی تھے۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو خلافت کے لیے نامزد کرنے لگے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بنی تیم بن مرہ سے تھے جو ابی بکر کا قبیلہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب ابن عثمان بن عمر بن کعب بن تیم بن مرہ ہے اور ان کی والدہ صعبۃ، عبید اللہ حضرمی کی بیٹی تھیں اور صعبۃ کی ماں عائشہ، وہب بن عبدالدار بن قصی بن کلاب کی بیٹی تھیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تاجر تھے جو گرمی اور سردی کے سفروں میں یمن اور شام جایا کرتے تھے۔ آپ کا شمار حکمائے قریش میں ہوتا تھا۔ آپ اہل مکہ کے بڑے کریم اور شجاع لوگوں میں سے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

بعثت ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے اور آپ کو ساتھ لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قبولِ اسلام کا اظہار کیا۔ ایک روز آپ سفر شام سے واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر ہوا کہ اہل مدینہ آپ کی ہجرت کے انتظار میں ہیں۔ جب مدینہ میں مسلمانوں نے قیام اختیار کر لیا اور کفار کے ساتھ جنگوں کا آغاز ہو گیا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان غزوات میں پیش پیش تھے۔ غزوۂ بدر سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے حالات معلوم کرنے کیلئے آپ ہی کو بھیجا تھا۔

اُحد کے میدان میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست دفاع کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو کئی زخم آئے اور قریب تھا کہ آپ شہید ہو جائیں۔ غزوۂ تبوک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سویلم یہودی کے گھر کو جلانے کا حکم دیا۔ جسے منافقین نے مسلمانوں کی جاسوسی کیلئے پناہ گاہ بنایا ہوا تھا۔ آپ نے اس گھر کو جلا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر نہ ہوئے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ہوئی اور آپ نے ان مرتدین کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کیا کرتے تھے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین نے آپ کو اپنے مشیروں میں رکھا جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے کبار، جید اور سابقین الاسلام صحابہ کرام موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری کے ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے اس بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے معارضہ کیا تھا۔ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور کہا:

> "آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر خلیفہ بنایا ہے اور آپ کے ساتھ ہوتے ہوئے لوگوں کو جو تکلیف اس سے پہنچتی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے، آپ نے یہ کام کیسے کیا جبکہ آپ لوگوں سے الگ ہو کر اپنے ربّ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کے ساتھ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

> "کیا تو مجھے اللہ سے ڈراتا ہے؟ جب میں اپنے ربّ سے ملاقات کروں گا اور وہ مجھ سے اس بارے میں دریافت کرے گا تو میں جواب دوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر تیرا بہترین آدمی خلیفہ بنایا ہے۔"

(طبری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ مگر آپ کی جو رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھی (آپ کی سختی کی وجہ سے) اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

آپ مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر تھے جیسے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو باوجود اس کے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہ تھے آپ نے انہیں شوریٰ کا رکن بنایا پھر ممبرانِ شوریٰ سے فرمایا:

''تین دن تک اپنے بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرو اگر وہ آ جائے تو فبہا، بصورتِ دیگر تم اپنا کام سرانجام دو۔''

یہ ہیں وہ لوگ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے لیے منتخب فرمایا تھا اور یہ ہے وہ تعلق اور مقام جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاصل تھا۔ پھر پہلے ہی اجتماع میں ان کے درمیان اختلاف کیسے شدت اختیار کر گیا۔ وہ ایک آدمی کو خلافت کے لیے منتخب کرتے ہیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ انہیں یہاں تک کہتے ہیں کہ:

''مجھے تو سب سے زیادہ یہ خوف دامن گیر ہے کہ تم کسی کو خلافت دینے کی بجائے اسکے حاصل کرنے میں زیادہ رغبت کرو گے۔''

ہم نے جن امور کا تذکرہ کیا ہے وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ اسلامی حکومت کی وسعت کے بعد خلافت ایک ضرورت بن گئی تھی جس کی حریص آدمی خواہش کر سکتا تھا اور پھر دوسرے اعتبار سے اختلاف کا شدت اختیار کرنا ایک طبعی اَمر تھا۔ عرب بنو ہاشم میں سے خلیفہ بنانے سے اس لیے جھجکتے تھے کہ نبوت اور خلافت انہی کے گھر میں اکٹھی نہ ہو جائیں۔ اس طرح دین و دُنیا کی بادشاہت یکجا ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد کسی اور قبیلہ کے لیے خلافت میں کوئی حصہ باقی نہ رہے گا۔ نیز عرب بنواُمیہ میں سے خلیفہ بنانے سے بھی ڈرتے تھے کیونکہ وہ تمام

قریش سے تعداد میں زیادہ تھے۔ اس لیے جب خلافت ان میں چلی جائے گی تو ان کو خلافت سے ہٹانا آسان کام نہ ہوگا۔ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ نے دیکھا کہ عرب اس بارے میں ان سے بے انصافی کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں تو دونوں نے مل کر سوچا کہ اس ناروا ظلم کو دُور کرنے کیلئے کوشش و جدو جہد کریں تا کہ کوئی ایسا راستہ ہاتھ آ جائے کہ خلیفہ ان میں سے بن جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شوریٰ کے رُکن تھے۔ اس کوشش کیلئے موقع کا مل جانا ایک غنیمت تھا مگر بے تدبیری سے یہ موقع ضائع ہوگیا۔ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے درمیان جو پرانی مقابلہ بازی چلی آ رہی تھی وہ بھی ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی۔ نیز دونوں قبیلوں کے آدمی جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے اس کے اظہار میں بھی حائل ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کیلئے جو کمیٹی منتخب کی اس نے بھی ان کے سینوں میں چھپی باتوں پر پردہ ڈالنے میں مدد کی۔ اگرچہ شوریٰ میں اختلاف رونما ہوا۔ مگر اکثریت کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اپنے لیے خلافت نہ چاہتے تھے نہ ہی وہ سابقین الاسلام میں سے تھے بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک معمول کے آدمی تھے۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج فتح مکہ کے لیے تیار تھی مگر وہ بنو ہاشم میں بڑے دانا آدمی تھے اور اس بات کے زبردست خواہش مند تھے کہ خلافت نبی کریم رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں ہونی چاہیے۔ روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام شوریٰ میں رکھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

''ان میں شامل نہ ہونا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''پھر جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے اسے تو دیکھے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ سے فرمایا تھا کہ اگر تین آدمی ایک شخص پر رضا مند ہو جائیں اور تین ایک پر، تو وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پنچ بنائیں، وہ دونوں فریقوں میں سے جس کے حق میں فیصلہ کریں ان کے آدمی کو منتخب کر لیا جائے۔ لیکن اگر وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے راضی نہ ہوں تو ان لوگوں کے ساتھ ہو جائیں جن میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں تو آپ باہر نکل کر اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا ہم سے بے انصافی ہوئی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو اس بارے میں کیسے علم ہوا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا دیا ہے اور کہا ہے کہ جس آدمی کے ساتھ اکثریت ہو اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اگر دو آدمی ایک شخص پر اور دو ایک شخص پر راضی ہو جائیں تو ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شامل ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کرے گا اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا داماد ہے۔ یہ آپس میں اختلاف نہیں کریں گے اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کو یا عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دے گا۔ پس اگر دوسرے دو آدمی میرے ساتھ بھی ہوں تب بھی

وہ مجھے فائدہ نہیں، میں ان دونوں میں سے ایک کی جگہ ہونا چاہتا تھا۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو گرم ہو کر جواب دیا:

''جب بھی میں نے تجھے کسی کام کے کرنے کو کہا، تو ہمیشہ بعد میں اس بات کی طرف لوٹ کر میری طرف آیا جسے میں ناپسند کرتا تھا، میں نے تجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کہا کہ اس بارے میں ان سے دریافت کرو، مگر تو نے انکار کیا، میں نے ان کی وفات کے بعد کہا کہ اس بارے میں جلدی کرو مگر تو نہ مانا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں تمہارا نام رکھا میں نے تجھے بتایا کہ ان لوگوں کے ساتھ شوریٰ میں شامل نہ ہونا مگر تو نے انکار کیا، میری ایک بات یاد رکھ لو جب قوم تجھے پیشکش کرے تو کہنا مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں سوائے اس کے کہ وہ تیرے سپرد کر دیں اور اس قبیلے سے بچ کر رہنا یہ لوگ ہمیشہ ہمیں امرِ خلافت سے دُور رکھیں گے یہاں تک کہ ہمارا غیر اسے سنبھال لے، قسم بخدا اس امر کو وہ آدمی حاصل کرے گا جس کے ساتھ کوئی بھلائی فائدہ نہ دے گی۔''

بنواُمیہ بھی بنوہاشم کی طرح خلافت کے خواہش مند تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کا وقت قریب آیا تو آپ کو نمازِ جنازہ کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے جایا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں تشریف لائے اور

دونوں چاہتے تھے کہ ان کا ساتھی نمازِ جنازہ پڑھانے کیلئے آگے ہو۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا یہ امارت کی حرص ہے اور آپ دونوں جانتے ہیں کہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں۔ اس کے متعلق تم دونوں کے علاوہ کسی اور آدمی کو آپ نے حکم دیا ہے، صہیب رضی اللہ عنہ آگے بڑھیئے۔ چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اہل شوریٰ کے درمیان جب اختلاف بڑھا اور ان کی آوازیں بلند ہوئیں تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جا کر کہا:

"مجھے تو سب سے زیادہ یہ خوف لاحق ہے کہ تم کسی کو خلافت دینے کی بجائے اس کے حاصل کرنے میں زیادہ رغبت کرو گے، اس خدا کی قسم جس نے عمر رضی اللہ عنہ کی جان نکالی ہے میں تین دن سے زیادہ جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وقت گزارنے نہ دوں گا پھر گھر بیٹھ کر دیکھوں گا تم کیا کرتے ہو۔"

اس کے باوجود ایک روایت کے مطابق ایک دن اور دوسری روایت کے مطابق دو دِن اختلاف میں بڑی گرما گرمی رہی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حالات کی ناسازگاری سے ڈر گئے اور اس اختلاف کے نتیجہ میں جو حالات پیدا ہو سکتے ہیں ان سے بھی خوفزدہ ہو گئے۔ آپ نے شوریٰ کیلئے جمع ہونے والے لوگوں سے کہا:

"تم سے کون شخص اپنے آپ خلافت کے حصول سے دستبردار ہوتا ہے اور اس بات کا ذمہ دار بنتا ہے کہ اسے تم میں سے افضل آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔"

آپ نے دیکھا کہ اس بات سے ان لوگوں پر حیرت طاری ہوگئی ہے کہ یہ کس قسم کی بات کی گئی ہے؟ یہ لوگ آپس میں بحث وتکرار کر رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک خلافت کا خواہاں تھا پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کیونکر اس بات کے خواہش مند تھے کہ ان میں سے کوئی اپنی اس خواہش سے دستبردار ہوکر ایک یا دو دِن کیلئے ان کے درمیان ثالث بن جائے پھر اس کے بعد ان کیلئے خلافت میں کوئی حصہ نہ ہو؟

لیکن ان کی حیرانگی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے کہا:

''میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلدی سے جواب دیا:

''میں پہلا شخص ہوں جو اس سے راضی ہوں (یعنی اس حق سے دستبردار ہوتا ہوں)۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا:

''ہم بھی راضی ہیں۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے جنہیں اپنی رائے کی وضاحت کرنا تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ نہ آپ نے قبولیت کا اظہار کیا نہ انکار کیا۔ آپ نے شاید یہ گمان کر لیا کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس بناوٹ کے اختیار کرنے میں دھوکہ سے کام لیا ہے اور اس طرح وہ اپنے رشتہ دار عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ خاموشی سے سوچتے رہے کہ اس (ان کی سوچ کے مطابق) دھوکہ بازی سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انہیں زیادہ سوچنے کی مہلت نہ دی اور

پوچھا:

''ابوالحسن آپ کیا کہتے ہیں؟''

آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس بناوٹ پر اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''آپ مجھ سے پختہ عہد کیجئے کہ آپ حق کو ترجیح دیں گے اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ کسی رشتہ دار کو مخصوص کریں گے اور نہ ہی اُمت کی خیر خواہی میں کوتاہی سے کام لیں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تردّد کے جواب دیتے ہوئے کہا:

''تم سب مجھ سے پختہ عہد کرو کہ تم اس شخص کے مقابل جو دین کو بدلے، میرا ساتھ دو گے اور یہ کہ جس شخص کو میں تمہارے لیے چنوں تم اس سے راضی ہو گے اور میں اللہ کے میثاق پر یہ عہد کرتا ہوں کہ میں کسی شخص کو رشتہ داری کی وجہ سے خلافت کیلئے مخصوص نہیں کروں گا اور نہ مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی کروں گا۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کس چیز نے ایسا کرنے کو کہا تھا؟ جبکہ انہیں علم تھا کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد انہیں خلافت کیلئے نامزد کرتی ہے اور عرب بھی ان کے سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے انہیں پسند کرتے ہیں اور ان سے مطمئن ہیں اور یہ کہ خلافت بنو اُمیہ اور بنو ہاشم سے دُور رہے، کیا وہ اس وقت سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا تھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ ان سے عہد کریں وہ صحیح

معنوں میں خلافت سے دستبردار ہونا چاہتے تھے؟ پھر انہوں نے شوریٰ میں شامل ہونا کیسے قبول کر لیا اور کیوں انہوں نے ابتداء ہی میں اہل شوریٰ کے ساتھ اشتراک کرنے سے علیحدگی اختیار نہیں کی؟ مسلمان مؤرخوں کا خیال ہے کہ وہ ان لوگوں سے علیحدگی نہیں چاہتے تھے جن سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت تک راضی تھے اور ان کا خلافت سے بے پرواہی اختیار کرنا آسان تھا۔ اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منتخب کیا تھا اور یہی ایک دُرست بات ہے۔ بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنی نامزدگی سے الگ ہونا چاہا اور اپنے لیے خلیفہ بنانا اس لیے ناپسند کیا تاکہ وہ اپنے قرابت دار عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا سکیں۔ اس بات کو وہ اس قول سے ثابت کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قرابت دار ہے وہ آپس میں اختلاف نہیں کریں گے اور ایک دوسرے کو خلیفہ بنا دے گا۔ مستشرقین کی ایک جماعت تو بدظنی میں اتنی آگے بڑھ گئی ہے کہ ان کا خیال ہے کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ لمبی عمر پائیں گے۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال تھی اور بلاشبہ بارِ خلافت ان کی کمر توڑ دے گا اور اس وقت وہ لامحالہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیں گے۔ یہ حد سے زیادہ بدگمانی کی بات ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صادق الایمان مومن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہر چیز کیلئے ایک معیاد مقرر ہے اور جب وہ مقررہ معیاد آ جاتی ہے تو کوئی شخص ایک ساعت کیلئے بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری ہونا جس کا وجہ سے آپ عثمان ابن

عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے کی طرف مائل ہوئے اس کی تصدیق اس نتیجہ سے ہوتی ہے جو بالفعل رونما ہوا کہ آپ نے خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دے دی۔

لیکن اس نتیجہ میں خطا کا ہونا بعید نہیں۔ خلیفہ کے انتخاب میں جو طریقہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا اسے استناج کا محل نہیں بنانا چاہیے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دو بنیادی مقابل ہیں۔ اس لیے آپ نے نامزدگی کیلئے دونوں میں حصر کیا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدگی میں فرمایا:

"آپ کہتے ہیں کہ میں اپنی قرابت، مسابقت اور دین میں حسن اثر کی وجہ سے تمام حاضرین سے امرِ خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ آپ دور نہ جائیں بلکہ یہ دیکھیں کہ اگر یہ معاملہ آپ سے نہ ہو اور آپ یہاں موجود نہ ہوں تو اس مجلس میں سے آپ کس کو امرِ خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "عثمان رضی اللہ عنہ کو۔"

پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے علیحدگی میں کہا:

"آپ کہتے ہیں کہ میں بنی عبد مناف کا شیخ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد اور عم زاد ہوں، مجھے سبقت اور فضیلت حاصل ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے امر خلافت کسی اور کی طرف نہیں جا سکتا لیکن اگر آپ موجود نہ ہوں تو اس مجلس میں سے آپ کس کو زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”علی رضی اللہ عنہ کو“

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ سے مطالبہ کیا کہ ان میں سے تین آدمی جنہیں ولایت امر کا حق ہے اپنے حق کو تین آدمیوں کے سپرد کر دیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سپرد کر دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خود خلیفہ بننے سے علیحدگی اختیار کر لی اس طرح سے امرِ ولایت کی نامزدگی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں منحصر ہو کر رہ گئی اور ان دونوں میں سے ایک کے انتخاب کرنے کا معاملہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سپرد ہو گیا۔

کیا آپ کے خیال میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اللہ سے استخارہ کر رہے ہوں گے اور فیصلہ کر رہے ہوں گے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے کہ اسے خلافت سپرد کر دیں۔ وہ اس پوزیشن میں تھے کہ لوگوں کو اپنا قول دیں اور ان سے ان کا عہد لیں مگر انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر وہ اپنی رائے پر ڈٹے رہے تو مسلمانوں کی اکثریت جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد اسلامی حکومت کے مختلف اطراف سے آکر جمع ہو گئی ہے اس پر قائم نہیں رہے گی۔ پھر یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس بات کے انتظار میں رُک گئے کہ شوریٰ کے فیصلہ سے کیا امر واقع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینہ میں آنے والے فوجی کمانڈروں اور قبیلوں کے سرداروں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کر کے ان سب سے انفرادی اور اجتماعی صورت میں خفیہ اور اعلانیہ طور پر دریافت کرنا شروع کیا تاکہ آپ دونوں میں سے افضل آدمی

کو معلوم کر کے خلافت اس کے سپرد کر دیں۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مشوروں نے یہ بات واضح کر دی کہ مسلمانوں کی کثرت جو اجماع کی ایک شکل ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے لیکن جن اسباب سے یہ اکثریت ان کے گرد جمع ہوئی ان کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ لوگ ایسے آدمی کی طرف مائل تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح گرفت اور سختی کرنے والا، دُنیا سے بے رغبتی کرنے والا اور لوگوں کی خاطر اس سے منہ پھیرنے والا نہ ہو۔ ایسے آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہو سکتے تھے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اس لیے لوگوں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر سختی اور گرفت نہ کریں، ان سے روگردانی کی۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے مشورے دو دن اور دو راتیں مسلسل جاری رہے۔ چونکہ بنو اُمیہ کثیر التعداد، زیادہ مالدار اور سخی تھے اس لیے ان کا پروپیگنڈہ ہاشمیوں کے پروپیگنڈے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا اور اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہو گئی۔

اگر یہ بات دُرست ہے تو شاید اُموی پروپیگنڈہ اس بات پر قائم ہو کہ جب امرِ خلافت ان کے ساتھی کو مل جائے گی تو وہ لوگوں کو فتح کی غنیمتوں سے مال و متاع دے کر خوشحال کر دے گا اور ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی گرفت نہیں کریگا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ستر سال یا اس سے زیادہ ہو چکی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ سال بھی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے موقف کے تذکرے بیان کرنے شروع کر دیئے پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

کوان کے بعد خلیفہ ہونے سے مانع نہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑھاپے پر مہربانی اور آپ کے ماضی کی قدردانی کرتے ہوئے آپ کی طرف توجہ کر کے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔

ان اسباب میں سے خواہ کوئی بھی بات دُرست ہو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسی واضح اکثریت حاصل تھی جو اجماع کے مشابہ تھی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ بھی لاحق ہوا کہ اگر انہوں نے اس نتیجہ کا اعلان کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مددگاران پر الزام لگائیں گے۔ آپ اپنے بھانجے مسور بن مخرمۃ کے گھر چلے گئے اور اسے جگا کر کہا کہ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ یہ آخری رات تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے انتخاب کیلئے مقرر کی تھی اور اس کا اکثر حصہ گزر چکا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے دونوں سے کہا:

''میں نے لوگوں سے پوچھا ہے مگر وہ تم میں سے کسی کے ساتھ بھی عدل و انصاف نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دونوں سے عہد لیا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنائیں گے تو وہ عدل سے کام لے گا اور اگر اس پر کسی کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت کریگا۔''

پھر آپ صبح کے وقت اذان کے بعد ان دونوں کے ساتھ مسجد میں چلے گئے۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر طویل دُعا کی اور پھر فرمایا:

''لوگو! لوگوں نے یہ بات پسند کی ہے کہ دوسرے شہروں

والے اپنے شہروں کو چلے جائیں اور انہوں نے یہ بھی جان لیا
ہے کہ ان کا امیر کون ہو"

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے کہا ہم آپ کو امامت کا اہل پاتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا:

"میرے سوا کسی اور کا نام مجھے بتاؤ"

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن سرح رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف باہمی دشنام تک پہنچ گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ اختلاف بڑھ کر فتنہ کی صورت نہ اختیار کر جائے۔ آپ نے بلند آواز سے کہا:

"اے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ لوگوں کے فتنہ میں پڑنے سے پہلے
فارغ ہو جاؤ"

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں نے مشورہ بھی کیا ہے اور انتظار بھی، اے ممبرانِ شوریٰ
اپنے خلاف الزام نہ لو"

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ان لوگوں سے جو آپ کے اردگرد بیٹھے تھے اصرار شروع کیا یہاں تک کہ مسجد کی خالی جگہ بھی پُر ہو گئی۔ آپ نے کہا:

"مجھ سے صحرائی عظمت کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں"

پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت دینے کا ارادہ کیا کہ وہ لوگوں کو

اپنی بیعت کی دعوت دیں تاکہ آپ دیکھیں کہ لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہنے میں جلدی کرتے ہیں یا آپس میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان بھی وہی بات ہوتی ہے جو ابھی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے درمیان ہو رہی ہے؟ اگر ایسی بات ہوئی اور لوگ فتنہ واختلاف میں پڑ گئے تو یہ ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا اور مدینہ اضطراب و پریشانی کا میدان بن جائے گا جس سے شر وفساد پھیل جائے گا۔ لوگوں کی اکثریت اپنی خواہشات وفوائد کی غلام ہوتی ہے جبکہ وہ حکومت کی سلامتی اور امن کیلئے قربانی دے رہے ہیں۔ انہیں تردّد اس بات میں تھا کہ خلافت کے دے دینے سے نہ شر وفساد ختم ہوگا اور نہ مسلمان اس ممکنہ فتنہ سے بچیں گے بلکہ وہ فتنہ کے کھڑا کرنے اور اسے بڑھانے کا باعث بن جائیں گے۔

اس لیے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

> ”کیا آپ میری بیعت کریں گے اور یہ کہ کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد ہونے والے دونوں خلفاء کی سیرت کے مطابق کام کریں گے۔“
>
> حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
>
> ”مجھے اُمید ہے کہ میں اپنے علم و ہمت کے مطابق کام کروں گا۔“

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر اور ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

> ”کیا آپ میری بیعت کریں گے اور یہ کہ آپ کتاب اللہ،

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ہونے والے دونوں
خلیفوں کی سیرت کے مطابق کام کریں گے؟"
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہاں!"
حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے
مسجد کی چھت کی طرف اپنا سر اُٹھا کر تین بار کہا: "اے اللہ تو سن اور گواہ رہ۔"
پھر فرمایا:

"اے اللہ جو ذمہ داری میری گردن میں تھی میں نے اسے
عثمان رضی اللہ عنہ کے گلے میں ڈال دیا ہے۔"

اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس وقت جتنے لوگ مسجد میں موجود تھے
سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کیلئے ٹوٹے پڑتے تھے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں کیا
مؤقف تھا اس کے متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس بات پر تمام
راوی متفق ہیں کہ لوگ فوج در فوج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کیلئے آئے۔ ان
میں سے نہ کوئی شخص پیچھے رہا اور نہ کسی نے اعتراض کیا۔ کیا یہ سب کچھ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے تھا یا اس خوشی کی وجہ سے کہ اسلامی مملکت کی زندگی
میں جو اہم معاملہ آیا تھا اور جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی
اس سے فراغت حاصل ہو گئی؟ مسلمانوں میں ان چھ آدمیوں کو بڑی قدر و منزلت
حاصل تھی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد کہا کہ:

"لوگ قریش کی طرف دیکھ رہے تھے اور قریش اپنے گھر کی

طرف دیکھ رہے تھے اور کہتے تھے کہ اگر بنو ہاشم تم پر ولی الامر بن گئے تو پھر یہ ولایت ان کے گھر سے باہر نہیں نکلے گی اور جب تک قریش میں رہے گی تم اسے آپس میں لیتے دیتے رہو گے۔"

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت دینے سے گریز کیا تو کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا بلکہ لوگوں نے خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا اس کے متعلق بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے جس میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا مشکل ہے۔ ابن سعد نے اسناد سے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور دوسری اسناد سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی پھر لوگوں نے پے در پے آپ کی بیعت کر لی۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ منبر پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست گاہ پر بیٹھ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد انہیں دوسری سیڑھی پر بیٹھا لیا۔ لوگ آپ کی بیعت کے لیے آنے لگے تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے آخر میں بیعت کی۔

طبری نے دو روایات قلمبند کی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ پہلی

روایت یہ ہے کہ جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بیعت کر لینے کے بعد لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے میں دیر کی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جو عہد توڑتا ہے وہ صرف اپنے نفس کی عہد شکنی کرتا ہے اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے اسے عنقریب اللہ تعالیٰ اَجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔''

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے لوٹ کر آئے اور بیعت کر لی اور آپ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ کیا دھوکہ بازی ہے؟

دوسری روایت یہ ہے کہ جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

''تو ہمیشہ کی طرح اس کی طرف مائل ہو گیا ہے، یہ کوئی پہلا دِن نہیں جس میں تم ہم پر غالب ہوئے ہو، پس میں صبرِ جمیل سے کام لیتا ہوں اور جو تم بیان کرتے ہو اس بارے میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں، خدا کی قسم تو نے عثمان رضی اللہ عنہ کو صرف اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ وہ تجھے اَمرِ خلافت لوٹا دے اور اللہ ہر روز نئی شان میں ہوتا ہے۔''

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! اپنے خلاف الزام نہ لو، میں نے لوگوں کو دیکھا اور ان سے مشورہ کیا ہے وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ:

''عنقریب یہ حکم اپنی مقررہ معیاد کو پہنچ جائے گا۔''

ابن کثیر' طبری کی ان دونوں روایتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر اور دوسرے غیر معروف لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے، آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو صرف اس لیے ولی الامر بنایا ہے کہ وہ آپ کا قرابت دار ہے اور یہ کہ وہ ہر روز اپنے کام کے متعلق آپ سے مشورہ کیا کرے گا۔''

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت میں تاخیر کی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: **فمن نکث فانما ینکث علی نفسه (الایة)** (کہ جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے نفس کی عہد شکنی کرتا ہے)۔

اس قسم کی اور بھی مخالفانہ روایات پائی جاتی ہیں جو صحاح سے ثابت نہیں۔ پس وہ ان کے قائلین اور فاعلین کی طرف لوٹائی جائیں گی۔ (واللہ اعلم)

ان روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ ان روایات میں سے اکثر سیاسی اغراض کے تحت وضع کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے طبری نے قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ یہ ایک دھوکہ بازی ہے۔

یہ بات آپ نے اس وقت کہی تھی جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی تا کہ آپ عہد شکنی کے مرتکب نہ ہوں۔

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ شوریٰ کی راتوں میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل کر کہنے لگے:

''عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک مجتہد آدمی ہے، آپ نے جو اسے پختہ عہد دیا ہے وہ آپ کے بارے میں اس سے بہت بے رغبت ہے لیکن جہد و طاقت سے کام لینا چاہیے کیونکہ وہ آپ کی نسبت اس میں زیادہ راغب ہے۔''

پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مل کر کہنے لگے کہ:

''عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک مجتہد آدمی ہے، خدا کی قسم وہ پختہ عہد کے سوا آپ کی بیعت نہیں کرے گا، پس انہوں نے یہ بات قبول کر لی۔''

مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ روایت اس وقت بنائی گئی ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ناپسند نہ کرتے تھے۔ روایت کے بعض حصوں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی ولایت دینے کے کچھ عرصہ بعد معزول کر دیا تھا۔ حالانکہ اجماع اس بات پر ہے کہ جب رُومیوں نے اسکندریہ پر حملہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی۔ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ غالب آ گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے والیٔ مصر اور صاحب خراج ہونے کے ساتھ ساتھ فوج کا کمانڈر بنا دیا جائے مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس

سے انکار کر دیا اور کہا:

''اس طرح تو میری حیثیت گائے کے دونوں سینگوں سے پکڑنے والے کی سی ہوگی اور دوسرا آدمی اس کا دودھ دوھ کر لے جائے گا۔''

پھر عمرو رضی اللہ عنہ مکہ چلے آئے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باہمی اختلاف میں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ یہ سب امور اس بات کے شاہد ہیں کہ عمرو رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ شوریٰ کے وقت آپس میں موافق تھے اور وہ وفاق عمرو رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ سے دھوکہ کی دعوت دیتا تھا۔

اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ طبری نے جو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی تعلیل میں بیان کی ہے کہ یہ کیا دھوکہ بازی ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اسی طرح میں یہ بھی اعتقاد رکھتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یا دیگر لوگوں کی زبان سے جو الفاظ بیان کیے گئے ہیں وہ بھی موضوع ہونے کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ان کے وضع کرنے والوں نے بیانِ واقع پر ہی قناعت کر لی ہے اور ان میں سے بعض نے اس واقعہ کو اپنی ذات کیلئے سیاسی پروپیگنڈہ کا ذریعہ نہیں بنایا۔ میں اس حجت کو بیان کرنے میں جو مجھے اس اعتقاد کی دعوت دیتی ہے، طول نہیں دینا چاہتا۔ میرے لیے اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے جس کا جامعینِ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے کہ ان روایات کا دسواں حصہ بھی ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یا دیگر لوگوں کی جانب سے روایت

میں جو الفاظ بیان کیے گئے ہیں وہ بھی چھان پھٹک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔
مؤرخین نے ان عبارات کو اسی وقت مرتب کیا جب ان واقعات پر دسیوں سال گزر چکے تھے اور سیاسی پروپیگنڈہ اسلامی حکومت کی زندگی میں ایک اہم رول ادا کر چکا تھا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں یہ ان کا کام ہے کہ وہ ایسے الفاظ تحریر کریں جو کہنے والوں کے جذبات کے آئینہ دار ہوں اگرچہ وہ الفاظ بعینہٖ ان سے صادر نہ ہوئے ہوں۔

لیکن دو امور ایسے ہیں جن کی صحت کے متعلق مجھے کچھ شک وشبہ نہیں۔
اوّل یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کیلئے اس حجت کی بناء پر آرام کی نیند نہیں آئی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں اور جب خلافت کی کنجیاں ان کی طرف پھینک دی جائیں گی تو پھر خلافت ان سے باہر نہیں نکل سکے گی۔

دوم یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت سے سکون حاصل کیا اور انہوں نے برضا ورغبت بیعت کی اور بیعت کے وقت کسی ایک آدمی نے بھی نہیں کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ بنی اُمیہ میں سے ہیں یا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو اُمیہ کی عداوت یا بنو ہاشم کے ساتھ ان کی قدیم مخالفت ونزاع کا ذکر کیا ہو یا یہ کہ انہوں نے بعد میں اس وقت اسلام قبول کیا جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ مسلمانوں سے مقابلہ کے قابل نہ رہے بلکہ سب سے عمر رسیدہ خلیفہ کو سابق الاسلام ہونے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑا ہونے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے ساتھ اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیاہ دینے اور آپ کی حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور اللہ کے دین

اور مومنین کی مدد و نصرت کیلئے آپ کے بے دریغ مال خرچ کرنے کا ذکر کیا۔

روایت ہے کہ جس صبح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے، جب انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا کیا سب قریش نے آپ کو پسند کیا ہے؟ انہیں جواب دیا گیا: ہاں۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر پوچھا:

''کیا سب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں بھی آپ کی بیعت پر راضی ہوں، میں اس شخص سے جس کی سب نے بالاتفاق بیعت کی ہے اعراض نہیں کرتا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت خوش آئند مستقبل کی فضا میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ جب لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے تو حج کے بعد مدینہ آنے والے حضرات اپنے وطنوں عراق، فارس، شام اور مصر کو واپس ہونے لگے۔ ان میں سے ہر ایک اس بات کا خواہاں تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے زیادہ سے زیادہ اپنے فضل سے نوازے۔

حالات پھر اپنے معمول پر آ گئے۔ لوگ اپنے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے وقت آ گیا کہ وہ بارِ خلافت کو قوت و طاقت سے سنبھال کر امورِ خلافت اپنی طبیعت کی ضرورت کے مطابق خوش خلقی، نرم روی، صدقِ ایمانی اور بھلائی کیلئے سرانجام دیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھایا تھا اس دن سے لے کر جو مؤقف انہوں نے اختیار کیا تھا اس مؤقف کے خلاف پیدا ہونے

والے حالات کا مقابلہ کریں۔ اس مقابلہ میں آپ سیاست کے ایک نئے انداز کے محتاج تھے۔ شروع میں تو آپ کو بڑی کامیابی کے ساتھ اس کو انجام دینے کی توفیق ملی۔ پھر عمر کی زیادتی اور حوادث نے آپ کو عاجز اور درماندہ کر دیا اور بعد میں اس کام کو بہ حسن وخوبی سرانجام نہ دے سکے۔

الفصل الثانی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ماضی اور مستقبل کے آئینہ میں

بیعت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر (۷۰) برس تھی۔ آپ نہ طویل القامت تھے، نہ ہی چھوٹے قد کے بلکہ درمیانے قد کے مالک تھے۔ آپ خوبرو، نرم اندام اور گندم گوں رنگ کے تھے۔ آپ کے چہرے پر کچھ چیچک کا اثر بھی تھا۔ آپ کی ریش مبارک گھنی اور بڑی تھی اور جسم کے جوڑ و بند بھی بڑے تھے۔ دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ بھی بڑا تھا۔ آپ کے سر کے بال گھنے تھے مگر بعد میں سر کے اگلے حصے کے بال اُڑ گئے تھے۔ آپ نے دانتوں کو سونے سے مضبوط بنوایا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ آپ قیمتی اور خوبصورت لباس زیب تن کرتے تھے اس لیے کہ آپ آسودہ حال زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ بڑے حیاء دار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میری اُمت کا سب سے سچا حیاء دار عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔''

آپ کا حیاء آپ کی توجہ میں اور بھی اضافہ کر دیتا تھا۔ آپ کی بیوی کی ایک لونڈی بنانہ نام کی تھی۔ جب آپ غسل کرتے وہ آپ کے کپڑے لے کر آتی تو آپ اسے کہتے:

''میری طرف نہ دیکھو، یہ بات تمہارے لیے جائز نہیں۔''

آپ کی حیاء کی وجہ سے دوسرے بھی آپ سے حیاء کرتے تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ایک ران برہنہ کیے بیٹھے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے (اندر) آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسی حالت میں اجازت عطا فرما دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو بھی آپ نے اسی حالت میں اجازت دے دی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ نے اپنی ران پر کپڑا ڈال لیا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو اسی حالت میں اجازت فرما دی مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ نے اپنا کپڑا اُوپر ڈال لیا۔ جناب رسالتمآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے دیکھا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قدر نہیں گھبراتے جتنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گھبراتے ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

''عثمان (رضی اللہ عنہ) حیاء دار آدمی ہے، مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے اسی حالت میں اجازت دے دی تو وہ اپنی ضرورت کو مجھ تک نہیں پہنچا سکے گا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حیاء کی وجہ سے حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ طبقات میں ابن سعد نے کسی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مکمل اور صحیح حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر وہ حدیث کے بیان کرنے سے ڈرتے تھے۔ حدیث کے متعلق ان کے اس خوف کی وجہ سے ان سے گفتگو اور لمبی بحث کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور جب وہ کسی اَمر کا التزام کر لیتے تو اس پر اصرار کرتے اور ان کو اس امر سے روکنا مشکل ہو جاتا اور وہ اپنی رائے پر بہت اصرار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فراخیٔ رزق عطا فرمائی تھی۔ وہ بنو اُمیہ میں سے تھے۔ جو قریش میں طاقتور اور اکثریت والا قبیلہ تھا۔ جس طرح آپ کے حیاء نے آپ کو حدیث کے بیان کرنے سے ہیبت زدہ کر دیا تھا اور آپ کو نرم رو بنا دیا تھا۔ ایسے ہی آپ کے مال وثروت اور عالی نسب ہونے نے آپ کو کریم اور محسن بنا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی سخاوت ونرمی نے بھی آپ کو لوگوں میں محبوب بنا دیا تھا۔ آپ اپنے خاندان والوں پر اعتماد کرنے اور ان کی رائے کا احترام کرنے کی وجہ سے بھی ان میں محترم تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں اور اسلام لانے کے بعد بھی پارچہ فروشی کا کام کرتے تھے۔ آپ کو اپنی امانت داری اور ان صفات کی وجہ سے جن کو ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے، اپنی

تجارت میں بہت منافع حاصل ہوتا تھا۔ یہ خصائل اور آپ کا حیاء دونوں آپ کو بچپن اور جوانی میں شباب کے کھیل کود سے متاثر ہونے سے روکتے تھے۔ یہ بات آپ سے منسوب نہیں کی گئی ہے کہ آپ صاحبِ فخر اور صاحبِ مستورات تھے۔ اگرچہ روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ رقیق القلب اور لوگوں سے خوش گفتاری اور شیریں کلامی سے پیش آتے تھے۔ آپ پر شفقت کا بہت غلبہ تھا۔ آپ کی نرم مزاجی اور لوگوں سے خوش کلامی آپ کو انہیں اذیت دینے اور سخت گیری اختیار کرنے سے روکتی تھیں جہاں تک آپ اس کی استطاعت رکھتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیدائش عام الفیل (ہاتھیوں والے سال) کے چھٹے سال ہوئی۔ آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے تھے۔ آپ نے بچپن اور جوانی قریش کے عام مالدار لوگوں اور بنو اُمیہ کے خاص لوگوں کی طرح گزاری۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ اسلام کے سابقون الاولون لوگوں میں شامل تھے۔ مؤرخین نے آپ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق کئی روایات بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک کو ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ:

”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد اپنی قوم کے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اسلام کی دعوت دینے لگے جن پر آپ کو اعتماد تھا اور جو آپ کے پاس آ کر آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کی دعوت کے نتیجہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سات دوسرے آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) جب یہ لوگ آپ کی دعوت

کو قبول کر کے اسلام لے آئے اور نماز پڑھنے لگے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔"

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ:

"عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے نکلے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہیں قرآن سنایا اور حقوقِ اسلام کے متعلق خبر دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے آپ کو عزت حاصل ہو گی۔ پس یہ دونوں اسلام لے آئے اور آپ کے مصدق بن گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شام سے ایک خبر لایا ہوں اور وہ یہ کہ جب ہم معان اور زرقاء کے مقام پر اُونگھ رہے تھے تو ایک آدمی نے ہمیں پکار کر کہا اے سونے والو اُٹھو! احمد کا ظہور مکہ میں ہو چکا ہے۔ جب ہم مکہ میں آئے تو ہم نے یہ بات سنی۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل اسلام لا چکے تھے۔"

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بہت پہلے اسلام لا چکے تھے۔"

آپ کا اِسلام قبول کرنا بھی ایک عجیب بات ہے جس کا ذکر حافظ ابن عساکر نے کیا ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

''جب انہیں خبر پہنچی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی رُقیہ رضی اللہ عنہا (وہ بڑی صاحب حسن و جمال تھیں) کو اپنے چچا کے بیٹے عتبہ بن ابی لہب سے بیاہ دیا ہے تو آپ کو افسوس ہوا کہ انہوں نے خود ان سے شادی کیوں نہ کی، آپ غمزدہ ہو کر اپنے گھر گئے تو وہاں آپ نے اپنی خالہ سعدیہ بنت کریز کو دیکھا جو کہانت کرتی تھیں۔ اس نے آپ کو حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی خوشخبری دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس کی اس بات سے متعجب ہوا کہ وہ مجھے ایسی عورت کے ساتھ شادی کی خوشخبری دے رہی ہے جس کی کسی اور آدمی کے ساتھ شادی ہو چکی ہے۔ میں نے کہا خالہ آپ یہ کیسی بات کر رہی ہیں۔ اس نے جواب دیا تجھے عزت و مرتبہ حاصل ہوگا۔ اس نبی کے ساتھ قطعی دلیل ہے جسے بدلہ دینے والے نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے پاس قرآن آیا ہے۔ تو اس کی اتباع کر اور تجھے بت ہلاکت کی طرف نہ لے جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا تو ایسے واقعہ کا ذکر کر رہی ہے جو ہمارے شہر میں رونما ہو چکا ہے۔ اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ، اللہ کے رسول ہیں۔ وہ قرآن کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پھر

کہنے لگی اس کا چراغ اصل چراغ ہے، اس کا دین فلاح ہے، اس کا حکم کامیابی ہے، اس کا مقابل اس سے ٹکراؤ کرے گا، نشیب کے علاقے اس کے تابع ہو جائیں گے اور چیخ و پکار کچھ فائدہ نہ دے گی خواہ اس چیخ و پکار سے حلق میں درد ہو جائے اور تلواریں سونت لی جائیں اور نیزے تان لیے جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے انہیں یہ ساری بات بتائی تو انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ تیرا بُرا ہو، آپ تو عقل مند آدمی ہیں۔ آپ سے باطل کے مقابلے میں حق پوشیدہ نہیں رہ سکتا، یہ بت جن کو آپ کی قوم پوجتی ہے کیا ہیں؟ کیا یہ ٹھوس پتھروں سے نہیں بنے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔ میں نے جواب دیا ہاں خدا کی قسم یہ ایسے ہی ہیں۔ تو آپ نے کہا خدا کی قسم تمہاری خالہ نے سچ کہا ہے، یہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالت کے ساتھ اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے، کیا آپ ان کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ پس ہم دونوں اکٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ اللہ کو اس کے حق کا جواب دو، میں تمہاری اور اس کی مخلوق کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم جب میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا، یہاں تک کہ میں نے اسلام قبول کر لیا اور گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد اور لاشریک ہے۔ پھر تھوڑے عرصے کے بعد میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رُقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ بہترین جوڑا رُقیہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بارے میں جو روایات بیان کی گئی ہیں آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار کر لیں اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن کثیر کی روایت کا اکثر حصہ موضوع ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ قریش میں نہیں پھیلا تھا۔ آپ کی دعوت کے متعلق لوگ ہمیشہ آپس میں ناراضگی کے ساتھ بات کرتے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے میں حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق تھا۔ اس وقت حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال بھی نہیں تھی۔ اگر آپ بڑی عمر کی ہوتیں تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیچھے نہ چھوڑتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت چالیس سال کے قریب تھی اور آپ نے قبولِ اسلام سے قبل ایک اور عورت سے شادی کی ہوئی تھی اور آپ کی کنیت ابو عمر تھی۔ جب حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور اس سے کنیت اختیار کی اور آپ کی یہی کنیت برقرار رہی اس کے باوجود کے یہ لڑکا چھٹے سال میں وفات پا گیا۔ (اس پر مفصل بحث پیش لفظ میں موجود ہے)۔ شاید علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ان لوگوں سے بیان کیا ہے جن سے حافظ ابن عساکر یہ روایت لایا

ہے کیونکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رقتِ قلب اور اس امر پر کہ شفقت ان کے دل پر چھائی رہتی ہے، یہی وہ مفہوم ہے جس نے ہمیں اس کے اثبات پر آمادہ کیا ہے اگرچہ ہم اس کے متعلق شک وشبہ میں پڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ روایت بعد میں کئی اسباب کی وجہ سے وضع کی گئی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی شادی ہوئی اور مکہ میں ان کے ساتھ قیام کیا۔ آپ ہمیشہ تجارت کرتے رہے اور نازل شدہ وحی اور تعلیماتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخذ کرنے میں اپنے سابقین بھائیوں کے ساتھ شریک رہے۔ اسلام پھیلنا شروع ہوا تو قریش نے بھی مسلمانوں سے دشمنی کرنی اور انہیں اذیت دینی شروع کی۔ مسلمان اس حالت میں کئی سال تک مبتلا رہے۔ جب ہر طرح سے ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے دین کو لے کر اللہ کی زمین میں کہیں اور چلے جائیں۔ انہیں مشورہ دیا کہ وہ حبشہ کے علاقے کی طرف چلے جائیں۔ سب سے پہلے جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ گیارہ مسلمان تھے۔ جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے یہ ہجرت کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہجرت میں جلدی کرنے اور اپنی بیوی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے جانے کا کیا سبب تھا؟ وہ کیوں مکہ میں اپنے سابقین بھائیوں کے ساتھ نہیں رہے جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر ان کی حفاظت کرنے کو ترجیح دی اور وہ اللہ کے راستے میں اذیتوں سے تنگ نہ ہوئے۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام سلامتی اور عافیت کوشی کیلئے کیا تھا یا آپ سختی کو ناپسند

کرتے تھے اور دیگر مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے یا آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بنو اُمیہ میں سے جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں وہ ان پر بڑی مضبوط گرفت کرتے ہیں۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُموی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ہونے کی وجہ سے بُری طرح کفار کے شر وفساد کا نشانہ بننے والے تھے؟ ان سب اسباب کی وجہ سے یا ان میں سے بعض کی وجہ سے آپ نے ہجرت کرنے میں جلدی کی اور شاید آپ نے اس خوف کی وجہ سے بھی ہجرت کی کہ کہیں آپ کی زوجہ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف نہ پہنچائی جائے چونکہ آپ تنہا اپنی قوم کو روکنے کی طاقت نہ رکھتے تھے، اس لیے یہ بات ہمیشہ کے واسطے آپ کیلئے عار ہی نہ بن جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں اس بات کا بڑا اثر تھا۔ روایت ہے کہ ایک عورت حبشہ کے علاقے سے آئی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات پوچھے کہ تو نے اسے کس حال میں دیکھا ہے تو اس نے جواب دیا:

> ”میں نے اسے دیکھا ہے کہ ان چوپائیوں میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے گدھے پر سوار کرایا ہوا ہے اور خود اسے ہانک رہے ہیں۔“

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات سن کر متاثر ہوئے پھر فرمایا:

> ”اللہ اس کا حامی و ناصر ہو، اگرچہ عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے وحی کے بعد اللہ کی طرف ہجرت کی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جلدی ہجرت کرنے کا خواہ کوئی بھی سبب ہو،

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے ساتھ حبشہ کی طرف گئے تھے اور دونوں ہجرتوں تک وہیں رہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب میں قریشی مہاجرین کے گھروں کی نشاندہی کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے سامنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کے سامنے تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہربانی اور اپنی دولت وثروت کے باعث آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے اسرار کا امین بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی وہ وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ ہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بدر سے پہلے ہونے والے (چھوٹے) غزوات میں شامل نہیں کیا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے مقام پر قریش سے جنگ کیلئے مسلمانوں کے سردار بن کر نکلے تو آپ کی صاحبزادی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے کیلئے پیچھے رہنے کی اجازت عطا فرمائی مگر انہیں اس تیمارداری کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور ان کی وفات ہو گئی اور وہ اس روز دفن کی گئیں جب مسلمانوں کے غلبہ کی خوشخبری دینے والا آدمی مدینہ میں آیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی ان لوگوں کے برابر حصہ رکھا جو بدر میں موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدری صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت غمگین ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے اہل سے انکے حسن معاشرت کو جانتے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپکے عقد میں دے دیا۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بھی نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی موت سے بھی بہت غمگین ہوئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر ہماری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو ہم آپ کو بیاہ دیتے"

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا اور اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی وجہ سے مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "ذوالنورین" کے لقب سے ملقب کرنے لگے۔

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اور بیویاں بھی تھیں جو حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کی شریک حیات تھیں یا آپ نے ان میں سے کسی کے ساتھ کسی اور بیوی کو شریک نہیں کیا اس بارے میں کوئی قطعی بات کہنا یا اسے ثابت کرنا بہت مشکل ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ آپ نے حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا سے قبل ایک یا ایک سے زیادہ عورتوں سے شادیاں بھی کی ہوں۔ پھر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے بعد بھی کئی ایک عورتوں سے شادی کی ہو۔ آپ نے اسلام سے قبل اور اسلام میں حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے علاوہ فاختہ بنت غزوان بن جابر، اُمِ عمرو بنت جندب بن عمرو ازدی، فاطمہ بنت ولید بن عبد شمس بن مغیرہ، اُم البنین بنت عینیۃ حصن الفزاری، رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، نائلہ بنت الفراصتہ بن الاحوص سے شادیاں کیں۔ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا وہی ہیں جو آپ کی شہادت کے وقت موجود تھیں۔ ان سب عورتوں سے آپ کے ہاں پندرہ سے زیادہ بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے جنگ بدر میں پیچھے رہ گئے جب ایک سال بعد جنگ اُحد ہوئی تو آپ دیگر مسلمانوں کے ساتھ

اس جنگ میں شریک ہوئے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح آپ کا موقف بھی وہی تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت کرنے کے بعد معاف کر دیا تھا۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ اس روز صبح مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ پھر ان پر مصیبت ٹوٹ پڑی اور قریش نے یہ بات مشہور کر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ خبر مسلمانوں میں پھیل گئی پس جو ان میں سے بھاگ سکا وہ بھاگ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو اکثر مسلمان آپ کے پاس واپس آ گئے اور مشرکین سے آپ کی حفاظت کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل نہیں تھے آپ کے دورِ خلافت میں کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عار دلائی تو آپ نے جواب دیا:

> وہ مجھے اس بات کے متعلق کیسے عار دلا سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے وہ فرماتا ہے:
>
> اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○

(سورۂ آلِ عمران- آیت: 155)

جنگِ اُحد کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے معرکوں میں شامل ہوئے اور ان تمام معرکوں میں آپ کی پوزیشن ایک مسلمان مرد کی تھی، آپ ان سے آگے تھے نہ پیچھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام،

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کی طرح جنگ کے ہیرو نہیں تھے، جنہیں جنگ کی غیرت صفوں کے درمیان گھسان کے رن میں پھینک دیتی ہے اور وہ موت کا سامنا کرتے ہیں اور اس سے خوف نہیں کھاتے۔ بلکہ آپ ایک پرسکون آدمی تھے جو جنگ کے وقت جماعت کی صفوں میں چلتا ہے نہ ان سے آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے رہتا ہے۔

آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مصالحت پسند تھے مگر آپ کو اس کا موقعہ نہیں ملا۔ آپ کا ایمان اس کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شامل ہوں۔ آپ کا وہ مؤقف اس بات کا شاہد ہے کہ جو آپ نے حدیبیہ کے سال قریش سے روا رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے چھٹے سال چودہ سو آدمیوں کے ساتھ جنگ کے بغیر پُرامن طور پر مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کیلئے چلے۔ قریش کو آپ کی روانگی کا علم ہو گیا۔ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں زبردستی داخل نہیں ہونے دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مکہ کے شہسواروں کو مکہ کی چوٹیوں پر دیکھ لیا تو آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کر لیا۔ آپ صلح کے خواہش مند تھے اور بیت اللہ کا حج اور اس کی حُرمت بڑھانا چاہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اہل مکہ کی طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ قریش کو مجھ سے بڑی عداوت ہے اور وہ مجھ سے سختی سے پیش آئیں گے اور مجھے اپنی جان کا بھی خوف ہے اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس سفارت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے کیونکہ وہ مکہ میں ان سے زیادہ معزز ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو آپ کو عثمان بن سعید نے پناہ دی

اور کوشش کی کہ قریش راضی ہو جائیں اور محمد ﷺ اور بیت اللہ کے درمیان راستہ چھوڑ دیں۔ مگر قریش اس بات پر رضا مند نہ ہوئے کہ مسلمان زبردستی اس سال مکہ میں داخل ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کافی دن مکہ میں اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح کوئی ایسا وسیلہ مل جائے جس سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح باقی رہے۔ اِدھر مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا کہ قریش نے حُرمت والے مہینے میں دھوکے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے جس سے انہیں بہت رنج ہوا اور رسولِ کریم ﷺ کو اپنے اصحاب سے بھی بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اضطراب پیدا ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''ہم یہاں سے لڑے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔''

آپ نے اپنے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت الرضوان کی کہ ہم قریش سے جنگ کریں گے اور مرنے تک فرار اختیار نہیں کریں گے۔ جب ان کی بیعت مکمل ہو گئی تو رسولِ کریم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، گویا وہ بھی ان کے ساتھ حاضر و شامل ہیں۔ یہ لوگ ابھی جنگ کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل نہیں ہوئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس واپس آئے تو ان کے اور قریش کے درمیان جو گفتگو ہوئی انہوں نے اسے رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسولِ کریم ﷺ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ قریش اس بات پر رضا مند ہو گئے ہیں کہ وہ عمرہ کیلئے آئے ہیں (جنگ کیلئے نہیں) نیز قریش بھی جنگ کے خواہ نہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ اگر مسلمان اس سال زبردستی مکہ میں داخل ہوں تو عربوں پر ان کا رُعب ختم ہو جائے گا۔ پس نبی کریم ﷺ نے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گفتگو کو قریش کے ایلچیوں کے ساتھ مذاکرات کی بنیاد بنایا جو حدیبیہ کے آخر تک جاری رہے اور فریقین اس بات پر رضا مند ہو گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب اس سال مکہ سے واپس چلے جائیں اور اگلے سال مکہ آئیں اور تین دن قیام کر کے بیت اللہ کا حج کریں اور اس کی حُرمت کی تعظیم کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلح پسند ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی بھلائی کیلئے فیاضانہ طور پر اپنے مال کو خرچ کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک میں رُومیوں سے جنگ کیلئے نکلنے کا ارادہ کیا اور ''جیش العسرۃ'' کو تیار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تیاری میں پورے سامان سمیت تین سو اُونٹ دیئے اور ایک ہزار دینار نقد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیا کہ وہ جنگ کی تیاری میں اس سے مدد لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کام کو دیکھ کر فرمایا:

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو کام کریگا وہ اسے نقصان نہیں دیگا۔''

یہ بات آپ نے دو بار فرمائی۔

مدینہ میں ایک یہودی کا کنواں تھا جس کا پانی وہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف اُٹھانا پڑتی تھی ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''کوئی شخص ہے جو بئر رُومہ کو خرید کر مسلمانوں کو دے دے اور اپنا ڈول ان کے ڈولوں کے ساتھ رکھے، اس کے عوض میں اسے جنت میں پانی ملے گا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کے پاس جا کر اس کنویں کا سودا کیا مگر اس نے پورا کنواں بیچنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس سے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہودی کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا کہ ایک دن پانی کیلئے تمہارا ہوگا اور ایک دن عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ جس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس دن مسلمان دو دِن کا پانی بھر لیتے۔ یہودی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جا کر کہا آپ نے میرا کنواں خراب کر دیا ہے، دوسرا نصف حصہ بھی خرید لو۔ آپ نے اسے بھی آٹھ ہزار درہم میں مسلمانوں کیلئے خرید لیا اور ایک عام مسلمان کی طرح اس میں اپنا ڈول ڈال دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ آپ اس مہربانی میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ آپ کی بعد کی زندگی پر بھی اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ مگر یہ مہربانی و نوازش، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، خلیفہ بننے کے بعد بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ شروع سے آپ کے اخلاق کا حصہ تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ نے تمام قریش کو معاف فرما دیا سوائے ایک جماعت کے جن کے نام بھی آپ نے بتائے اور جو بڑے بڑے جرائم کے مرتکب تھے۔ ان کیلئے عام معافی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں کے نیچے بھی مل جائیں تب بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رضائی بھائی تھا، بھی شامل تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو لکھا کرتا تھا۔ پھر مرتد و مشرک ہو کر قریش کے پاس چلا گیا۔ اس نے خیال کیا کہ جو وحی وہ لکھتا ہے اس میں وہ کھوٹ ملا دیتا ہے۔ ابن

سرح کو بھی پتہ چل گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے تو وہ بھاگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ آپ نے اسے چھپائے رکھا یہاں تک کہ لوگ مکہ میں اطمینان سے رہنے لگے۔ پھر آپ اس کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کیلئے امان طلب کی۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل خاموشی اختیار کی پھر فرمایا، بہت اچھا۔"

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گردوپیش کے اصحاب سے فرمایا:

"میں نے اس لیے طویل خاموشی اختیار کی کہ تم میں سے کوئی آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دے۔"

تو ایک انصاری نے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ کیا؟"

آپ نے فرمایا:

"نبی اشارے سے قتل نہیں کرتا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان نرمیوں میں بعض وہ باتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے بعد میں آپ سے مواخذہ کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن سعد کی سفارش کرنا اس بات کا شاہد ہے کہ آپ اپنے قرابت داروں پر بہت مہربان تھے۔ اس سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں کیا مقام تھا، آپ چاہتے تھے کہ اصحاب میں سے کوئی شخص اُٹھ کر

ابن سعد کو قتل کر دے لیکن اس کے باوجود آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رضامندی اور دلجوئی کیلئے اسے معاف تک کر دیتے ہیں۔ شاید آپ نے یہ اس لیے کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حیاء سے واقف تھے کہ وہ اپنے حیاء پر غالب نہیں آ سکتے اور آپ کی ابن سعد کو بچانے کی آرزو اس حد تک نہیں پہنچی تھی کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کریں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس آرزو کو پورا نہ کیا تو یہ بات ان کے دل کو تکلیف پہنچائے گی یا یہ کہ بنو اُمیہ کو اس بات کا موقع مل جائے گا کہ جس کی وجہ سے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عار دلایا کریں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی وہ مقام ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غزوہ ذات الرقاع کے موقعہ پر مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ پھر غزوہ غطفان میں بھی آپ نے انہیں اپنا جانشین بنایا۔ باوجود اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ مقام تھا، نئے نظام کو چلانے میں جو مقام و مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو حاصل تھا وہ انہیں حاصل نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر و مشیر تھے۔ جب یہ دونوں کسی معاملہ میں اتفاق کر لیتے تو آپ کبھی ان کی بات کو رد نہ کرتے۔ اسی طرح جنگی معاملات میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی رائے کو جو اہمیت حاصل تھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل نہ تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے پختہ ایمان متقی تھے جو عبادت اور تلاوتِ قرآن مجید میں لگے رہتے تھے۔ وہ بڑے کریم اور سخی تھے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ

آپ نے اپنی دونوں بیویوں حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے جو حسن سلوک کیا اس نے آپ کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہی مقام و مرتبہ حاصل تھا جو انہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حاصل تھا۔ آپ اپنی تجارت کے سلسلہ میں مصروف رہتے تھے۔ آپ حکومتی معاملات میں خلیفۃ الرسول کیلئے اس قدر حریتِ تصرف کے قائل تھے جو اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے سامنے اس ذمہ داری کو واجب کرے جو اس کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق کی جنگ کے بعد شام سے جنگ کا ارادہ کیا تو آپ نے تمام مہاجرین وانصار کو مشورہ کیلئے بلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ارادے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

> ''شامیوں کی طرف سواروں کے پیچھے سوار اور لشکر کے پیچھے لشکر بھیجیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے احتیاط اور ہوش مندی سے کام لینے کی طرف توجہ دلائی اور کہا:

> ''خدا کی قسم میں ان پر فوج کو چڑھا دینے میں کوئی بات نہیں دیکھتا، ہاں آپ سواروں کو بھیجیں کہ وہ ان کے قرب و جوار میں حملے کریں اور پھر ان کو حملے کیلئے بھیجیں، پھر وہ آپ کے پاس آ جائیں، پھر انہیں بھیجیں، پھر وہ حملہ کر کے آپ کے پاس آ جائیں، پھر جب وہ اس بات کو کئی دفعہ برداشت کر لیں تو سواروں کو گروہوں میں تقسیم کر کے بھیجیں، یہاں تک کہ

وہ ان کے قرب و جوار میں ان کے برابر ہو جائیں، اس طرح
آپ ان سے جنگ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بات سن کر لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت کیا:

"آپ لوگوں کی کیا رائے ہے اور اس بارے میں حکم الٰہی کیا
ہے؟"

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مجھے معلوم ہے کہ آپ اس دین کے ماننے والوں کے
مددگار اور ان پر رحم کرنے والے ہیں، اگر آپ ان کی رائے
میں بھلائی اور سچائی پاتے ہیں تو اسے کرنے کا عزم کر لیجیے،
کیونکہ آپ نہ بخیل ہیں اور نہ ہی ان کے حق میں بدگمان
ہیں۔"

تمام حاضرین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کو سن کر جلد ہی اسے تسلیم
کر لیا اور تمام ذمہ داری خلیفہ پر ڈال دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے اور ان کے
متعلق مسلمانوں کو متفق کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں
شامل تھے جنہوں نے آپ کے متعلق اچھی رائے دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے ان بہت سے لوگوں سے بھی مشورہ لیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور درشتی سے
خائف تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے کہا:

"واللہ میرا علم اس کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں اس جیسا کوئی آدمی نہیں۔"

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں قیام کیا۔ آپ تجارت بھی کرتے تھے اور امیر المومنین کو مشیروں کے ساتھ مشورے بھی دیتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کئی دفعہ مخالفت بھی کی۔ جب بیت المقدس کے رہنے والوں نے اس شرط پر صلح کا تقاضا کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس ان کے شہر میں آئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ آپ ایسا نہ کریں۔ آپ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اگر آپ یہاں ٹھہرے اور ان کی طرف نہ گئے تو وہ سمجھیں گے کہ انہوں نے ہماری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ ان سے جنگ کیلئے تیار ہیں پھر وہ جلد ہی چل پڑیں گے اور ذلیل ہو کر جزیہ دیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المقدس جانے کا مشورہ دیا۔ مسلمانوں کو مسلسل جنگ و قتال کرنے اور طویل قیام کرنے کی وجہ سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور اس پر عمل کیا اور انہیں مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور لوگوں کے ساتھ بیت المقدس گئے اور وہاں صلح نامہ طے پایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتح مصر کے معارضین اور ابن العاص کی رائے کے مخالفین اور معترضین کے لیڈر تھے۔ آپ نے اس معارضہ میں اس قدر شدت

اختیار کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہہ دیا کہ:

"عمر رضی اللہ عنہ جرأت مند ہے اور اس میں حُبِّ امارت پائی جاتی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ وہ بغیر کسی جماعت کے نکل کھڑا ہوگا اور مسلمانوں کو موقع ملنے کی اُمید پر ہلاکت میں ڈال دے گا، نہیں معلوم وہ موقع ملے گا بھی یا نہیں۔"

فتح مصر کے بارے میں ابن العاص کے معارضہ کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں رائے عامہ کی قوت کو بھی جمع کیا۔ باوجود یہ کہ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق اور اس میں شریک تھے۔ آپ نے رائے عامہ کی قوت کا اندازہ لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ معارضہ کرنے والوں کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ ان کے معارضہ سے پہلو تہی کی۔ کیونکہ وہ عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر میں داخل ہونے اور رُومیوں سے لڑنے اور اسے ان کے ہاتھوں سے بچا کر خالصتاً مسلمانوں کے ہاتھ میں دینے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ اسلام کے بڑے مسائل میں سے یہ دو بڑے مسئلے ہیں جنہیں تاریخِ اسلام نے پیش کیا ہے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کی مخالفت کی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر اُمور میں اتفاق کرتے تھے۔ نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی اکثر مخالفت یا ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے فتح مصر کے بارے میں اختلاف کیا اور جنہوں نے اس معارضہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید کی ہے انہوں نے دوسرے امور میں مخالفت بھی کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

تمام صحبت یافتہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مصلحت والی رائے کو پسند کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے دین کے ساتھ مخلص تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے متلاشی اور اس کے غضب سے خوفزدہ تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ جس حق کے ساتھ انسان راضی ہے اس سے تمسک کرنا اس کے حسن اسلام کا واجبِ اوّل ہے۔ نیز رجوع الی الحق سے تعصب اور غرور کے باعث رکنا دُرست نہیں اور جب انسان باطل کے بطلان سے راضی ہو کر اس پر اصرار کرتا ہے تو وہ برے کام کا ارتکاب کرتا ہے جس کے مرتکب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب نازل ہوتا ہے۔ اس لیے حق پر ایمان لانے والے کے لیے زیبا نہیں کہ وہ حق سے انحراف کرے یا اسے چھپائے اور جو شخص حق کو چھپائے یا اس کے اظہار سے خاموش رہے وہ گونگا شیطان ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طویل خلافت میں انہیں عزیز رہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو آپ نے شوریٰ کو مقرر کیا پھر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ کہتے ہیں کہ جب ان کی بیعت مکمل ہوگئی تو آپ منبر پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کرنے لگے تو آپ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ آپ نے فرمایا:

> ''لوگو! پہلے سوار ہونا مشکل ہوتا ہے، آج کے بعد کچھ دن آئیں گے اگر میں زندہ رہا تو تمہارے پاس صحیح معنوں میں خطبہ آئے گا، ہم خطیب نہیں ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں سکھا دے گا۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کی تکمیل کے

بعد لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تم قلعہ اور اپنی چیدہ عمروں میں ہو، جو بھلائی تم کر سکتے ہو اس کے ساتھ تم اپنی مقررہ میعاد کی طرف جلدی کرو، تم آئے ہو، صبح و شام کرتے ہو، سنو دُنیا دھوکے میں لپٹی ہوئی ہے پس تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ ہو، گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت حاصل کرو، پھر کوشش کرو اور غافل نہ ہو، وہ دُنیا دار کہاں چلے گئے جنہوں نے اسے آباد کیا اور اس سے لمبے عرصہ تک فائدہ اُٹھایا، کیا اس نے انہیں پھینک نہیں دیا، دُنیا کو وہاں رکھو جہاں اسے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، آخرت کو طلب کرو، اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھائی کی مثال بیان کی ہے، فرماتا ہے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○ (اس کے سامنے دُنیاوی زندگی کی مثال بیان کر کہ وہ اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے زمین کی نباتات مل گئی، پھر وہ خشک گھاس کی طرح ہو گئی جسے ہوائیں اُڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، مال اور بیٹے دُنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں

تیرے ربّ کے ہاں ثواب اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہیں)“

(سورۃ الکہف:45 تا46)

ابنِ کثیر اس خطبہ کو بیان کر کے ان لوگوں کے قول کو جنہوں نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لرزہ طاری ہو گیا تھا، جھٹلاتا ہے۔ اس کے نزدیک جو بات انہوں نے بیان کی ہے اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ ابنِ کثیر اس قول میں بڑے مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لرزہ طاری ہونے والی گفتگو کا ذکر کر کے اس کی سند کو بھی بیان کیا ہے اور میں ابن سعد کی روایت کو ترجیح دینے اور ابنِ کثیر اور طبری نے جس منبر والے خطبہ کا ذکر کیا ہے اس میں شک کرنے کی طرف شدید میلان رکھتا ہوں۔ یہ ایک طبعی بات ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایامِ شوریٰ میں اس تقریر کی تیاری سے غافل رہے ہوں جسے آپ نے بیعت کے بعد لوگوں کے سامنے کیا اور یہ کہنا بھی ایک قدرتی امر ہے کہ آج کے دن کے بعد وہ دن آئیں گے جس میں آپ کے پاس صحیح رنگ میں خطاب آیا کرے گا۔ ابنِ کثیر اور طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کے بعد سب سے پہلے یہ کام کیا کہ آپ نے لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے زیادہ عطاو بخشش شروع کر دی۔ پس عطاو بخشش کی زیادتی اور وہ تقریر جو ان دونوں نے بیان کی ہے کس طرح ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں جس میں دُنیا سے بے رَغبتی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

بات خواہ کچھ بھی ہو دونوں خطبوں کے بیان سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ کل کی سیاست کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا بات تھی۔ غالب امکان یہی ہے کہ انہوں نے ابھی تک سیاست کی واضح حدود کا تعین نہیں کیا

تھا۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جنگ کا عزم کرتے وقت کیا تھا یا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عرب قیدیوں کو ان کے قبیلوں کی طرف واپس کرنے کا حکم دیتے وقت کیا تھا یا جب لوگوں نے مثنیٰ کی مدد کیلئے عراق جانے کیلئے آپ کی پکار کا جواب دیا تھا۔ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزاج میں جو سختی اور نرمی کا اختلاف پایا جاتا تھا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سیاست کا نقشہ بنانے میں دیر کرنے پر آمادہ کیا ہو۔

یاد رہے کہ بیعت کے بعد سب سے پہلے آپ کو جس معاملہ کا سامنا کرنا پڑا اس کا فیصلہ کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ یہ معاملہ عبید اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ عبید اللہ کا مؤقف یہ تھا کہ ان کے باپ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل کوئی انفرادی جرم نہیں جس کا ارتکاب مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ فیروز نے خود کیا ہے بلکہ یہ ایک سازش کا نتیجہ ہے جس میں ہرمزان فارسی اور جفینہ شریک ہیں۔ جفینہ حیرہ کا عیسائی تھا۔ یہ مؤقف انہوں نے جس شہادت کی بناء پر اختیار کیا تھا وہ یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ گواہی دی کہ جس خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا ہے میں نے اسے جس رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی گئی، ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ گواہی دی کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ کے پاس سے گزرا تو اس کے ساتھ ہرمزان اور جفینہ بھی تھے اور یہ سب آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ جب میں نے ان کا پیچھا کیا تو یہ لوگ منتشر ہو گئے اور ان کے درمیان سے وہ خنجر گر پڑا جس کا دستہ درمیان میں تھا اور اس کے دو پھل تھے پس جس خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا ہے اسے دیکھ لو۔ جب لوگوں نے اس خنجر کو دیکھا تو وہ وہی خنجر تھا جس کے

متعلق عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا۔ اس موقع پر عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غضبناک ہو کر تلوار کو گردن میں لٹکایا اور ہرمزان اور جفینہ کو قتل کر دیا اور پھر فیروز کے گھر جا کر اس کی چھوٹی بیٹی اسلام کو بھی قتل کر دیا۔

یہ عمل انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے قبل کیا۔ لوگوں کو عبید اللہ پر غصہ آیا اور انہوں نے عبید اللہ کو ڈرا دھمکا کر قید کر لیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو گئی تو عبید اللہ کے معاملہ کا فیصلہ کیے بغیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ طبری نے شعیب عن سیف عن ابی منصور سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ:

> ''میں نے قماذیان کو اپنے باپ ہرمزان کے قتل کے متعلق بات کرتے سنا اس نے کہا کہ مدینہ میں بعض عجمی بعض لوگوں کے پاس آتے تھے۔ فیروز میرے باپ کے ساتھ گزرا تو اس کے پاس ایک خنجر تھا جس کے دو پھل تھے۔ میرے باپ نے اس سے وہ خنجر لے کر پوچھا تُو اس علاقے میں اس خنجر سے کیا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں اس سے اُونٹوں کو ہانکتا ہوں، اس خنجر کو ایک اور آدمی نے بھی دیکھ لیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو اس آدمی نے کہا کہ میں نے یہ خنجر ہرمزان کے پاس دیکھا ہے جسے وہ فیروز کو دے رہا تھا۔ پس عبید اللہ نے آ کر ہرمزان کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے مجھے بلا کر عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو میرے سپرد کر دیا پھر فرمایا بیٹے! یہ تیرے باپ کا

قاتل ہے اور تو ہم سے زیادہ اس کا حقدار ہے کہ اسے جا کر
قتل کر دے۔ میں اسے لے کر نکلا تو سب لوگ میرے ہمنوا
تھے مگر وہ اس کے بارے میں مجھ سے کچھ مہلت مانگتے تھے۔
میں نے انہیں کہا کیا میرے لیے اس کا قتل جائز ہے؟ انہوں
نے جواب دیا ہاں! اور لوگ عبید اللہ کو گالیاں دینے لگے۔
میں نے کہا کیا تم اسے بچانا چاہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا
نہیں۔ پھر انہوں نے اسے گالیاں دیں تو میں نے اسے خدا
تعالیٰ اور لوگوں کی خاطر چھوڑ دیا۔ لوگوں نے مجھے اُٹھا لیا اور
خدا کی قسم میں گھر تک لوگوں کے سروں اور ہاتھوں پر پہنچا۔''

یہ روایت طبری کی ہے جو بیان کرتی ہے کہ قماذیان بن ہرمزان نے عبیداللہ کو معاف کر دیا تھا۔ یہ قول مشہور روایت کے خلاف ہے۔ اکثر راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیعت کے بعد مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے تو عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی قید کی جگہ سے نکال کر آپ کے پاس لایا گیا تا کہ آپ اس کا فیصلہ کریں۔ جب عبیداللہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا مجھے اس شخص کے متعلق مشورہ دو جس نے اسلام میں ایک آدمی کو قتل کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو جواب دیا کہ انصاف کو نہیں چھوڑنا چاہیے، میرے خیال میں آپ اسے قتل کر دیں۔ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ''کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہوا ہے اور آج اس کا بیٹا قتل کیا جائے گا۔'' حاضرین نے جب یہ اعتراض سنا تو غم کی وجہ سے اپنے سر جھکا لیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مزید بات کرنے سے رُک گئے۔ شاید آپ اس خدشہ کے

باعث خاموش ہو گئے کہ کہیں مجھ پر یہ الزام نہ آ جائے کہ بیعت کے دن سے ہی یہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھڑکانا چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اِردگرد نظر ڈال کر دیکھا تاکہ لوگوں کی رائے معلوم کریں۔ آپ چاہتے تھے کہ کاش کوئی شخص عبید اللہ کے قتل سے بچنے کا کوئی راستہ نکالے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ سے بری کر دیا ہے، یہ وقوعہ اس وقت ہوا ہے جب آپ کو مسلمانوں پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا، یہ قضیہ آپ کے دور کا نہیں ہے پس اسے چھوڑ دیجئے۔''

مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور فرمایا میں مقتولین کا ولی ہوں۔ میں نے اس کی دیت مقرر کی ہے اور اسے اپنے مال سے ادا کرتا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بہت پُر حکمت تھی۔ آپ نے عبید اللہ کے ارتکابِ جرم کو معاف نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے تحقیق کا حکم دیا۔ اس لیے کہ جب آپ ہرمزان، جفینہ اور فیروز کی سازش کو ثابت کرتے اور اہلِ ایران اور نصاریٰ سیخ پا ہو جاتے اور پھر عبید اللہ ابولؤلؤ کی بے گناہ بیٹی کے قتل سے بری نہیں ہو سکتے تھے۔ تمام لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی وجہ سے سکون محسوس کیا سوائے اس گروہ کے جسے غیرت و نخوت نے آپ پر تنقید کیلئے اُبھارا ہوا تھا۔ ان لوگوں میں زیاد بن عبید البیاض بھی تھا جس نے ایسے اشعار کہے جن میں عبید اللہ کی بُرائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر تنقید کی گئی تھی۔ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس تعریض و تنقید سے باز آ جائے تو وہ باز آ گیا۔ اس طرح یہ فتنہ دَبْ گیا جس کے کھڑے ہونے میں

کچھ بھلائی نہ تھی اور مسلمان اسلامی مملکت کے اطراف میں واپس لوٹ کر اپنے اپنے روزمرہ کے کاموں میں اسی طرح مشغول ہو گئے جیسے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے مصروف و مشغول تھے۔

عبید اللہ کے معاملے سے نمٹنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سیاست میں غور و فکر کرنے لگے جس پر انہیں عمل پیرا ہونا تھا۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ بنو ہاشم کو ان کی بیعت سے سکون حاصل نہیں ہوا اور اکثریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت گیر روش کے سوا کسی اور طریق کے خواہاں اور ان سے زیادہ نرم روی کے آرزو مند ہیں اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ فوج موجود نظام کا ایک اہم ستون، اسلام کی حامی اور حکومت کا دفاع کرنے والی ہے۔ اس لیے آپ اکثریت اور فوج کو آپس میں ملا دیں گے تو لوگ آپ کے عہد سے خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ بات تب وقوع پذیر ہو گی جب لوگوں کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہو جائے گی کہ آپ حکومت اور مفتوحہ علاقوں کے دفاع کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کم آرزو مند نہیں ہیں اور لوگوں میں عدل و انصاف کے قائم کرنے سے ان کو جان و مال کے بارے میں زیادہ امن و امان حاصل ہو گا اور آنے والے دنوں میں زیادہ مطمئن ہوں گے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مفتوحہ علاقوں کے امیر اور حکمران ان کے اولین مددگار ہیں۔ جب وہ لوگوں سے محبت کریں گے، تو نظامِ حکومت کی حفاظت کریں گے اور تمام لوگوں کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا کر دیں گے پس وہ ان باتوں کو اپنی طبعی نرمی اور ملائمت سے کیسے حاصل کریں گے اور پھر اس نرمی سے کمزوری لاحق ہو کر اس کی خوبصورتی کو داغدار نہیں کرے گی یا یہ نرمی ان لوگوں کو جو آپ کی بیعت سے خوش نہیں ہیں، سرکشی اور خروج کی دعوت نہیں دے گی۔

روایات میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں کو جو کچھ ملتا تھا اس میں اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کیلئے جو ماہوار تنخواہ مقرر کی تھی اس میں ہر ایک کے لیے ایک سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کیلئے رمضان شریف میں افطاری کیلئے بیت المال سے ایک درہم مقرر کیا تھا اور اُمہات المومنین کیلئے دو دو درہم مقرر کیے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قائم رکھا اور اس میں اضافہ کر دیا۔ پھر آپ نے عبادت گزاروں، اعتکاف کرنے والوں، مسافروں، فقراء اور مساکین کیلئے مسجد میں نئے دسترخوان بنائے جس سے فوج اور عام لوگ خوش ہو گئے اور انہوں نے اس میں اچھے مستقبل کی جھلک دیکھی۔ اس معاملہ میں کسی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مواخذہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ حکومت کے اطراف و جوانب سے مدینہ میں اموال آ رہے تھے اس لیے امیر المومنین نے لوگوں کو جو کشائش دی اس سے کوئی تنگی نہ آ سکتی تھی۔

جب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کو دیکھیں گے تو مطمئن ہو جائیں گے آپ نے اپنے عمال کو لکھا:

''امابعد اللہ تعالیٰ نے ائمہ کو حکم دیا ہے کہ وہ راعی بنیں، بت نہ بنیں، اس اُمت کے بڑے آدمی راعی پیدا کیے گئے ہیں نہ کہ بُت، جلد ہی اس اُمت کے ائمہ بُت بن جائیں گے راعی نہیں رہیں گے، جب وہ دوبارہ ایسے بن جائیں گے تو ان سے حیاء، امانت اور وفا جاتی رہے گی، سنو! سب سے عادلانہ

سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے امور اور ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں غور کرو اور جو ان کا حق ہے انہیں دو اور جو حق ان کے ذمے ہے اسے لو، اس طرح تم دوہری ذمہ داری ادا کرو گے اور ان کا حق انہیں دو گے اور ان کے ذمے جو حق ہے اسے لو گے، پھر جس دُشمن کا تمہیں سامنا ہے اس پر پوری تیاری کے ساتھ فتح حاصل کرو گے۔"

یہ وہ خط ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رعیت میں اپنی سیاست کی تصویر کشی کی ہے اور یہ کہ اس کے عمال پر رعیت سے کیا حق لینا واجب ہے۔ یہ سب سیاست، راستی اور حکمت سے بھرپور ہے۔ آپ عمال کو حکم دیتے ہیں کہ:

"لوگوں سے نرمی کا سلوک کریں اور خراج اور ٹیکس لگا کر ان پر ظلم نہ کریں۔ مسلمان اور ذمی سے وہ کچھ لیں جو اس کے ذمہ ہے اور جو اِن کا حق ہے، وہ بغیر ظلم کیے عدل و انصاف سے انہیں دیں۔ دُشمن سے جو پختہ عہد کریں اسے پورا کریں یہاں تک کہ اس کا غرور جاتا رہے اور وہ لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکائیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سب سے عادلانہ روش تھی، اس سے سب لوگ مطمئن ہوں گئے، ان کا دور دورہ ہوگا، نظام کی دُرستگی ہوگی اور تمام امور ایک ضابطہ میں آ جائیں گے جس سے کسی کو ظلم اور حق تلفی کی شکایت نہ رہے گی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں اور خراج وصول کرنے والے کارکنوں کو جو خط لکھا ہے اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ نے عوام کو ان ذمہ داریوں سے جو ان

کے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں، سبکدوش کر دیا ہے اور نہ ہی عطاو بخشش میں اس لیے اضافہ کیا ہے کہ وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے رہیں۔ یہی وجہ ہے آپ نے ان میں ایک خط شائع کیا کہ:

"آپ کو جو اطلاع پہنچی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم نے اتباع اور اقتدا کرنی ہے، پس دُنیا تمہیں اپنے کاموں سے غافل نہ کرے، جب تم میں تین باتیں اکٹھی ہو جائیں گی یعنی کامل آسائش، قیدیوں سے تمہاری اُولاد کا بلوغ اور اعرب و اعجم کا قرآن پڑھنا تو اس اُمت کا معاملہ اجتماع سے ابتداع کی طرف آ جائے گا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کفر عجمیوں میں ہے جب انہیں کوئی مشکل کام پیش آتا ہے تو وہ تکلف اور بدعت اختیار کرتے ہیں۔"

یہ تینوں خطوط جو حکمرانوں، خراج وصول کرنے والوں اور عوام کو لکھے گئے ہیں مختصر طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سیاست کے آئینہ دار ہیں جسے آپ نے حکومت کے داخلی امور کیلئے پسند کیا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوسکتی کہ نئی حکومت کسی پرسکون حالت پر قرار نہیں پکڑ سکتی کہ خلیفہ کو اس سے آرام حاصل ہو اور ایرانیوں اور رُومیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو زخم کھائے ہیں وہ انہیں ہرگز آرام سے بیٹھنے نہیں دیں گے اور وہ جہاں بھی عربی حکومت میں اپنی مقاوت میں کمزوری محسوس کریں گے اس جگہ مسلمانوں میں انقلاب لانے کیلئے پہلی فرصت کو غنیمت جانیں گے اور یہ اَمر تو اس شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی واقعات و امور پر کم نگاہ رکھتا ہو۔

آپ نے حکومت کے مختلف علاقوں میں عرب مصر سے شرقِ فارس تک امرائے افواج کو لکھا:

> ''امابعد تم مسلمانوں کے حامی اور ان کا دفاع کرنے والے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تک ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے انہوں نے تمہارے لیے کچھ قانون وضع کیے تھے بلکہ وہ ہمارے سرداروں کے بنائے ہوئے تھے، مجھے تم میں سے کسی کی طرف سے بھی ان میں تبدیلی کی بات نہیں پہنچنی چاہیے۔ ورنہ تم جس حالت میں ہو اللہ تعالیٰ اسے بدل دے گا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا، پس دیکھو کہ تم کیسے ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو بات میرے ذمہ لگائی ہے میں اس میں غور و فکر کر رہا ہوں اور اس کی نگرانی بھی کر رہا ہوں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ وہ سیاست ہے جسے آپ نے اپنی بیعت کے آغاز میں اختیار کیا اور شہروں میں شائع کیا۔ آپ اس میں یہ اضافہ بھی کر سکتے ہیں انہوں نے حکمرانوں کو ان کے علاقوں میں قائم رکھا اور ان میں سے کسی کو بھی معزول نہیں کیا اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان میں سے کسی کو دوسرے علاقے میں تبدیل کیا۔ آپ نے نافع بن عبدالحارث الخزاعی کو مکہ پر، سفیان بن عبداللہ ثقفی کو طائف پر، یعلی بن منیہ کو صنعاء پر، عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر، مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ پر، ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ پر، معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق پر، عمیر بن سعد کو حمص پر اور عمرو بن العاص کو مصر پر قائم رکھا۔ جیسے آپ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ کو فوج پر امیرِ لشکر قائم

رکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ پہلے پہل جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو آپ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وہیں رکھا جہاں وہ تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ اپنے عمال کو ایک سال تک وہیں رہنے دے اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کو ایک سال تک قائم رکھا اور اس کے بعد معزول کر دیا اور ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکمران بنا دیا۔ یہ روایت پہلی روایت سے بھی زیادہ دقیق ہے کیونکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور آپ کے آغازِ عہد کی سیاست کے بہت موافق ہے۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس سیاست میں کوئی نئی بات نہیں جس پر نظر ٹھہر جائے یا رائے کو کام میں لانے کی دعوت دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست میں اس وقت تھا جب مرتدوں پر سے پابندی اُٹھائی گئی اور آپ نے عرب قیدیوں کو ان کے قبائل کو واپس کرنے اور نجران کے عیسائیوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالنے کا حکم دیا اور شاید سیاست میں راہ اختیار کرنے کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ حجت ہو کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ان کے خلافت دینے سے تھوڑی دیر پہلے یہ عہد کیا تھا کہ وہ کتاب وسنت اور اپنے سے پہلے ہونے والے دونوں خلیفوں کی سیرت کے مطابق کام کریں گے اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ والی بات نہیں کہی تھی کہ وہ اپنی حکمت و طاقت کے مطابق کام کریں گے۔ اسی لیے آپ نے اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ کہیں لوگ یہ الزام نہ لگائیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے نئی باتیں اختیار کر لیں ہیں اور

جان بوجھ کر اس پختہ عہد کی خلاف ورزی کی ہے جس پر لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی، دونوں خلیفوں کی سیاست کے ساتھ کسی نئی بات کے اضافہ کے متعلق سوچا بھی نہیں یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت حیاء دار ہونے کی وجہ سے لوگوں سے متالف ہونے کیلئے زیادہ بخشش کرتے تھے۔ پھر آپ پہلے خطوط میں نئی سیاست کا احاطہ بنانے کی طرف بھی معترض نہیں ہوئے جس سے آپ رجوع کرنے پر مجبور ہوئے ہوں اور آپ کا رجوع کرنا ایسی حجت ہے جس سے آپ کا مقابل آپ سے مواخذہ کرے اور اس حجت کو وہ اس چیز کیلئے پروپیگنڈہ کا ذریعہ بنالے جس سے آپ بے نیاز ہیں۔

صورتحال خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور کسی دوسرے شخص کیلئے بڑی مشکل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت معاملات جس مقام تک پہنچ چکے تھے وہ ان میں انتظار اور حالات کے مشاہدہ کے سوا کسی اور بات کو اختیار کرتا اور نہ ہی حالات بدل دینا ممکن ہے۔ جن عربوں نے بصرہ اور کوفہ کو وطن بنالیا تھا ان کے تنازعات مسلسل چلے آرہے تھے اور دونوں شہر خلیفہ کے مقرر کردہ عامل سے دشمنی میں جلد بازی اختیار کر رہے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کئی دفعہ مجبور ہوئے کہ وہ اپنے عمال کو واپس بلالیں اور کہیں کہ:

"کوئی ایسی بات پیش کرو جس سے وہ قوم کی اصلاح کرے کہ انہیں ایک امیر کی جگہ دوسرا امیر بدل دیں۔"

اُدھر یزدجرد کسریٰ ایران ترکستان کے دارالخلافہ فرغانہ میں جو سمرقند میں واقع ہے، مقیم رہ کر ہمیشہ اس بات کا متلاشی رہتا تھا کہ اسے مسلمانوں سے لڑنے اور اپنے وطن واپس لوٹنے کا کوئی موقع ملے اور رومیوں کے بعض امور قسطنطین

دارالخلافہ سے متعلق تھے اور وہ نئے سرے سے مصروشام پر غارت گری کرنے اور ان سے بدلہ لینے کے لیے تیاری کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب اور اس کے باہر کے لوگ مختلف قسم کے اموال پر فریفتہ ہو چکے تھے اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انہیں مزید مال کی طلب اُکساتی ہو اور جب انہیں مطلوبہ چیز نہ ملتی ہو تو وہ برافروختہ ہو جاتے ہوں۔ جو شخص بھی ایسی مملکت کا حکمران ہو اس کیلئے اپنی سیاست کا خاکہ بنانے سے قبل طویل غوروفکر کرنا ضروری ہے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسا حیاء دار اور نرم طبیعت آدمی حکمران ہو تو اسے اور بھی زیادہ حلم اور طویل غوروفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہاں بھی یہی صورتحال تھی اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے تھے اور لوگ مطمئن تھے کہ عمر میں ہمیشہ گنجائش رہتی ہے ان میں سے کوئی شخص بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کے خلاف سوچتا تک نہ تھا اور سب باتوں کے باوجود یہ بات بھی دماغ سے محو نہیں ہوسکتی کہ مسلمانوں کی فوج دُنیا کے مختلف علاقوں ایران، برقہ اور جنوبی مصر میں ہمیشہ دُشمن سے برسرِ پیکار رہنے کیلئے تیار رہتی تھی۔ یہ لڑائی ایک وقت میں دو نظاموں کے بارے میں تھی اور کبھی کبھی یہ جنگ جھڑپوں کی صورت میں ہوتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے معاملہ سے غافل نہیں تھے اور نہ ہی انہیں اس طرف زیادہ توجہ دیئے بغیر کوئی چارہ تھا کیونکہ واقعات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال سے اتفاق نہیں کیا کہ وہ فتوحاتِ اسلامی کو ایک محدود علاقے میں روک دیں تاکہ ان کے مقابل آنے والے ایرانیوں اور رُومیوں سے باعزت طور پر صلح ہو جائے۔ آپ فتوحات کی متابعت پر مجبور ہوئے یہاں تک کہ قتل ہو گئے اور آپ کی فوجیں ہمیشہ ہی ایران اور مصر کے اطراف میں قلعہ بند رہیں اور خلیفہ کیلئے یہ بات ممکن ہی نہیں

تھی کہ وہ کسی اور بات کو اختیار کریں یا یہ کہ ساری حکومت اپنے اطراف میں ہونے والے بگاڑ کے معترض ہو جائے۔ اس معاملہ میں احتیاط سے کام لینا ایک بڑا بھاری بوجھ تھا جسکا خلیفہ ثالث کو آغازِ بیعت ہی میں سامنا کرنا پڑا۔

رُومی اور ایرانی عرب کے حالات کو جانتے تھے جس کی وجہ سے وہ اس بوجھ کی گراں باری میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ شروع شروع میں جب ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبریں آئیں تو انہوں نے حالات میں بگاڑ پیدا کرنے کے متعلق سوچا اور جن ریاستوں نے عرب بادشاہت کی اطاعت اختیار کی تھی اور ان سے صلح کی تھی، انہوں نے سرکشی اختیار کی اور صلح کے معاہدہ کو توڑ دیا اور جس جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت ہوئی تھی اسے بھی روک لیا۔ خلیفہ کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان ریاستوں کو پھر اطاعت کے دائرہ میں لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جس جزیہ پر مصالحت ہوئی تھی اس سے کم جزیہ پر اس خدشہ کی وجہ سے مصالحت کرے کہ کہیں دوسری ریاستیں بھی اپنے اپنے عہدِ صلح کو توڑ کر انقلاب اور نافرمانی کا اعلان نہ کر دیں۔ جب یہ صورتحال رونما ہو گی تو باقی کے تمام امور میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور ان کا دُرست کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اس قسم کا پہلا بگاڑ آذربائیجان اور آرمینیا میں رونما ہوا پھر رومیوں نے شام پر حملہ کر دیا، اسکندریہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور رومیوں سے مدد مانگی اور انہوں نے اس کی مدد کی۔ پھر اس قسم کے واقعات پے در پے ہونے لگے جن کا آغاز ہی میں قلع قمع کرنا ضروری ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس سے فتوحات کا سلسلہ لمبا ہو گیا اور حکومت کی حمایت کیلئے مسلمان جنگی مشقیں

کرنے لگے اور برّی فوج کے ساتھ ساتھ انہیں بحری فوج بھی تیار کرنا پڑی۔

آئندہ فصلوں میں ہم ان تمام باتوں اور جو کچھ حکومت کی سیاست خارجہ کیلئے پروگرام مرتب ہوا اس کا اختصار سے ذکر کریں گے تاکہ ہم اس کے بعد عہد عثمانی کی حکومت کی داخلی سیاست کی تفصیل اور خلیفہ کے خلاف بغاوت و انقلاب پر جہاں یہ سیاست پہنچی، کی طرف پہنچ سکیں۔

الفصل الثالث

عہدِ عثمانی کی فتوحات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی مملکت مشرق میں اقصائے فارس سے حدودِ برقہ تک اور مغرب میں طرابلس تک، شمال میں بحرِ قزوین سے جنوب میں بلادِ نوبہ تک پھیل چکی تھی۔ اس مملکت کے جن علاقوں کو مسلمانوں نے فتح کیا ان میں امن وامان قائم کیا۔ کیونکہ ان کے غازیوں پر کوئی غالب آنے والا نہ تھا، اس کے باوجود وقتاً فوقتاً ان علاقوں کے لوگ ہمیشہ ہی مسلمانوں کے خلاف سرکشی و بغاوت کیلئے حرکت کرتے رہے اور انہوں نے اپنے معاہدے بھی توڑ دیئے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ فاتح لوگ قوم، زبان اور عقیدہ میں ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہ بھی کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ فتح سے چند سال پہلے حیرہ اور غساسنہ کے عرب، شہنشاہِ ایران اور اثرِ روم کے ماتحت تھے۔

اسی طرح یہ بات بھی حیرت انگیز نہیں کہ فتنہ کے عوامل مفتوحہ علاقوں میں لوگوں کے دلوں کو برانگیختہ کریں۔ یہ بات اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے مقابل ان کے مقام کے متعلق ایک حکم ہوتا ہے اور مسلمانوں کے مقام کا حکم ان

کے مقابل ایک دوسری قسم کا ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کی چوکیاں نہ تھیں بلکہ وہ جن علاقوں کو فتح کرتے تھے وہاں کے لوگوں سے مقررہ جزیہ پر مصالحت کر لیتے تھے جو وہاں کے رہنے والے انہیں ادا کیا کرتے تھے۔ پھر اس علاقے کی حکومت وہاں کے مقامی لوگوں کے کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے بعد ان کی افواج عربی چھاؤنیوں میں چلی جاتی تھیں۔ ان چھاؤنیوں میں سب سے بڑی چھاؤنی کی مراکز شام، دمشق اور حمص تھے جیسے عراق میں بصرہ اور شام بڑے مرکز تھے مگر مصر میں قلعہ بابلیون کے سوا جہاں آج کل قدیم مصر کے آثار ہیں اور کسی جگہ عربوں کی مسلح افواج نہ تھی۔ اس لیے کئی دفعہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان ریاستوں نے اطاعت کے بعد سرکشی اختیار کر کے جزیہ کی ادئیگی بند کر دی اور عربوں سے بچنے کیلئے قلعہ بند ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر فوج کشی کر کے پھر انہیں اپنا اطاعت گزار بنالیا لیکن انہوں نے اپنی فوج کا کوئی حصہ وہاں نہ چھوڑا جو ان ریاستوں کے نظام کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتا اور ان سے ان کے عہد کا احترام کرواتا۔ اس لیے کہ حکومت کی تیزی کے ساتھ ہوتی ہوئی توسیع کی وجہ سے فوجوں کے ایک میدان سے دوسرے میدان میں منتقل ہوتے رہنے کی ضرورت رہتی تھی۔ پھر انہیں یہ خدشہ بھی رہتا تھا کہ اگر انہوں نے مفتوحہ علاقے میں تھوڑی فوج چھوڑی تو لوگ اس کے خلاف انقلاب بپا کر کے اس پر غالب آ جائیں گے جس کا فوج کے دلوں پر بُرا اثر پڑے گا اور حقیقت میں وہ ہمیشہ اس بات پر قادر رہے کہ نافرمانوں کو ان کی سرکشی سے روک دیں اور انہیں ایسا سبق سکھائیں جو دوسروں کیلئے عبرت کا باعث ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران کی جن ریاستوں کو مسلمانوں نے

آخر میں اپنا مطیع بنایا، آذربائیجان اور اس کا گردونواح اس کے مغرب میں تھا۔ آذربائیجان بحرِ قزوین سے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے جس کی زمین سطح سمندر سے پانچ سو میٹر سے ایک ہزار میٹر تک بلند ہے۔ وہاں ایسی چوٹیاں بھی ہیں جن کی بلندی چار ہزار میٹر تک ہے۔ جب مسلمانوں نے اس علاقے میں جنگ کی اس وقت وہاں بہت سے آتش کدے تھے۔ عتبہ بن فرقد اور صالح نے حذیفہ بن الیمان کی اجازت سے اس علاقے کو اپنا مطیع بنایا اور ان کے میدانی اور پہاڑی علاقوں شعائر اور مذہبی لوگوں کو ان کی جان و مال، عقائد اور شرائع کو اس شرط پر پروانۂ امن و امان دیا کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق جزیہ ادا کریں گے۔

آذربائیجان کی فتح باب سے صدقان تک پھیل گئی۔ جب مسلمانوں نے ان دونوں علاقوں کو اپنا مطیع بنا لیا تو عبدالرحمٰن بن ربیعہ وہاں سے قریب رہنے والے تُرکوں سے جنگ کرنے کیلئے گئے تو انہوں نے اس سے بچنے کیلئے پہاڑوں میں پناہ لے لی۔ وہ ان کی پناہ گاہوں پر چڑھائی کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی۔ انہوں نے تُرکوں کو وہیں چھوڑا اور ان کا مزید پیچھا نہ کیا اور جہاں قیام پذیر تھے وہیں ٹھہر کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے احکام کا انتظار کرنے لگے۔

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا؟ مورخین کی روایات سے اس بارے میں ہماری تسلی نہیں ہوتی۔ انہوں نے اس معاملہ میں بھی اسی طرح اختلاف کیا جیسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غزوات کی تاریخ میں کیا ہے۔ آپ ایک ہی کتاب میں روایات کے اختلاف کو دیکھ کر حیران

رہ جائیں گے کہ آپ کونسی روایت لیں اور کونسی چھوڑ دیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آذربائیجان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس جزیہ کی ادائیگی بند کر دی تھی جس پر انہوں نے حذیفہ بن الیمان سے مصالحت کی تھی۔ اس کی مقدار اسی ہزار دینار سالانہ تھی۔ ولید بن عقبہ نے دوبارہ وہاں جا کر اسے اپنا مطیع بنایا اور اس پر حذیفہ بن الیمان والا جزیہ عائد کیا۔ ولید بن عقبہ کے آذربائیجان جانے پر قریباً تمام مؤرخین متفق ہیں لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ آذربائیجان کی طرف ۲۴ھ کو گئے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے چند مہینے بعد یا ۲۵ھ کو یا ۲۶ھ کو۔ راویوں کا اختلاف ان کے اس قول کی طرف رجوع ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا اس کے بعد انہوں نے آذربائیجان سے جنگ کی اور آپ نے انہیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ اس بارے میں راویوں کا اختلاف ہے کہ آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ارادۂ کوفہ کا حکمران بنایا تھا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں ایک سال تک حکمران برقرار رکھا پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ایک سال چند ماہ تک حکمران بنایا پھر اس کے بعد ولید بن عقبہ کو وہاں کا حکمران بنایا۔ پس جب ولید کوفہ کے حکمران بننے کے بعد آذربائیجان گئے ہیں تو پھر وہ ۲۵ھ میں گئے ہیں۔ اگرچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی گورنری سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد معزول کر دیئے گئے تھے اور اگر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ایک سال تک کوفہ کی گورنری پر برقرار رکھنے کے بعد سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر بنایا گیا ہے تو پھر ۲۶ھ کو ولید آذربائیجان گئے ہیں۔

ہاں طبری اور ابن الاثیر اور ان کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ ولید بن

عقبہ ۲۴ھ میں آذر بائیجان کی طرف گیا ہے۔ یعنی کوفہ کا گورنر بننے سے پہلے، اور یہ ممکن ہے اور میرا میلان طبع بھی اسی طرف ہے۔ اگرچہ میں اسے قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا اور میرا یہ میلان اس وجہ سے ہے کہ آذر بائیجان کے لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے میں زمانے کے لحاظ سے اہلِ فارس کے نزدیک تر تھے۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ جب مسلمانوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ جنگ سے رُک گئے تھے اس وجہ سے یہ بات ان کے دل میں سما گئی کہ نئے خلیفہ کی سیاست سابقہ خلیفہ کے مخالف ہوگی۔ ابھی تک اس جزیہ کی ادائیگی سے نہیں رُکے تھے جس کو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کئی سال تک ادا کرتے رہے تھے۔ اب انہوں نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے جس جزیہ پر صلح کی تھی اس کی ادائیگی بند کر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب ان کے حالات کا علم ہوا تو آپ بالکل متردّد نہ ہوئے، یہاں تک کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ان سے جنگ کیلئے بھیجا۔ وہ ان سے جنگ کر کے پھر انہیں خلیفہ کی اطاعت اور جزیہ کی ادائیگی کی طرف واپس لے آئے۔ پھر ولید نے عبدالرحمٰن بن شبیل بن عوف احمسی کو موقان، بیر اور طیلسان کی طرف بھیجا۔ یہ سب شہر آذر بائیجان کے قریب ہیں۔ اس نے جنگ کر کے لوگوں کو قیدی بنایا اور ان شہروں کے باسیوں سے مالِ غنیمت حاصل کیا اور مسلمانوں اور ان کے بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنے سے آرمینیا نے ان کے دلوں میں دوبارہ ایمان کو واپس کر دیا۔

جن علاقوں پر ولید بن عقبہ اور ان کے ماتحت امراء اور لشکروں نے غلبہ حاصل کیا، آرمینیا ان علاقوں کے پڑوس میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل آرمینیا کسی زمانے میں آزاد تھا اور کسی زمانے میں ایرانیوں اور رُومیوں کے

درمیان تقسیم تھا۔ جس آرمینیا کو ہم آج جانتے ہیں وہ سب سے وسیع علاقہ تھا۔ بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ آرمینیا اولیٰ، آرمینیا ثانیہ، آرمینیا ثالثہ اور آرمینیا رابعہ میں تقسیم تھا۔ اس نے ان تمام شہروں کے نام بھی لکھے ہیں جو ان علاقوں میں واقع تھے وہ مغرب میں شمشاط سے تغلب تک اور مشرق میں بحرِ خزر تک پھیلے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے ہرقل کو شام سے نکال باہر کیا اور انطاکیہ، حمص اور تمام شمالی شام پر قابض ہو گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بلادِ آرمینیا میں گئے اور دمشق اور شمشاط اور اس کے گردونواح کے شہروں سے جو رُومی حکومت کے ماتحت تھے جنگ کی اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت اور دیگر سامان لے کر شام کی طرف لوٹے اور وہاں کے لوگوں سے امن اور جزیہ پر مصالحت بھی نہ کی۔ وہاں سے واپسی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں قنسرین کی امارت سونپ دی۔ اس کے بعد جب رُومیوں نے فوج کو کشتیوں پر انطاکیہ بھیجا تو وہ ٹوٹ پھوٹ گئیں اور حمص اور حلب اور شمال کے شہر شام سے کٹ گئے۔ پھر ان شہروں پر مسلمان سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھ دوڑے اور ان کا محاصرہ کر لیا اور رُومیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ پھر عیاض بن غنم اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آرمینیا کی طرف بڑھے اور اس میں پیش قدمی کی یہاں تک کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ آمد اور الرہا پہنچ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پیش قدمی کرتے کرتے شہروں کو فتح کرتے اور مالِ غنائم حاصل کرتے اور لوگوں کے دلوں پر رُعب ڈالتے جاتے۔ آپ کے پاس بہت سا مالِ غنیمت جمع ہو گیا تو آپ اسے لے کر قنسرین واپس آ گئے۔ آپ نے یا عیاض بن غنم نے اہل آرمینیا سے امان دینے یا جزیہ سے متعلق کسی قسم کی صلح کی بات نہیں کی۔ آرمینیا کی یہی حالت رہی اور مسلمانوں

کو وہاں غلبہ حاصل نہیں ہوا اگرچہ اس نے ان کی جنگ کا مزہ چکھا جس کی وجہ سے وہ ان پر گردشِ روزگار کا منتظر رہنے لگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے کچھ عرصہ بعد آذربائیجان کے انقلاب میں اہل آرمینیا نے مسلمانوں سے اپنا بدلہ لینے کا موقع پایا تو وہ اپنے پڑوس میں ایرانیوں سے جا ملے اور انہیں بغاوت پر اُکسایا۔ مسلمانوں نے لڑائی کے ذریعے انہیں اپنا مطیع بنا لیا۔ مسلمانوں نے جب آذربائیجان اور اس کے گردونواح کو اپنا مطیع بنا لیا تو کوئی ایک شخص بھی سرزمینِ آرمینیا کے دفاع کیلئے ان کے راستے میں نہ آیا۔ اس طرح اس علاقے کو بھی انہوں نے اپنے خلیفہ کا مطیع بنا دیا رُومیوں نے آرمینیا میں نقل و حرکت کی اور شامیوں سے جا کر لڑنے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں کو ان سے نبرد آزما ہوئے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں نے آرمینیا کے ساتھ جنگ کر کے اسے مطیع بنایا۔ ہاں روایات کا مقدمات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر نتیجہ پر سب متفق ہیں۔ طبری اور اس سے روایت اخذ کرنے والے کہتے ہیں کہ جب ولید بن عقبہ آذربائیجان، موقان اور طیلسان کی سرکوبی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے سلیمان بن ربیعہ باہلی کو بھیجا۔ وہ آرمینیا گئے تو انہوں نے لوگوں کو قتل کیا اور انہیں قیدی بنایا اور وہاں سے مالِ غنیمت حاصل کیا اور دونوں ہاتھوں سے مال سمیٹ کر ولید کے پاس آئے پس ولید بھی واپس ہوئے اور موصل میں داخل ہو گئے اور حدیثہ میں فروکش ہو گئے۔

بلاذری فتوح البلدان میں لکھتا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حبیب بن مسلم فہری رضی اللہ عنہ کو آرمینیا کی طرف بھیجیں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود حبیب رضی اللہ عنہ کو آرمینیا سے جنگ کرنے کا

حکم لکھ بھیجا۔ حبیب رضی اللہ عنہ چھ ہزار فوج کو لے کر آرمینیا گئے اور اہل قالیقلا سے
لڑائی کی۔ انہوں نے حبیب سے جلا وطن ہونے اور جزیہ دینے پر امان طلب کی
اور ان میں سے بہت سے لوگ جلاوطن ہو کر رُومی شہروں میں چلے گئے۔ حبیب کو
چند ماہ بعد یہ خبر ملی کہ اہل آرمینیا نے رُومیوں سے مدد طلب کی ہے اور مسلمانوں
سے مقابلہ کیلئے ایک بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے تو حبیب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدد
طلب کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدد کیلئے لکھا تو حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو ہزار آدمی حبیب کی مدد کیلئے بھجوائے جنہیں انہوں نے قالیقلا
میں آباد کیا اور انہیں جاگیریں دیں اور وہاں پر ان کی فوجی چوکی قائم کی۔ بظاہر یہ
دو مختلف روایتیں ہیں لیکن آپ ان دونوں میں مطابقت کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم
نے بیان کیا ہے آرمینیا ایرانی علاقے سے لے کر رُومی علاقے تک پھیلا ہوا تھا
اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سلمان بن ربیعہ باہلی ولید بن عقبہ کے حکم سے
اس کے ایرانی علاقے کی جانب گئے ہوں اور حبیب بن مسلم فہری رضی اللہ عنہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کے رُومی علاقے کی جانب گئے
ہوں۔ ہم اسی توجیح کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بعد میں ہونے والے واقعات کے
خلاف بھی نہیں اگرچہ ان واقعات کی تفصیل میں راویوں کا اختلاف ہے۔

طبری نے بیان کیا ہے کہ جب ولید بن عقبہ موصل میں داخل ہوئے تو
انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط ملا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ:

”اما بعد، مجھے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اطلاع دیتے
ہوئے لکھا ہے کہ رُومیوں نے مسلمانوں پر ایک عظیم فوج کے
ساتھ چڑھائی کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اہل کوفہ اپنے ان

بھائیوں کی مدد کریں۔ جب میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچے تو آپ جس آدمی کی شجاعت، دلیری جنگ اور اسلام کو پسند کرتے ہوں اس کی سرکردگی میں آٹھ یا نو یا دس ہزار آدمی اس جگہ بھیج دیں جس جگہ میرا ایلچی آپ کے پاس آئے گا۔ والسلام"

ولید نے لوگوں میں کھڑے ہو کر حمد و ثناء کے بعد کہا:

"اللہ تعالیٰ نے اس مقابلہ میں مسلمانوں کو خوب اچھی طرح آزما لیا ہے اور ان علاقوں کو بھی انہیں واپس لوٹا دیا ہے جنہوں نے ہماری حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اور انہیں سالم غانم اور نیک بدلہ کی حالت میں واپس لایا ہے، فالحمد للہ رب العالمین، مجھے امیر المومنین نے حکم دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میں تم میں سے آٹھ ہزار سے لے کر دس ہزار تک آدمیوں کو تمہارے شامی بھائیوں کی مدد کیلئے بھیجوں، جن پر رُومیوں نے حملہ کر دیا ہے، اس جنگ میں بڑا اَجر و فضل ہے، اللہ تم لوگوں پر رحم فرمائے، تم سلمان بن ربیعہ باہلی کے ساتھ جاؤ۔"

ابھی تین دن نہیں گزرے تھے کہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں آٹھ ہزار آدمی کوفہ سے نکلے اور شامیوں کے ساتھ سرزمینِ رُوم میں داخل ہو گئے۔ شامی فوج کے سردار حبیب بن مسلمہ بن خالد فہری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں نے مل کر رُومی علاقے میں فتوحات شروع کیں اور جس قدر لوگوں کو قیدی بنانا چاہا انہیں قیدی بنایا

اور دونوں ہاتھوں سے مالِ غنیمت سمیٹا اور بہت سے قلعوں کو فتح کیا۔

یہ طبری کی روایت ہے اور بلاذری کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کیلئے مدد کی درخواست کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ سعید بن العاص اُموی رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا تو انہوں نے سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں کوفہ سے ایک فوج کے ساتھ مدد کی اور سلمان چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ حبیب رضی اللہ عنہ کی مدد کو گئے مگر حبیب سلمان کے پہنچنے سے قبل ہی رُومیوں سے جنگ کر کے ان پر غالب آ گئے۔ یہ بات ان کی قوت وشجاعت پر دلالت کرتی ہے۔ جب وہ رُومیوں سے جنگ کے متعلق سوچ رہے تھے تو ان کی بیوی نے انہیں کہا ''تیرے وعدے کی جگہ کہاں ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''رُومی بادشاہ کا خیمہ یا جنت۔'' جب وہ خیمہ کے پاس پہنچے تو اسے وہاں پایا۔ جب سلمان ان کے پاس پہنچے تو وہ اپنے دُشمن سے فارغ ہو چکے تھے۔ اہل کوفہ نے چاہا کہ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہو تو شامیوں نے اس بات سے انکار کیا اور ان میں سے بعض نے سلمان کو جنگ کی دھمکی دی اور ایک کوفی سپاہی نے کہا:

> ''اگر تم نے سلمان کو قتل کیا تو ہم تمہارے حبیب کو قتل کر دیں گے اور اگر تم ابنِ عفان کی طرف کوچ کرو گے تو ہم بھی کریں گے۔''

جس روایت کو بلاذری نے بیان کر کے اس کی تائید کی ہے اسے طبری نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی کمزور سند کی وجہ سے اسے واقدی کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ فتوح الشام جو واقدی سے منسوب ہے خرافات سے بھرپور

ہے اور مؤرخین اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح بلاذری طبری کی اس روایت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پھر کہتا ہے کہ جو روایت اس نے بیان کی ہے وہ ثابت شدہ ہے اور اس کی اسناد کو بیان کیا ہے۔

اس معاملہ کا خواہ تفصیل میں کچھ بھی اختلاف ہو تمام روایات اس بات پر منتہی ہوتی ہیں کہ آذربائیجان نے بغاوت کی اور آرمینیا نے اس کی مدد کا ارادہ کیا تو مسلمانوں نے آذربائیجان اور اس کے گردونواح کو مطیع بنا لیا اور آرمینیا میں ایران اور رُوم کی جانب سے داخل ہو کر اس پر قابض ہو گئے۔ رُومیوں کے پاس جب آذربائیجان کے انقلاب اور ان کے مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی خبریں آئیں انہیں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنی ضائع شدہ ہیبت اور حکومت کو واپس لانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں نے انہیں دُھتکار دیا اور ایڑیوں کے بل واپس کر دیا اور ان کے وہ شہر بھی فتح کر لیے جو اس سے پہلے انہوں نے فتح نہیں کیے تھے۔ یہ سب واقعات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں ہوئے۔ آپ شام اور ایران کے علاقوں میں سکون و اطمینان لوٹانے میں صاحبِ اثر تھے اور مفتوحہ علاقے کے لوگوں کو آپ نے دوبارہ اچھی طرح سے یہ یقین دہانی کرا دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے نے مسلمانوں کی قوت اور شان و شوکت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں کی۔

یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم تھوڑی دیر کیلئے رُک کر اس اختلاف کا جائزہ لیں جو مالِ غنیمت کی تقسیم پر کوفیوں اور شامیوں کے درمیان رونما ہوا جس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض نے بعض کو دھمکی بھی دی۔ اس قسم کا ایک اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی پیدا ہوا تھا لیکن اس کی نوبت کسی دھمکی تک

نہیں پہنچی تھی۔ کیا یہ عہدِ جدید کا ایک مظاہرہ تھا یا اس شعور کا مظہر جو عراق اور شام کو وطن بنانے والوں کے دلوں میں جاگزیں تھا جس کا اثر بعد میں بھی رہا؟

ہم ان سوالوں میں سے کسی کے جواب میں ان واقعات کو پیش نہیں کرنا چاہتے۔ جو کچھ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رونما ہوا وہی اس کا مفصل جواب ہے۔ یہاں یہ بیان کر دینا ہی کافی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے جن لوگوں نے شام کو اپنا مسکن بنایا وہ مکہ اور مدینہ کے انصار و مہاجرین تھے اور جنہوں نے کوفہ اور بصرہ کو وطن بنایا وہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر اطراف سے آئے تھے۔ انصار و مہاجرین کو سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے دوسرے عربوں پر فضیلت حاصل تھی اور دوسرے عربوں کو اسلامی مملکت کے قیام کیلئے جہاد کرنے کی فضیلت تھی جو انصار و مہاجرین کی فضیلت سے کم نہ تھی اگرچہ اس سے زیادہ نہ تھی۔

کیا رُومی اپنی شکست کے بعد مطیع ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے بارے میں نہیں سوچا؟ کیا شام اور آرمینیا میں وہ جس مصیبت سے دوچار تھے وہی انہیں اس بات کیلئے کافی تھی کہ جو کچھ اناضول، بلقان اور افریقہ میں ان کیلئے باقی رہ گیا ہے اس پر قناعت کریں؟ شاید وہ ایسا ہی کرتے اگر انہیں اپنی بحری قوت پر فخر نہ ہوتا۔ ایسی قوت عربوں کو حاصل نہ تھی۔ کاش انہیں اسکندریہ نے یہ فریب نہ دیا ہوتا کہ وہ پانی کی پیٹھ پر سوار ہو کر فوراً اس تک پہنچ جائیں گے۔ انہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اسے واپس لینے کی طاقت وقدرت رکھتے ہیں اور ان سے مصر کو بھی واپس لے سکتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کر کے رُومیوں کو وہاں سے

جلاوطن کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ مصر میں آپ کی سیاست یہ تھی کہ وہاں باشندوں پر کم ٹیکس لگا کر اور انہیں اپنے عقیدے میں آزاد چھوڑ کر اور ان رُومیوں اور مصریوں کو انتظامی عہدے دے کر جنہوں نے اپنے پہلے وطنوں کی طرف ہجرت کرنے کی بجائے وہاں پر قیام کرنے کو ترجیح دی تھی، مانوس کیا جائے۔ اس سیاست نے بحیثیتِ مجموعی مصریوں کو تو راضی کر دیا مگر اہلِ اسکندریہ کو ناراض کر دیا۔ عربوں کی فتح سے قبل ان لوگوں کو ایسے امتیازات حاصل تھے جن کی وجہ سے انہیں بہت سے ٹیکس معاف تھے۔ جب عربی حکمران نے ان کے اور ان کے غیروں کے درمیان مساوات پیدا کر دی اور ان پر بھی وہی ٹیکس عائد کر دیئے جو اِن کے غیروں پر لگائے گئے تھے تو اس بات نے ان کے دلوں میں غصہ بھر دیا اور ان رُومیوں کیلئے جنہوں نے اسکندریہ کے دارالخلافہ کو نہیں چھوڑا تھا، مسلمانوں کے خلاف فساد بپا کرنے اور لوگوں کو ان کی حکومت کے خلاف بھڑکانے کا موقع مہیا کر دیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں اس فتنہ کے اس قدر بڑھ جانے کا یا بگاڑ پیدا ہو جانے کا خیال بھی نہ گزرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسکندریہ کے مضبوط اور محفوظ قلعوں کو باقی رہنے دیا اور وہاں پر سوائے حفاظتی فوج کے جس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور کوئی فوج نہ رہنے دی۔ یہ فوج وہاں کے نظام کی محافظ تھی اور سلطان المسلمین اس کی ڈیوٹی لگاتا تھا۔ جب قسطنطنیہ کی شاہی مجلس حاکم بن گئی تو اسکندریہ میں مقیم رُومیوں نے بازنطینی بادشاہ سے خط و کتابت کی اور اسے اشارۃً بتایا کہ جب وہ ان کی طرف جہازوں میں فوج بھیجے گا تو مسلمانوں کو اس بات کی سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس طرح وہ اچانک شہر پر قبضہ کر لینے پر قادر ہو جائے گا اور ان کے ساتھ قلعہ بند ہو جائے گا۔

پھر ان میں سے کچھ فوج مصر کے اطراف میں چلی جائے گی تو وہ اسے دوبارہ فتح کر لے گا اور اس پُرثروت علاقے کو واپس لے لے گا، جس نے روما اور بازنطین کو اپنے وافر اور بہترین ذخائر سے فائدہ پہنچایا ہے۔

یہ خبریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچ سکیں کیونکہ رُومیوں نے انہیں پوشیدہ رکھا تھا۔ دوسرے یہ کہ ابن العاص اپنے اس عظیم اختلاف کی وجہ سے جو ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان تھا، اس بات سے غافل تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو متہم کیا کہ وہ خود خراجِ مصر سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اس لیے آپ نے محمد بن مسلمہ کو مصر بھیجا کہ وہ ان سے مال تقسیم کرے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل نہ ہوئے ہوتے تو آپ جلد ہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے والے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اچھی رائے نہ رکھتے تھے اور شاید آپ اس بات کو بھی نہیں بھولے تھے جو آپ نے چار سال پہلے جب وہ فتح مصر کیلئے چلے تھے، ان کے بارے میں کہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے رضائی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو ان کی نگرانی کیلئے بھیج دیا۔ عبداللہ بن سعد مصر کے گورنر تھے جسے ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ماتحت مقرر کیا تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن ابی سرح کو آگے نہ لے آئیں یا اس کی حکومت کو بڑھا نہ دیں۔ اس بات نے انہیں اسکندریہ کے معاملہ میں سوچنے سے مزید برگشتہ کر دیا۔ اس لیے انہیں رُومیوں کی خبروں اور ان کے افعال کے بارے میں کسی بات کا پتہ نہ چل سکا۔ خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ رُومیوں نے اس بات کو بڑی سختی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ میں اس جگہ یہ بات بیان کر کے عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ پر کوتاہی کی تہمت نہیں لگانا چاہتا۔ اس عرصہ کے دوران مصر پر ان کے اقتدار میں بڑا ابہام پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو عمرو رضی اللہ عنہ کے اقتدار کو کمزور کرنے کیلئے حکمران مقرر کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف صعید اور فیوم کی حکومت منسوب کی گئی ہے اور وہاں کا خراج وصول کرنا بھی ان کے ذمے لگایا گیا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوگئی تو آپ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور تمام مصر کی حکومت عبداللہ بن سعد کو دے دی۔ اس روایت سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معزول ہونے کے باوجود مصر میں مقیم رہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا لیکن انہوں نے عبداللہ بن سعد کے اقتدار کو وسیع کر دیا اور ان پر بڑی بڑی مہربانیاں کیں۔

اس دوران مصر میں عمرو رضی اللہ عنہ کی جو پوزیشن تھی اس لحاظ سے ان پر اسکندریہ میں رُومیوں کے متعلق خبروں کی تحقیق نہ کرنے کا اتہام لگانا مشکل ہے بلکہ یہ عذر بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ مصر کی حکومت پر قائم رہتے تو وہ اس تہمت کا جو اِن کے سر لگائی گئی تھی دفاع کرتے اور کسی حکمران پر اپنی صفائی پیش نہ کرنے اور حکومت کو اپنے فائدے کیلئے اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے اور اپنی دولت بڑھانے سے بڑھ کر اور کوئی بُرا الزام نہیں ہوسکتا۔

معاملہ خواہ کچھ بھی ہو اسکندریہ کے رُومیوں نے قسطنطین ثانی کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ انہیں مسلمانوں کی حکومت سے نجات دلائے اور وہ اسکندریہ میں عرب مسلح فوجوں کی کمی کی وجہ سے اس اَمر کو آسان سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کہ اسے بحری قوت بھی حاصل ہے جو مسلمانوں کو حاصل نہیں۔ جب وہ خفیہ طور پر جہازوں میں

فوج کو بھیجے گا تو مسلمان اس بات کو سمجھ ہی نہ سکیں گے اور اس کی فوجیں مصر کے دارالخلافہ میں اُتر کر اس پر قابض ہو جائیں گی پھر وہاں سے مصر کے دیگر علاقوں پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ قسطنطین اور اس کی مجلسِ شاہی کو یہ اندازِ فکر بہت پسند آیا اور انہیں یہ خیال آیا کہ جب وہ مصر میں واپس آئیں گے تو وہ اس کے مالک بن جائیں گے اور جو زک انہیں شام میں پہنچی ہے وہ قابلِ ذکر نہیں رہ جائے گی۔

بلاشبہ قسطنطین اس رائے کو قبول کرنے میں بڑا مغرور تھا۔ ان دنوں عربوں کے پاس بحرِ ابیض میں ایک ہی بادبانی جہاز تھا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مصر اور شام کے ساحلوں کی حفاظت کیلئے اور جب رُومیوں کے جہاز ان ساحلوں پر آنے کی کوشش کریں تو ان کے مقابلہ کیلئے بحری جہازوں کی تیاری کا مطالبہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ سے پریشان ہو گئے اور اس مصیبت کا ذکر کیا جو العلاء بن الخضرمی کو اس وقت پیش آئی جب وہ پانی میں داخل ہوا اور فوج کے ساتھ جہازوں میں خلیج فارس سے گزر گیا تو ایرانیوں نے اس کے جہازوں کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا تو آپ نے ابن العاص کو لکھا کہ وہ انہیں سمندر کا حال لکھیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میں نے سمندر کو ایک بڑی مخلوق پایا ہے جس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے اور سوائے آسمان اور پانی کے کچھ نظر نہیں آتا، اگر وہ کھڑا ہو جائے تو دل غمگین ہو جاتے ہیں اور اگر جوش میں آ جائے تو عقلوں کو فریب دے دیتا ہے، اس پر یقین کم ہو جاتا اور شک بڑھ جاتا ہے، لوگ اس میں لکڑی پر محنت

کرتے ہیں، اگر ایک طرف مائل ہو جائے تو غرق ہو جاتا
ہے اور اگر نجات پا جائے تو چمک اُٹھتا ہے۔"

ان اوصاف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا۔ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہازوں کی تیاری کی اجازت نہ دی اور دوبارہ اس بارے میں بات کرنے سے انہیں منع کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کو سمندر کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اور رُومیوں کو سطح سمندر پر قوت حاصل تھی اور انہیں یہ طاقت بھی حاصل تھی کہ وہ اپنی فوج کو جہازوں میں مصر لے جائیں۔ پس یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ قسطنطین اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتا اور اگر وہ اس موقعہ کو ضائع کر دیتا تو اس کی مصر کو واپس لینے کی امید ختم ہو جاتی اور مصر کو واپس لینے سے حکومت کی وہ ہیبت اور شان و شوکت بھی واپس آ جاتی جس کا آباؤ اجداد سے وہ وارث ہوا تھا مگر ایشیاء اور افریقہ میں اس حکومت کو قائم و باقی رکھنے کی امید رائیگاں چلی گئی۔

قسطنطین نے تین سو جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا جسے آدمیوں سے بھر دیا اور ان کی قیادت مانویل خصی کے سپرد کی اور انہیں اپنے مقصد کیلئے بھیج دیا لیکن اس کے مقصد کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ اس کا معاملہ ایک پوشیدہ راز بن گیا جس کا عربوں کو علم نہ ہوا۔ اس کی تدبیر کامیاب ہو گئی اور یہ بیڑہ اسکندریہ پہنچ گیا اور اس کی فوج وہاں اُتر گئی۔ اسکندریہ میں مقیم رُومیوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ مل کر ہتھیار بند ہو کر عربوں کی طرف چلے اور ان کے تمام مَردوں کو قتل کر دیا۔ ان میں سے صرف وہی آدمی بچے جنہوں نے بھاگ کر پناہ لی۔ مانویل اور اس کی فوج عظیم دارالخلافہ میں ٹھہر گئے اور انہوں نے یہ

خیال کر لیا کہ ان کی لڑائی اور ترکیب کامیاب ہو گئی ہے اور مصر سے مسلمانوں کی جلاوطنی ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

ہجرت کے پچیسویں سال کے ابتدائی مہینوں میں (۶۶۴ میلادی) رُومی اسکندریہ میں داخل ہوئے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے ایک سال چند ماہ بعد۔ اس روایت پر راویوں کا اتفاق ہے اور ان کا یہ اتفاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل نے قسطنطینی مجلس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اسکندریہ کے رُومیوں کو جلد جواب دیں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات مسلمانوں کی قوت کو توڑ دے گی اور ان فتوحاتِ اسلامیہ کا بھی خاتمہ کر دے گی جنہوں نے رُومیوں اور ایرانیوں کو حیران کر دیا۔

جب عربوں کو فسطاط کے رُومیوں کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے کیا کیا؟ کیا وہ مقابلے کیلئے باہر نکلے یا مقابلہ سے گریز کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئے یا انہیں یہ خوف لاحق ہو گیا کہ رُومی انہیں شکست دے دیں گے اس لیے وہ اپنے ہتھیاروں سے چپک گئے کہ جزیرہ نما سے ان کیلئے مدد آئے؟ اس پہلے دور کے متعلق روایات میں اسی طرح کا اضطراب پایا جاتا ہے جیسے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ان کے مصر میں رہنے یا مکہ چلے جانے کے متعلق پایا جاتا ہے۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ رُومیوں نے اسکندریہ کے قرب و جوار کے شہروں کو لوٹا اور انکی فوج ترائی مصر کے اطراف میں اجناس، پھل اور اموال لوٹنے کیلئے چلی گئی اور کوئی اسے روکنے والا نہ تھا۔ عرب بظاہر ان واقعات سے حیرت و اضطراب میں پڑے تھے۔ انہوں نے امیر المومنین سے مدینہ سے رائے طلب کی اور مدد کی درخواست بھی کی۔ مدینہ کے اہل الرائے نے مصری مسلمانوں کی طرح اس بات

پر اتفاق کیا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا شخص اس نازک صورتحال کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کا نام ہی رُومیوں کے دلوں میں رُعب ڈال دیتا تھا اور ان کی سیاست کو اہلِ مصر خوشی اور تائید سے قبول کرتے تھے۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ وہ رُومیوں سے جنگ کی ذمہ داری کو سنبھالیں اور انہیں پہلے کی طرح مصر سے نکال باہر کریں۔ جب خلیفہ نے انہیں یہ وصیت کی اس وقت عمرو رضی اللہ عنہ مصر میں تھے یا مکہ میں، اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ اس بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صرف یہ بات ثابت ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے حکم کی تنفیذ میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو اختلاف کے سبب انہیں تکلیف پہنچی تھی اس نے انہیں جہاد کے مقدس فریضہ سے نہ روکا یا یہ بات صحیح ہے جو بیان کی جاتی ہے کہ جہادِ فی سبیل اللہ نے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت کا جلد جواب دینے پر آمادہ نہیں کیا بلکہ صرف ان کی طبعی جرأت اور حُبِّ امارت نے انہیں جلد بازی پر آمادہ کیا اور اس حرص نے کہ مسلمانوں کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخاصمہ کے وقت ان پر ظلم کیا ہے حالانکہ وہ فتح مصر کی وجہ سے حسنِ سلوک کے مستحق تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو ان پر مقدم کر کے انصاف سے کام نہیں لیا اور یہ کہ مسلمانوں کے لیے ان کے حسن تدبیر کے بغیر چارہ نہیں اور یہ کہ وہ عنقریب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کریں گے کہ جب وہ رُومی دُشمنوں کو مصر سے نکال باہر کریں تو انہیں مصری فوجوں اور اس کے خراج پر مقرر کر دیا جائے۔ ہم ان کے جواب میں واقعات کو پیش نہیں کرنا چاہتے۔ واقعات اس کے نمایاں ہونے کے متعلق بہت

واضح ہیں۔

ہم اس بات کو یہیں چھوڑتے ہیں اور عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ فسطاط میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ قیادت کے صدر مقام قلعہ بابلیون میں چلتے ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ رُومی فوج کے کارنامے کو جانتے تھے۔ فوج نے ترائی مصر کے شہروں کو خوب لوٹا اور عیش و عشرت سے وقت گزارا۔ مصری ان سنگدل فوجیوں کے مقابلے میں خوف اور گھبراہٹ کا شکار تھے۔ وہ انہیں نہ روکتے تھے اور نہ سوائے چند آدمیوں کے ان سے کوئی تعاون کرتا تھا۔

حذافہ بن خارجہ قلعہ بابلیون کی فوج کا سردار تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ عمرو رضی اللہ عنہ ان کو مدد پہنچنے سے پہلے ہی ان سے لڑائی کرنے میں جلدی کریں۔ ورنہ مصری عربوں سے مایوس ہو کر رُومیوں سے جا ملیں گے تو مقابلہ مشکل ہو جائے گا اور اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوگا۔ لیکن اس بڑے معاملے کا رہنما اس رائے کے مقابلہ میں دوسری رائے رکھتا تھا۔ وہ یہ کہ رُومیوں کو شہروں میں پھرتے اور فساد و خرابی پھیلاتے ہوئے چھوڑ دیں اس سے مصریوں کو ان سے زیادہ بغض ہو جائے گا۔ اس نے اکثریت کی رائے کہ دُشمن کے مقابلہ میں جلدی کرنی چاہیے کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

> ''نہیں انہیں میری طرف آنے دو کہ وہ جس کے پاس سے گزریں گے انہیں تکلیف دیں گے اور بعض کے ذریعے بعض لوگوں کو ذلیل کریں گے۔''

یہ بات اس اَمر پر دلالت کرتی ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ رُومیوں کو ان سے زیادہ جانتے تھے اور انہیں یہ پتہ تھا کہ جب سے مصر ان کے ہاتھ سے نکلا ہے اس وقت

سے وہ مصریوں کے متعلق اپنے دلوں میں شدید بغض پوشیدہ رکھتے ہیں اور وہ لامحالہ ان سے بُرا سلوک کریں گے۔

رُومی ترائی مصر میں بغیر کسی مزاحمت کے پھرتے رہے اس کے باوجود انہوں نے مصریوں کو آرام سے نہ رہنے دیا بلکہ ان کے اموال کو غصب کر کے ان کو طرح طرح کی ذلت سے دوچار کرتے رہے۔ اسی دوران میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قلعہ بابلیون میں اپنی فوج کو منظم کرتے رہے اور جنگ کی تیاریوں میں لگے رہے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ رُومی نقیوس کے قریب آ گئے ہیں تو وہ ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا عزم لے کر باہر نکلے۔ ان کی سرکردگی میں پندرہ ہزار مومنین کا لشکر تھا۔ اگر وہ رُومیوں کو شکست نہ دیتے تو راہِ فرار کی ذلت کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب میں اُلٹے پاؤں واپس چلے جاتے۔ قلعہ نقیوس کی دیواروں کے نیچے دریا کے کنارے دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمانوں اور رُومیوں دونوں کے ہر سپاہی کو یقین تھا کہ آج کی جنگ قطعی نتیجہ خیز اور فیصلہ کن ہو گی اور جو فریق غالب آ گیا مصر کی تمام دولت و ثروت اور نعمتیں اسی کیلئے ہوں گی اس لیے شدید معرکہ آرائی ہوئی اور دونوں فریق موت کے تمنائی بن کر اس معرکہ میں شامل ہوئے۔ فتح دونوں کے درمیان کبھی ایک طرف مائل ہوتی کبھی دوسری طرف۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کی شدت کو دیکھا تو اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر صفوں میں گھس گئے اور جو رُومی بھی ان کے سامنے آیا اس کے سر پر تلوار کا وار کرتے رہے۔ وہ اسی طرح لڑ رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کو ایک تیر لگا جس سے گھوڑا ہلاک ہو گیا تو عمرو رضی اللہ عنہ پا پیادہ ہو کر پیادوں سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑنے لگے۔ انہوں نے یہ پختہ عزم کر لیا تھا کہ یا تو کامیاب ہو جاؤں گا یا شہید ہو

جاؤں گا۔ رُومی اور ان کا سپہ سالار بھی عربوں اور ان کے امیر سے کم بہادر نہ تھے۔ جنگ کے دوران عرب کمزور پڑ گئے اور بعض پیٹھ بھی پھیر گئے۔ جب عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ حرکت دیکھی تو اس بات نے ان کے عزم و اقدام اور کامیابی یا شہادت حاصل کرنے میں اور اضافہ کر دیا۔ جب ان کے اردگرد موجود عربوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اپنے آپ کو جھونکنے کیلئے آگے بڑھ گئے۔ ان فیصلہ کن لمحوں میں عربوں اور رُومیوں نے شجاعت و بہادری کے ایسے کارنامے دکھائے جو تاریخ میں اس انداز میں محفوظ ہیں کہ وہ افسانوں سے زیادہ قریب تر اور حقیقت سے دُور معلوم ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک رُومی شہسوار نے جو سنہری ہتھیار لگائے ہوئے تھا اپنی قوم اور اپنے دُشمنوں کے مقتل کو دیکھا تو صفوں سے آگے بڑھ کر عربوں کو دعوتِ مبارزت دی تو ان میں سے حومل نامی آدمی مقابلے کیلئے نکلا۔ دونوں کافی دیر تک نیزوں سے لڑتے رہے مگر کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آ سکا۔ رُومی نے نیزہ پھینک کر تلوار نکال لی، حومل نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ جنگ کی مہارت میں اس مقام تک پہنچ گئے کہ دونوں لشکر صف در صف کھڑے ہو کر شجاعت و بہادری کے اس حیران کن منظر کو دیکھنے لگے۔ دونوں شہسواروں نے تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ کیا پھر اچانک رُومی نے اپنے مقابل پر حملہ کیا تو حومل نے اسے تلوار مار کر قتل کر دیا۔ حومل کو بھی کئی زخم آئے جن کے باعث وہ کچھ دنوں بعد فوت ہو گیا۔

رُومی کے مر جانے کے بعد پھر جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور لوگ ایک دوسرے سے گتھ گئے اور گردوغبار اُڑنے لگا۔ حومل کے کارنامے نے مسلمانوں کے حوصلے کو بڑھا دیا۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش

تھی کہ وہ شجاعت اور جنگ جوئی میں حومل کی طرح کا مظاہرہ کرے۔ وہ شوقِ شہادت میں دُشمن کی طرف بڑھے اور وہ جنت کے دروازے اپنے لیے کھلے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ رُومی ان کے حملے کے سامنے ٹک نہ سکے اور ان کی عزم و ہمت اور حوصلہ جواب دے گیا۔ انہوں نے پیٹھ پھیر کر شکست کھائی۔ وہ موت سے بچنے کیلئے اسکندریہ کے قلعوں کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ دیتے تھے اور موت ان سے گلے ملنے والی تھی عربوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کا دل وحوصلہ بڑھ گیا۔ انہیں کوئی شک باقی نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دُشمن کے مقابل ان کا مددگار ہے۔

معرکۂ نقیوس کے چند دن بعد حومل کی وفات ہوگئی۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی میت کو ایک شاہی تخت پر فسطاط بھیجا اور اس حوصلہ مند اور بہادر کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کر دیا۔ مقریزی کہتا ہے کہ: ''عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کے تابوت کے دونوں ڈنڈوں کے درمیان اس کا مرثیہ کہا، یہاں تک کہ مقطم میں دفن کر دیا گیا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ اس شہید کے آخری فرض کی ادائیگی کے بعد واپس لوٹے اور فوج کے ساتھ شکست خوردہ دُشمن کا تعاقب کیا تاکہ عظیم دارالخلافہ میں اسے محصور کر دیں۔

مسلمانوں کو اپنے دُشمن کے تعاقب میں کوئی مشقت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اس تعاقب میں دُشمن کی طرح قلعوں اور راستوں کو تباہ و برباد نہیں کیا۔ رُومی اسکندریہ میں داخل ہونے کے بعد جس بستی کے پاس سے بھی گزرے وہاں کے رہنے والے قبطی مصریوں نے ان کی لوٹ مار اور پکڑ دھکڑ سے جو تکالیف

برداشت کیں ان تکالیف نے ان کے ذہنوں سے اس دینی بربادی کا تصور ہی مٹا دیا جو عربوں کی فتح سے قبل مسلسل کئی برس تک ان کے شاملِ حال رہی۔ ہاں انہیں یہ بات ضرور ذہن نشین رہی کہ عربوں کی فتح نے انہیں اس ظلم اور بربادی سے نجات دی تھی۔ جب رُومی نقیوس میں شکست کھا کر اسکندریہ کے قلعوں کی طرف جان بچانے کیلئے بھاگے اور تمام پُلوں اور راستوں کو توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کر دیا تو بستیوں کے قبطیوں نے جب عربوں کو ان سرکشوں کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑے اور رُومیوں کی تباہ و برباد کردہ چیزوں کو دُرست کر دیا اور جس چیز یا سامان کی عربوں کو ضرورت پڑی انہوں نے اسے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے مہیا کر دیا کہ رُومیوں نے جو نقصان پہنچایا ہے وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس بات نے عربوں کو مستقبل کے بارے میں اور زیادہ مطمئن کر دیا۔

اور اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی تو وہ ان فصیلوں کو منہدم کرا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ فاحشہ کے گھر کی طرح ہو جائے گا جس میں ہر طرف سے آیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی فوج کے ساتھ شہر کی مشرقی جانب ڈیرے ڈال دیئے تاکہ اس کے اور سمندر اور نہرِ ثعبان کے درمیان شہر کو محصور کر دے اور کوئی شخص اس سے باہر نہ نکل سکے۔

کیا یہ محاصرہ طول پکڑ گیا یا مختصر رہا؟ کیا عمرو رضی اللہ عنہ آلاتِ حصار سے دیواروں کو توڑ کر شہر میں داخل ہوئے؟ یا رُومی پہرے داروں میں سے ایک نے غداری کی اور جس دروازے پر وہ عمرو کیلئے نگرانی کر رہا تھا اس نے اسے کھول دیا اور مسلمان اس سے اندر داخل ہو گئے؟ اس سلسلہ میں ہمارے پاس تاریخ کی ثابت شدہ اسناد نہیں ہیں جو محاصرے کی مدت کو بیان کریں یا غداری کی بات کو

ترجیح دیں۔

ابنِ بسامہ اس دروازے کا پہرے دار تھا جس کی دیواروں کو توڑنے کے بعد مسلمانوں کا شہر میں داخلہ آسان ہوا۔ اس دَور کی فتوحات کے بہت سے واقعات کے بیان میں روایات کے اندر اضطراب پایا جاتا ہے۔ جس بات پر مؤرخین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے زبردستی شہر پر قبضہ کیا اور وہ شہر کے اندر قتال کرتے، جلاتے اور اسے فتح کرتے ہوئے داخل ہوئے اور رُومی فوج کے ایک دستے نے شہر سے بھاگ کر سمندر میں پناہ لی۔ ان کی اکثریت شہر کے اندر ہی ماری گئی۔ مانویل خصی جو فوج کا کمانڈر تھا وہ بھی مقتولوں میں شامل تھا۔ عرب مسلسل لڑائی کرتے اور غنیمت حاصل کرتے شہر کے وسط میں پہنچ گئے یہاں تک کہ ان سے جنگ کرنے والا کوئی شخص باقی نہ رہا۔ وہاں پر عمرو رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ روک لیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے جہاں یہ لڑائی ختم کر دی گئی تھی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام مسجدِ رحمت رکھا۔

رُومی جہازوں کی طرف بھاگے تاکہ سمندر میں بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ اس طرح دوبارہ اسکندریہ میں سکون و اطمینان ہو گیا اور جو مصری رُومیوں کے آنے سے وہاں سے بھاگ گئے تھے وہ بھی واپس آ گئے تھے۔ بٹلر فتح العرب مصر میں بیان کرتا ہے کہ قبطیوں کا جرنیل بنیامین بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اسکندریہ سے فرار اختیار کیا تھا اور پھر واپس آ گئے تھے۔ اسی نے عمرو رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تھی کہ قبطیوں سے بدسلوکی نہ کی جائے کیونکہ انہوں نے اس عہد کو نہیں توڑا جو آپ سے کیا تھا اور یہ کہ وہ رُومیوں سے صلح کا معاہدہ نہ کریں اور جب وہ مر جائے تو اسے نجلس کے گرجا میں دفن کیا جائے۔ عرب مؤرخین کا

بیان ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ سے ان امور کا مطالبہ مقوقس نے کیا تھا۔ غالب امکان یہی ہے کہ اس جگہ مقوقس سے مراد بنیامین ہی ہے کیونکہ مقوقس لقب ہے نہ کہ نام، اس طرح ان دونوں روایتوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کو دوبارہ فتح کر کے مصر سے رُومیوں کی جلا وطنی کر کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس دفعہ ان کے اسکندریہ میں آنے اور وہاں سے نکل بھاگنے میں صرف چند ماہ لگے اور اس مختصر مدت میں عمرو رضی اللہ عنہ اپنی مراد کو پہنچے۔ مصریوں کو بھی مسلمانوں کے واپس آنے اور حکومت حاصل کرنے سے دوبارہ امن وسکون ملا۔ اس سے قبل بھی وہ ان کی حکومت دیکھ چکے تھے اور ان کے عدل وانصاف سے مطمئن تھے۔ آج وہ اس حکومت سے اور بھی راضی اور مطمئن تھے کیونکہ وہ رُومیوں کی لوٹ مار کو دیکھ چکے تھے اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں نے غنیمت حاصل کرنے کے بعد وہ اموال انہیں واپس کیے۔ دارالخلافہ میں جب عمرو رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو گئی تو بستیوں کے لوگوں نے جا کر عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا:

> ''رُومیوں نے ہمارے جانور اور اموال لے لیے ہیں، ہم آپ کے مخالف نہیں بلکہ اطاعت گزار ہیں۔''

عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ چیزیں دکھائیں جو مسلمانوں کو غنیمت میں ملی تھیں۔ جس کسی نے کسی چیز کا دعویٰ کیا کہ میری ہے اس پر اس سے دلیل طلب کی اور دلیل سے جو کسی کی چیز ثابت ہو گئی اس کو واپس کر دی گئی۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ اور مصریوں کو اس بارے میں کچھ شک نہ رہا کہ مصر کی حکومت عمرو رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی ملے گی جیسے فتح اوّل کے بعد ملی تھی اور وہ اپنے مشہور عدل اور دیگر امور کی

اچھی دیکھ بھال کی وجہ سے جلد ہی مصر کی سیاست اور تدبیرِ امر کو سنبھال لیں گے۔

خود عمرو رضی اللہ عنہ اور مصری اس اعتقاد کے اختیار میں بڑی حد تک معذور تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر سے کیسے نکالیں گے جبکہ عمرو رضی اللہ عنہ نے رُومیوں کو مصر سے نکال باہر کیا ہے۔ لیکن ان کا اندازہ غلط نکلا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے بھی زیادہ مدبّر تھے۔ آپ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی افریقہ سے واپسی تک اسے مصر کی حکومت پر قائم رکھا۔ اس تاریخی واقعہ کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ یہ ۲۶ھ کو ہوا یا ۲۷ھ۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو صرف مصری فوجوں کی امارت پر قائم رکھنا چاہا اور عبداللہ بن سعد کو مصر کا والی صاحبِ خراج بنانا چاہا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس بات میں اس کی امانت پر طنز کیا جا رہا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ ایک ماہر لیڈر ہے لیکن اس کی پاکیزگی شبہات سے بالا نہیں۔ اس لیے انہوں نے اس عہدے کو بھی چھوڑ دیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں دینا چاہتے تھے اور کہا:

"اس صورت میں تو میں گائے کو اس کے سینگوں سے پکڑنے والا ہوں گا اور دوسرا اس کا دودھ دوھ لے گا۔"

اس کے بعد وہ مکہ واپس آ گئے۔ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ناراضگی تھی جس کا اثر آپ عنقریب ملاحظہ کریں گے۔ اس ناراضگی کی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے کہ عبداللہ بن سعد نے مصر کا خراج بھیجا اور وہ اس خراج سے زیادہ تھا جو عمرو رضی اللہ عنہ بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن العاص کو مخاطب کر کے کہا:

"کیا تم جانتے ہو کہ ان اُونٹنیوں نے تمہارے بعد بہت دُودھ

دیا ہے۔"

عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ان کے بچے مر گئے ہیں۔"

یہ بات کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مصریوں پر خراج لگا کر ظلم کیا گیا ہے۔ اس قسم کا خراج انہوں نے نہیں لگایا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو افریقہ کی جنگ سے واپس آنے کے بعد ۲۶ھ یا ۲۷ھ کو مصر کا حکمران بنا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ افریقہ کی جنگ میں جانے سے قبل ہی وہ مصر کی حکومت کا ذمہ دار منتظم تھا۔ یہ جنگ ۲۸ھ یا ۳۰ھ یا اس سے بھی بعد تکمیل کو پہنچی۔ راوی ان تواریخ کو بیان کرتے ہیں مگر انہیں ثابت نہیں کر سکتے لیکن میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ افریقہ کی جنگ عمرو رضی اللہ عنہ کے رُومی شورش کو مصر میں ختم کرنے اور اسکندریہ سے انہیں دوبارہ جلا وطن کرنے کے بعد ہوئی اور یہ سب کچھ ۲۵ھ کے آخر میں یا ۲۶ھ کے اوائل میں ہوا۔ اس کو ترجیح دینے کی سند بہت سی روایات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک سبب اور بھی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر سے معزول کر دیں اور عبداللہ بن سعد کو اس کا حکمران بنا دیں تاکہ قصداً اسے افریقہ بھجوائیں بلکہ یہ بات منطقی لحاظ سے زیادہ قرینِ قیاس ہے عمرو مصر میں مکمل سکون واطمینان کے قائم ہونے تک رہے ہوں اور عبداللہ بن سعد افریقہ گئے ہوں۔ عبداللہ کا مصر میں رہنا ان کے اور عمرو رضی اللہ عنہ کے درمیان نزاع کو بڑھانے کا باعث نہیں ہوسکتا اور اس ترجیح کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ عبداللہ بن سعد کو مصر میں رُومیوں سے لڑائی کرنے میں کوئی زیادہ قابلِ ذکر مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جنگ

کرنے سے قبل ان سے لڑائی کی تھی وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کی لڑائی ایک بزدلی تھی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ابن العاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح مصر کے بعد برقہ اور طرابلس کی طرف گئے تھے اور انہیں فتح کیا تھا۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اسی طرح مسلسل چلتے جائیں گے تاکہ افریقہ کو فتح کر سکیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس بات سے روک کر واپس بلا لیا۔ جب مصر دوبارہ فتح ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو حکم دیا کہ وہ افریقہ کی طرف جائے اور اس کی قوت میں اضافہ کیلئے مزید فوج کے آدمیوں سے اسے مدد دی۔ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ آدمی دس ہزار تھے یا بیس ہزار یا چالیس ہزار۔ عبداللہ برقہ اور طرابلس سے گزر گئے جہاں مسلمانوں کا اقتدار مسلمانوں کو مطمئن کیے ہوئے تھا۔ یہ لوگ افریقہ میں جنگ کیلئے پہنچے، عربوں کے مطابق افریقہ، افریقی براعظم کے شمال کو کہتے ہیں جو مراکش میں تیونس سے طنجہ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقے رُومی اثر ونفوذ کے ماتحت تھے جو رُومی امیر کی امارت میں ذاتی حکومت سے حصہ رکھتے تھے جو ہر سال بازنطینی شاہی مجلس کو بہت سا جزیہ ادا کرتا تھا۔ ایک قول کے مطابق جب عربوں نے ان علاقوں کے حاکم سے جنگ کی، جس کا نام گریگوری تھا، ابن اثیر اور طبری وغیرہ اسے جرجیر کہتے ہیں۔ وہ بازنطینی حکومت سے الگ آزادانہ طور پر حکومت کرتا اور ان علاقوں کا شہنشاہ کہلاتا تھا۔ جب عبداللہ بن سعد حدودِ طرابلس سے گزر کر تیونس پہنچے تو گریگوری کی فوجیں اسے سبیطلہ شہر کے باہر ملیں اور اسے پیش قدمی سے روکا۔ عرب مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ یہ ایک لشکرِ جرار تھا جس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار یا دو لاکھ تھی۔ عبداللہ بن

سعد ان فوجوں کو چکر دیتے رہے تا کہ ان پر غالب آنے کا کوئی ذریعہ تلاش کریں۔ مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ اس پوزیشن میں کئی ماہ تک ٹھہرے رہے نہ وہ کامیاب ہو سکے اور نہ رومی ان پر غالب آ سکے۔ اس بات کو بھی ترجیح حاصل ہے کہ وہ کبھی کبھی ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھتے۔ انہوں نے طرابلس واپس آنے کی کوئی راہ نہ پائی کہ اپنے آدمیوں کو آرام پہنچا سکیں اور ضروری مدد کو حاصل کر سکیں۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کئی ماہ تک اسی حالت میں رہے۔ اس دوران مدینہ اور مصر سے ان کی خبروں کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔ آپ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا جس میں صحابہ اور تابعین کا ایک گروپ بھی شامل تھا اور اسے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے بھیجا کہ وہ فتح میں اس کی مدد کریں اور اسے اور اس کے لشکر کو نقصان سے بچائیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ چلے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ تہامہ اور حجاز سے گزر کر مصر پہنچے، پھر برقہ اور طرابلس سے گزر کر عبداللہ بن سعد کے لشکر سے جا ملے۔ وہ رُومیوں سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے جب انہیں دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کیا اور ان کے دل مطمئن ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے جسے وہ طلب کر رہے تھے مگر حاصل نہیں کر رہے تھے۔

روایات میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو لڑنے

والوں کے سر پر نہ پایا تو اس کے بارے میں پوچھا، انہیں بتایا گیا کہ وہ احتیاطاً چھپے ہوئے ہیں اس لیے کہ انہوں نے گریگوری کے منادی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو عبداللہ بن سعد کو قتل کرے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا اور اپنی بیٹی بھی اس سے بیاہ دوں گا۔ اس لیے عبداللہ کو یہ خوف دامن گیر ہوا ہے کہ کوئی اس کی خبر پا کر اسے قتل کر دے گا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سعد کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ منادی کو حکم دو کہ وہ اعلان کرے کہ:

''جو شخص گریگوری کا سر میرے پاس لائے گا میں اسے ایک لاکھ درہم دوں گا اور اسے اپنی بیٹی بیاہ دوں گا اور اس کے ملک پر اسے حکمران بنا دوں گا۔''

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تو گریگوری اپنے متعلق اس سے بھی زیادہ خوف محسوس کرنے لگا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس فتح میں تاخیر سے بڑی حیرت ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان صبح سے ظہر تک ہر روز اپنے دشمنوں سے لڑتے ہیں اور جب ظہر ہو جاتی ہے تو ہر فریق اپنے خیموں میں واپس آ جاتا ہے تا کہ کل کی جنگ کیلئے نئے سرے سے تیاری کرے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اس طریقے سے مقصد ہرگز پورا نہ ہو گا۔ آپ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے خیمے میں گئے اور انہیں کہا:

''اس طریقہ سے ہمارا ان کے ساتھ معاملہ طول پکڑ جائے گا انہیں مسلسل کمک پہنچ رہی ہے اور یہ علاقہ بھی ان کا اپنا ہے اور ہم مسلمان اور ان کے علاقے سے بھی الگ تھلگ ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ قصداً مسلمان بہادروں کا ایک

دستہ ان کے خیموں میں تیار چھوڑ دیں اور ہم باقی فوج کے ساتھ رُومیوں سے لڑیں، یہاں تک کہ وہ اُکتا جائیں گے اور تنگ پڑ جائیں گے اور جب وہ اور مسلمان اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے جائیں تو خیموں میں رہنے والے مسلمان جو اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے، سوار ہو جائیں اور وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے، ہم ان پر اچانک پل پڑیں گے، شاید اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر غالب کر دے۔"

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی۔ انہوں نے اس کے متعلق کبار صحابہ سے بھی مشورہ کیا تو انہوں نے بھی اسے قبول کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا کام سنبھالا۔ آپ نے مسلمان بہادروں کو گھوڑوں سمیت ان کے خیموں میں چھوڑا اور وہ جنگ کیلئے بالکل تیار تھے۔ بقیہ فوج کے ساتھ آپ نے ظہر تک رُومیوں سے شدید جنگ کی اور ظہر تک انہیں ایک گھڑی کیلئے بھی نہ چھوڑا اور مسلسل ان سے جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں تھکا دیا۔ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رُومیوں نے یقین کر لیا کہ کل صبح سے پہلے جنگ ہرگز شروع نہیں ہو سکتی، اس لیے انہوں نے اپنے ہتھیار اُتار دیئے اور اپنے خیموں میں آرام کرنے لگے۔ لیکن وہ ابھی آرام کر بھی نہ پائے تھے کہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ دوبارہ ان پر پل پڑے۔ آپ کے ساتھ وہ بہادر مسلمان تھے جنھوں نے صبح کو جنگ نہیں کی تھی۔ انہوں نے مل کر یکجان ہو کر تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے حملہ کیا تو ان میں سے بہت سے آدمی مارے گئے اور ان کا امیر گریگوری بھی مارا گیا۔ انہوں نے اس کی بیٹی کو قیدی بنا لیا اور وہ

ایک انصاری کے حصے میں آئی۔

اس فتح کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سبیطلہ کی طرف گئے۔ یہ بادشاہ کا گھر تھا۔ عبداللہ نے اس کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ مسلمانوں کو یہاں سے بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار کا حصہ ملا اور پیادے کو ایک ایک ہزار دینار ملا۔

ابنِ سعد رضی اللہ عنہ نے سبیطلہ سے اپنی فوجوں کو سارے ملک میں بھیجا اور وہ قفصہ تک پہنچیں اس طرح مسلمانوں نے افریقہ کے میدانی اور پہاڑی علاقوں کو فتح کر لیا اور وہاں اشاعتِ دین کیلئے راستہ ہموار کیا۔ ابن سعد نے وہاں کے لوگوں سے دوملین پانچ لاکھ دینار پر صلح کی اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے تین سو قنطار سونے پر مصالحت کی۔ عبداللہ بن سعد افریقہ میں پندرہ ماہ قیام کے بعد مصر واپس آئے۔

اس کے بعد اہل افریقہ اسلام پر اچھی طرح قائم ہو گئے۔ وہ دوسرے تمام ممالک کے لوگوں سے زیادہ سننے اور اطاعت کرنے والے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قسطنطین شہنشاہِ رُوم نے مسلمانوں کی فتح کے بعد ان کے ملک میں ایک امیر بھیجا جو قرطاجنہ میں فروکش ہوا اور ان سے مطالبہ کرنے لگا کہ جتنا جزیہ تم مسلمانوں کو دیتے ہو اسی قدر جزیہ مجھے دو۔ انہوں نے اس کے مطالبہ کو ردّ کرتے ہوئے کہا کہ تم ہماری حفاظت نہیں کر سکے اس لیے ہمارے ذمے تمہارا کوئی جزیہ نہیں ہے۔

عربوں نے افریقہ کی فتح کے وقت جو مالِ غنیمت حاصل کیا اس کے متعلق کئی روایات ہیں جن کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو افریقہ کی فتح کی ذمہ داری سونپی تو

انہیں کہا کہ غنیمت سے بیت المال کو جو حصہ ملے گا اس کا پانچواں حصہ تجھے ملے گا اور مسلمانوں کو جو غنیمت ملے بیت المال اس کے پانچویں حصے کا حق دار ہوتا ہے۔
جب فتح مکمل ہو گئی تو ابن سعد نے غنیمت سے چار خمس فوج میں تقسیم کر دیئے اور اپنے لیے خمس کا پانچواں حصہ روک لیا اور اس کے چار خمس مدینہ بھیج دیئے۔ جس فوج نے افریقہ کو فتح کیا تھا اس کے ایک دستے نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس حصے کے متعلق شکایت کی جسے عبداللہ نے اپنے لیے روک لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا ”وہ میں نے ہی اسے دیا ہے اور میں نے ہی اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا، اب یہ بات تمہارے سپرد ہے، اگر تم ناراض ہو تو وہ حصہ واپس لیا جائے گا۔“ انہوں نے کہا ہم ناراض ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تو وہ حصہ واپس ہو گا۔ آپ نے عبداللہ کو اس حصہ کے واپس کرنے اور ان لوگوں سے صلح کرنے کے متعلق لکھا اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عبداللہ کے اس حصہ کے واپس کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا جو اس نے لیا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

> ”اسے ہم پر سے معزول کر دیجیے، ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہم پر امیر ہو، جو ہو چکا سو ہو چکا۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو لکھا:

> ”افریقہ میں اس آدمی کو اپنا جانشین بناؤ جس کو تم اور دوسرے لوگ پسند کرتے ہوں اور اس خمس کو بھی تقسیم کر دو جسے میں نے تمہیں فی سبیل اللہ دیا تھا کیونکہ دوسرے لوگ اس بخشش سے ناراض ہیں۔“

عبداللہ نے ایسا ہی کیا اور مصر واپس آ گئے۔

یہ طبری کی روایت ہے مگر ابن الاثیر کہتا ہے کہ:

''افریقہ کا خمس مدینہ لایا گیا جسے مروان بن الحکم نے پانچ لاکھ دینار میں خریدا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساقط کر دیا۔ یہ بات بھی ان باتوں میں سے ہے جن کے بارے میں آپ پر گرفت کی گئی اور خمس کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں یہ ان میں سب سے اچھی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ کا خمس عبداللہ بن سعد کو دے دیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے عبداللہ کو پہلی جنگ کا خمس دیا اور مروان کو دوسری جنگ کا خمس دیا جس میں سارا افریقہ فتح ہوا تھا۔'' واللہ اعلم

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات صحیح ہے کہ آپ نے غنیمت کے خمس کو مروان بن الحکم کے پاس فروخت کر دیا تھا اور ان سے اس پر مواخذہ ہوا تھا تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ آپ نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کے خلاف کیا اور اس طرح آپ نے اس عہد کی خلاف ورزی کی جو آپ نے خلیفہ بنتے وقت کیا تھا کہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد ہونے والے دونوں خلفاء کی سیرت کے مطابق عمل کروں گا۔ اس لیے غنائم کی فروخت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی یہ سنت نہیں بلکہ اسے مسلمانوں کے سامنے تقسیم کیا جاتا تھا اور تمام لوگ عدل وانصاف سے اس میں حصہ لیتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مروان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عم زاد تھا اور طائف کی طرف سفیر تھا اور مکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سوا کبھی نہیں آیا تھا۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ کو فتح کیا اور مصر واپس آ گئے۔ روایات کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ نے ابن سعد کو افریقہ کے معاملات کا متولّی بنا کر مسلمانوں کا امیر بنایا یا کسی کو بھی افریقہ میں نائب مقرر نہ کیا۔ طبری کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد کو حکم دیا کہ وہ افریقہ میں کسی کو نائب مقرر کریں اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اہل افریقہ نے اسلام قبول کیا اور حسنِ اطاعت کا نمونہ دکھایا۔ اس قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس نے افریقہ کے مسلمانوں پر نائب مقرر کیا جو وہاں کے اسلام قبول کرنے والوں کو ان کے دین کی باتیں سمجھاتا اور ان کے درمیان حدود اللہ کو قائم کرتا مگر ابن اثیر اس کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ:

> ''گریگوری کے بعد ایک اور رُومی نے افریقہ کا انتظام سنبھالا تو اسے رُومی فوج کے جرنیل نے بہت سارے فتنوں کے بعد نکال باہر کیا، وہ شام کی طرف چلا گیا، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی، اس نے ان کے سامنے افریقہ کے حالات بیان کیے اور درخواست کی کہ اس کے ساتھ ایک لشکر بھیجا جائے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ معاویہ بن حدیج السکونی کو بھیجا، وہ افریقہ پہنچے تو افریقہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح تھا، ابنِ حدیج اہلِ افریقہ سے جنگ کر کے ان پر غالب آ

آ گیا۔"

بلاذری کا بیان ہے:

"جب عبداللہ بن سعد نے افریقی جرنیل سے صلح کی تو وہ مصر واپس آ گیا اور کسی کو افریقہ کا حاکم نہ بنایا پھر جب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ حاکم ہوئے تو انہوں نے معاویہ بن حدیج السکونی کو مصر کا گورنر بنایا، اس نے پچاسویں سال عقبہ بن نافع فہری کو بھیجا جس نے ان سے جنگ کر کے ان کو اپنا مطیع بنا لیا۔"

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے افریقہ سے رُومیوں کو جلاوطن کرنے پر ہی اکتفاء کیا، پھر عبداللہ بن سعد کی جزیہ پر مصالحت کے بعد اسے اہلِ افریقہ کے پاس چھوڑ دیا۔ افریقہ کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طویل خلافت تک اس ملک نے جو معاہدہ کیا اس کے پابند رہے۔ جب مسلمانوں کے درمیان تنازعے بڑھ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نزاع تیز ہو گیا تو افریقی مسلمانوں اور غیر مسلموں نے اس عہد کو توڑ دیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو گئی تو آپ نے اس ملک کی طرف اس شخص کو بھیجا جس نے اسے فتح کیا اور لوگوں کو از سرِ نو اطاعت کی طرف لے آیا۔ اس وقت سے اس نے شمالی افریقہ والوں کو اسلام پر قائم کیا اور انہوں نے حسن اطاعت کا نمونہ دکھایا۔

میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں اور اکثر روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں، متفقہ بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب سے مسلمانوں نے

شمالی افریقہ کو فتح کیا ہے، بادشاہِ روم وہاں سے سکڑ گیا ہے اور ان علاقوں کو لینے کی تمام کوششیں رائیگاں گئی ہیں۔ (ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی فتح کے بعد اُندلس کی فتح کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن الحصین اور عبداللہ بن نافع بن قیس کو وہاں بھجوایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قسطنطنیہ کو اُندلس سے پہلے فتح کیا جائے یا مسلمانوں نے اسے آپ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا۔ بلاذری کا کہنا ہے کہ طارق بن زیاد موسیٰ بن نصیر کا گورنر پہلا شخص تھا جس نے اُندلس کے ساتھ جنگ کی اور یہی حقیقت ہے)۔

افریقہ کی فتح سے اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہو گیا اور وہ تمام علاقے جو شمالی شام میں انطاکیہ سے بحرِ متوسط کے کنارے پر پڑتے ہیں اور شمالی افریقہ میں اس سمندر سے اقصائے شرق سے لے کر اقصائے مغرب تک پڑتے ہیں اس میں شامل ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں رہتے ہوئے یہ یقین ہو گیا کہ ان ہزاروں میل لمبے ساحلوں کا پرامن رہنا ممکن نہیں۔ دشمن ان علاقوں کو لینے کیلئے سمندر کے راستے سے آ سکتا ہے، سوائے اس کے کہ عربوں کا ایک جنگی بیڑہ ہو جو رُومی جنگی بیڑے کا مقابلہ کرے۔ ان کی یہ رائے اس وقت سے تھی جب وہ شام کے حاکم بنے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ رُومی سمندر سے انطاکیہ پر حملہ کریں گے اس لیے انہوں نے حمص جزیرہ قبرص کے قرب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ حمص کی بستیوں میں سے ایک بستی کے رہنے والے ان کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغ کی آواز کو سن سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو رُومیوں نے مصر پر سمندر سے حملہ کیا۔ پھر حکومت کی سرحدیں افریقہ کے شمال تک

پھیل گئیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص کے ساتھ سمندر سے جنگ کرنے کی دوبارہ اجازت طلب کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں نے اجازت دے دی تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی مخالفت ہو جائے گی اور بیعت کے دن کا عہد ٹوٹ جائے گا اور لوگ ان سے اس خلاف ورزی پر مواخذہ کریں گے لیکن انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ میں دُور اندیشی اور حسنِ رائے کو پایا اور غور وفکر کے بعد اسے نظر انداز کرنا اچھی سیاست خیال نہ کیا چنانچہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

> ''آپ نے جب سمندری جنگ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تھا (اور اجازت مانگی تھی) تو جو جواب انہوں نے آپ کو دیا تھا وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔''

اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ لکھا تو آپ نے ان کے مطالبہ کا جواب دیا اور انہیں کہا:

> ''لوگوں کو منتخب کر لو اور ان کے درمیان قرعہ اندازی نہ کرو، انہیں اختیار دے دو، جو خوشی سے جنگ کرنا چاہے اس کا بوجھ برداشت کرو اور اس کی مدد کرو۔''

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سمندر پر سوار ہونے اور جنگ کرنے کو ایک رضا کارانہ کام بنا دیا۔ اس طرح کرنے سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی مخالفت سے محفوظ ہو گئے اور جس کام کو انہوں نے دُور اندیشی اور اچھی رائے پر مشتمل پایا تھا اسے نہ چھوڑا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط ملا کہ جنگ

کیلئے جہاز تیار کریں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھی اس حکم کا پتہ چل گیا جو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ انہوں نے اسکندریہ کی بندرگاہ کیلئے جہاز تیار کیے اور ان میں رضا کارانہ طور پر جنگ کرنے والوں کو سوار کرا لیا۔ اس طرح مسلمانوں کا بھی ایک جنگی بیڑہ تیار ہو گیا جو رُومی بحری بیڑے سے جنگ میں کم نہ تھا اور اسلامی حکومت کو بَرّی فوج کے ساتھ ساتھ بحرِ رُوم اور قلزم کے ساحلوں پر بحری فوج بھی حاصل ہو گئی۔ اس میں جنگ کا اس قدر سامان تھا کہ عربوں کو اس سے قبل اتنا سامان حاصل نہ تھا۔

بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگی بیڑہ بنانے اور قبرص سے جنگ کرنے اور نئی حکومت کی حفاظت کیلئے بحری فوج تیار کرنے میں حق پر تھے۔ حکومت کی وسعت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور اس کے ساحل بھی بڑھ رہے تھے۔ رُومیوں کیلئے سوائے سمندر کے اور کوئی ذریعہ واپس آنے کا نہ تھا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے جنگی بیڑے کو مسلمانوں کے جنگی بیڑے سے اسی قسم کی جنگ کرنی پڑے گی جیسے ان کی فوج کو عربوں کی فوج سے میدانی علاقوں میں کرنی پڑی ہے تو اس بات نے انہیں کمزور کر دیا اور مسلمانوں کے سامنے ان کی قوت اور فوج کی طاقت کے مطابق وسعت کے دروازے کھول دیئے اور شاید اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر لمبی ہوتی اور ان کے عہد میں ساحلی فتوحات بڑھ جاتی تو وہ بھی اسی رائے پر پہنچتے جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہنچے تھے۔ سمندر میں جنگ کرنے کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ ایک صحیح مشورہ تھا جس نے اختلافات کا دروازہ نہیں کھولا اور نہ کسی معترض کیلئے کوئی اعتراض کی گنجائش رہی۔ یہی وجہ ہے کہ شام اور مصر میں اسلامی جنگی بیڑے کی تیاری کا کام جلد شروع ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توقع سے کہیں زیادہ رضا کاروں نے اس میں حصہ لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی حکومت ایک طاقتور بحری حکومت بن گئی اور جنگی بحری بیڑہ فتوحات کی وسعت اور حکومت کے وجود کی تقویت کیلئے اصل ہتھیار بن گیا۔

قبرص بحرِ متوسط کے اقصائے شمال مشرق میں واقع ہے اور اناضول کے علاقے کے قریب ہے جو اس کے شمال میں واقع ہے اور شام اس کے جانبِ مشرق واقع ہے۔ اس کے اور ان دونوں علاقوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ ہے۔ قبرص میں پہاڑوں کے دو سلسلے ہیں جن کی بعض چوٹیوں کی بلندی تین ہزار میٹر سے زیادہ ہے۔ جزیرہ قبرص کا علاقہ ہمیشہ سے ہی سرسبزی، پھلوں کی عمدگی اور خوشگوار آب وہوا کی وجہ سے مشہور ہے جو اس وقت تک ایک مضبوط جنگی چھاؤنی ہے جو بحرِ ابیض کے پورے مشرقی علاقے پر حکمرانی کرتی ہے۔ اسی وجہ سے صدیوں سے لالچی لوگوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی ہیں۔ اس زمانے میں یہ رُومی اثر ورسوخ کے ماتحت تھا۔ پھر یہ پہلا جزیرہ ہے جس سے مسلمانوں نے بحرِ ابیض میں جنگ کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سمندر پر سوار ہو کر اس کی طرف گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی فاختہ بن قرظہ اور ان صحابہ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے مکہ اور مدینہ سے آنے کے بعد شام کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جہاز آگے آگے جا رہا تھا اور ان کے پیچھے مسلمان رضا کاروں کے جہاز تھے۔ جب یہ قبرص پہنچے اور اس کے ساحل پر اُترے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کا حاکم اور وہاں کے رہنے والے آپ سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اُن کو اِن سے جنگ کی کیا ضرورت تھی جبکہ جزیرہ رُومی حکومت کے ماتحت تھا اس لیے جب رُومی ان کا دفاع نہیں کر سکے تھے تو وہ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے اور پھر

رُومی جہازوں میں سے کوئی جہاز بھی مسلمانوں کے مقابل نہیں آیا تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے ان کے مقاصد میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی۔ دونوں فریقوں نے صلح کے متعلق گفتگو کی۔ اہل قبرص نے دیکھا کہ کہیں ان کا مسلمانوں سے صلح کرنا رُومیوں کو ان کے خلاف نہ کر دے اور وہ انہیں ایسی تکلیف میں ڈال دیں جس کے ازالہ کی ان کے اندر طاقت ہی نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں سے اس شرط پر سات ہزار دوسو دینار سالانہ جزیہ دینے پر صلح کی کہ وہ اتنا ہی جزیہ رُومیوں کو ادا کریں گے اور رُومیوں اور مسلمانوں سے ملی جُلی صلح کے بالمقابل مسلمان ان پر حملہ آور ہونے والے سے ان کا دفاع نہیں کریں گے اور نہ ان کی طرف سے لڑیں گے اور یہ کہ اہل قبرص مسلمانوں کی جاسوسی کریں گے جو رُومی دُشمن کی نقل وحرکت کے متعلق انہیں اطلاع دیتے رہیں گے۔

قبرص کی فتح کے متعلق یہ روایت بلاذری کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ۲۸ھ یا ۲۹ھ میں قبرص کی جنگ ہوئی اور اہل قبرص ۳۲ھ تک اپنے عہد پر قائم رہے اور اسی سال انہوں نے غازیوں کے برخلاف سمندر میں کشتیوں کے ذریعے رُومیوں کی مدد کی جو انہوں نے انہیں دی ہوئی تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۳۳ھ میں پانچ سو جنگی کشتیوں کے ساتھ ان سے جنگ کی اور قبرص کو زبردستی فتح کر کے انہیں قتل کیا اور قیدی بنا لیا۔ پھر انہیں ان کی صلح پر (دوبارہ) قائم کیا اور ان کی طرف بارہ ہزار آدمیوں کو بھیجا جو سب کے سب دفتری (انتظامی) آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں پر مساجد تعمیر کیں۔ ایک جماعت بعلبک سے وہاں آئی۔ اس نے وہاں ایک شہر تعمیر کیا اور وہیں پر مقیم ہوگئی۔ انہیں عطیات ملتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ان کے بعد ان کا بیٹا یزید حکمران بن گیا۔

اس نے ان بھیجے ہوئے آدمیوں کو واپس بلوا لیا اور شہر کو گرانے کا حکم دے دیا۔ بعض راویوں کو خیال ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص سے جو دوبارہ جنگ کی وہ ۳۵ھ میں ہوئی تھی۔

بلاذری کی یہ روایت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اکیلے قبرص کو فتح کیا تھا۔ طبری، ابن الاثیر اور ان کی طرح تاریخ پر لکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ شام اور مصر کے دونوں جنگی بیڑے قبرص گئے۔ مصری بیڑے کا انچارج عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا۔ اس روایت کے راوی یہ بات بیان نہیں کرتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود اس بیڑے کی قیادت کی تھی بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن قیس الحارثی کو سمندر پر عامل مقرر کیا تھا۔ ان روایات میں سے کسی ایک کو قطعی طور پر صحیح کہنا اور دوسری کو کمزور قرار دینا مشکل ہے۔ میں جس بات کو ترجیح دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کو بظاہر صلح سے فتح کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رُومی مصر اور افریقہ میں اپنی مصیبت میں مبتلا تھے اور عبداللہ بن قیس الحارثی اس فتح میں آپ کے ساتھ تھا جس میں ایک قطرہ بھی خون بہنے کی نوبت نہیں آئی اور نہ ہی اس میں جنگ ہوئی ہے۔ جب قبرصیوں نے اپنے عہد کی خلاف ورزی کی اور رُومیوں کی مدد کی تو شام اور مصر دونوں کے جنگی بیڑوں نے جزیرہ جا کر اسے بزورِ شمشیر فتح کیا اور وہاں کے لوگوں کو قتل کیا اور قیدی بھی بنایا۔ اس دوسری جنگ میں عبداللہ بن قیس اور عبداللہ بن سعد دونوں جنگی بیڑوں کے امیر البحر تھے۔

طبری اور ان لوگوں کی روایت سے جنہوں نے طبری سے اخذ کیا ہے واضح ہوتا ہے کہ عبداللہ بن قیس بحری امارت کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے شاتیہ اور

صائفتہ کے درمیان سمندر میں پچاس جنگیں لڑی اور ان میں سے ایک آدمی بھی غرقِ آب نہیں ہوا اور نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچی۔

راوی کا یہ بھی بیان ہے کہ عبداللہ بن قیس دُعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لشکر کو عافیت سے رکھے اور ان میں سے کسی کی مصیبت میں اسے مبتلا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس دُعا کو قبول فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس اکیلے کو مبتلائے مصیبت کرنا چاہا تو وہ ایک ہراول کشتی میں مُرقیٰ کی طرف گیا جو رُومی علاقے میں ہے اس جگہ سائل آتے جاتے تھے۔ عبداللہ نے انہیں خیرات دی تو ایک عورت نے سوال کرنے کے بعد واپس آ کر اپنے ساتھی مَردوں سے کہا کیا تم میں کوئی عبداللہ بن قیس سے نپٹ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا وہ مُرقیٰ میں ہے۔ انہوں نے کہا اے دُشمنِ خدا تو عبداللہ بن قیس کو کیسے جانتی ہے؟ وہ تو ان کا بڑا صاحبِ نصیب آدمی ہے۔ اس عورت نے کہا، بھلا عبداللہ بھی کسی سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ پھر ان سب نے جا کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ ان سے لڑا اور وہ اس سے لڑے اور وہ مارا گیا۔ ملاح بھاگ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا۔ کہتے ہیں اس عورت سے بعد میں دریافت کیا گیا کہ تو نے اسے کیسے شناخت کیا؟ وہ کہنے لگی اس کی خیرات سے، وہ بادشاہوں کی طرح دیتا تھا اور تاجروں کی طرح اسے پکڑ کر نہ رکھتا تھا۔ اس بات کو بیان کرنے والے راوی کہتے ہیں کہ سفیان بن عدی ازدی عبداللہ بن قیس کے قتل کے بعد اس کے دُشمنوں سے لڑنے کیلئے گیا مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کا پہلا امیر البحر بغیر جنگ کے قتل ہوا اور وہ شخص جسے کسی شخص نے شکست نہیں دی اس کے ساتھی اس کا بدلہ لینے سے اور اس کے دُشمنوں پر کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

قبرص پر مسلمانوں کے غالب آنے اور ان کا جنگی بیڑہ تیار ہو جانے کے بعد جو شام اور افریقہ کے ساحلوں کا دفاع کرتا تھا، رُومیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ مصر اور افریقہ کو واپس نہیں جا سکتے اور نہ ہی شام میں اس وقت تک مسلمانوں پر حملہ کر سکتے ہیں جب تک کہ مسلمانوں کے جنگی بیڑے کو تباہ نہ کر دیں تا کہ پھر انہیں بحری برتری اور سمندر کی موجوں پر مکمل غلبہ ہو جائے اور جب وہ مسلمانوں کے جنگی بیڑے کو بڑھنے دیں گے اور ان کے ملاحوں کی صلاحیت میں اضافہ ہونے دیں گے تو اس برتری کو حاصل کرنا ان کیلئے ہرگز آسان نہ رہے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں سے سمندر میں جنگ کرنے اور ان کے جنگی بیڑے کو تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ وہ اس جنگی بیڑے پر کامیابی حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جہاز مسلمانوں کے جہازوں سے تعداد میں زیادہ تھے اور ان کے ملاحوں کو مسلمانوں کے ملاحوں سے زیادہ مہارت حاصل تھی۔

ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق ۳۴ھ کا ہے۔ اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے رُومی قسطنطین بن ہرقل کے پاس جمع ہوئے۔ اس نے پانچ یا چھ سو جہازوں کی قیادت سنبھالی جن کے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ بحرِ متوسط کی موجوں کو چیرتے ہوئے اسکندریہ کی طرف چلے تا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے جنگی بیڑے سے نبرد آزما ہوں (بعض روایات میں ہے کہ وہ افریقہ کی طرف گئے اور مسلمانوں کے جنگی بیڑے کی قیادت سنبھالنے والا عبداللہ بن سعد والیٔ مصر تھا۔ رُومیوں کے اسکندریہ کی طرف جانے والی روایت زیادہ صحیح ہے) مسلمانوں کو بھی خبر مل گئی کہ رُومی ان سے جنگ

کرنے کیلئے چل پڑے ہیں تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والیٔ مصر نے اسکندریہ اور افریقہ کے جنگی بیڑے کی قیادت سنبھالی دو سو کشتیوں کو تجربہ کار اور بہادر جنگجوؤں سے بھر کر رُومیوں کے راستے میں جو اسکندریہ کی طرف آتا ہے، اسکندریہ سے دُور لنگر انداز کر دیا۔ دونوں جنگی بیڑے غروبِ آفتاب کے قریب آمنے سامنے آ گئے۔ رُومیوں نے اپنے ناقوس بجاتے ہوئے اور مسلمانوں نے نمازیں اور قرآن پڑھتے ہوئے رات بسر کی۔ ہر کوئی اس بات کا منتظر تھا کہ کل کیا ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو ابنِ سرح نے اپنے جنگی بیڑے اور جوانوں کو صفوں کی ترتیب میں کر دیا اور خود اپنی جگہ کھڑے ہو کر رُومیوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ سمندر کی طرف سے اتنی تیز ہوا چلی کہ اس نے مسلمانوں کے جنگی بیڑے کو ساحل سمندر پر لنگر انداز ہونے پر مجبور کر دیا مگر رُومی اس سے بالکل پیچھے نہ ہٹے کیونکہ وہ ہوا ان کے جنگی بیڑے کے موافق تھی۔ جب ہوا ساکن ہو گئی تو ابن سرح نے قسطنطین کو پیغام بھیجا کہ اگر تم چاہو تو ہم اور تم دونوں خشکی پر آ جائیں اس لیے کہ جلدی تمہارا مقابلہ کرنا ہے۔ مگر رُومیوں نے اس پیغام کو قبول نہ کیا کیونکہ اس سے پہلے وہ خشکی پر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا مزہ چکھ چکے تھے پھر اس لیے بھی کہ ان کا بنیادی مقصد دُشمن کا جنگی بیڑہ تباہ کرنا تھا۔ انہوں نے آدمی بھیجے جو یہ پیغام لائے کہ مقابلہ پانی میں ہوگا۔ انہوں نے مقابلہ کے لیے جس میدان کا انتخاب کیا اس میں عبداللہ بن سعد کو کوئی تردّد نہیں ہوا۔ اس کے جہاز اور رُومیوں کے جہاز آگے بڑھے۔ ان میں شدید جنگ ہوئی۔ یہ جنگ اس شدت کی تھی کہ دونوں جنگی بیڑوں کے جہاز ایک دوسرے کے بیڑے میں داخل ہو گئے اور ان پر سوار آدمی تلواروں اور خنجروں کے ساتھ آدمیوں پر حملہ کرتے تھے اور کسی کے دل میں کوئی رحم

نہ تھا۔ دونوں جنگی بیڑوں کے جہازوں کو سمندر کی موجوں نے ساحل پر پھینک دیا۔ مرنے والے اس کی ریت پر گرتے تھے جنہیں پانی ڈھانک لیتا تھا، پھر ان پر سے ہٹ جاتا تھا۔ ان کا خون پانی میں مل گیا تو اس کا رنگ انتہائی سرخ ہو گیا۔ جنگ کے شعلے گرم ہوئے تو مسلمانوں اور رُومیوں کی خوب آزمائش ہوئی۔ دونوں جانب سے اس کثیر تعداد میں آدمی مارے گئے کہ اس زمانے میں اور اس قسم کے معرکوں کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک آدمی جو اس دن وہاں موجود تھا بیان کرتا ہے کہ:

> ''میں نے دیکھا کہ جب ہوا موج کو ساحل کے ساتھ لگاتی تو آدمیوں کے (مردہ) جسموں کا ایک بڑا ٹیلہ سا بن جاتا اور خون پانی پر غالب تھا اور لوگوں نے اس دن ایسے صبر کا مظاہرہ کیا کہ کسی جنگ کے میدان میں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔''

قسطنطین کو کئی زخم لگے جس سے اس کی قوت اور ارادے کمزور پڑ گئے۔

جب اسے اور اس کے آدمیوں کو مسلمانوں کے حالات کا علم ہوا تو اس کے دل پر گہرا اثر پڑا اور اس نے دیکھا کہ کوئی حربہ مسلمانوں کو کمزور نہیں کر سکتا تو اسے یقین ہو گیا کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں ہے تو وہ بچے کھچے جنگی بیڑے اور آدمیوں کے ساتھ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلا اور اس نے تسلیم کر لیا کہ مسلمان بحری جنگ میں برّی جنگ سے کم نہیں ہیں اور یہ کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

عبداللہ بن سعد نے اپنے دُشمن کو پسپا ہوتے دیکھا تو اس کا پیچھا نہیں کیا بلکہ جنگی بیڑے کو اپنی جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔ وہ خود بھی کئی دن تک وہاں رہا یہاں تک کہ لوگوں نے آرام کر لیا پھر وہ اسکندریہ کی بندرگاہ کی طرف واپس آیا تو اس

کے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ اگر رُومی بیڑہ تھک جاتا تو یہ اس کا آخری فیصلہ کر دیتا۔ اس فیصلے نے خواہ یہ ایک حد تک ہی ہوا تھا مسلمانوں کو جوانوں کا زبردست نقصان پہنچایا۔ پھر اس نے دُشمن کو پیٹھ پھیر کر بھاگتے دیکھا تو اسے (یونہی) چھوڑ دیا۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حق تھا کہ اسے معزول کر دیتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا اور ابن سرح ان کا رضائی بھائی تھا اور فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خون معاف کروایا تھا جب آپ نے اس فاسد اور مفسد خون کے گرانے کو مباح قرار دے دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کی زبانیں کھل گئیں اور انہوں نے ناگفتہ بہ باتیں بھی کیں یہاں تک کہ ابن سعد نے حکم دیا کہ محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر جو اس تحریک کے سرکردہ تھے اس کے ساتھ سوار نہ ہوا کریں۔

قسطنطین اپنے جہاز میں سسلی چلا گیا۔ جب وہاں کے لوگوں کو اس کے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا:

> ”تو نے نصرانیت اور اس کے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے، اگر عرب ہمارے ہاں آ جاتے تو انہیں روکنے والا ہمارے پاس کوئی نہ تھا، پھر انہوں نے اسے ایک حمام میں داخل کر کے قتل کر دیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے انہیں قسطنطنیہ واپس آنے کیلئے چھوڑ دیا۔“

مؤرخین اس جنگ کو غزوۂ صواری کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ذہن میں بھی یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے بھی اس کا یہی نام رکھا ہوگا۔ اس لیے کہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسلمان جنگ کیلئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا اور جیسا کہ ابنِ کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے رُومیوں کے قریب ہو کر اپنے جہاز ان کے جہازوں سے باندھ دیے یا شاید انہوں نے اس لیے یہ نام رکھا ہے کہ جس جگہ یہ معرکہ آرائی ہوئی اس کو "ذات الصواری" کہتے تھے۔ اس لیے وہ مؤرخین جنہوں نے اس جنگ کے واقعات کو بیان کیا ہے وہ سب کے سب یہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے جنگ کے بعد کئی دن تک "ذات الصواری" میں قیام کیا پھر کامیاب و کامران ہو کر اسکندریہ واپس آیا۔

"ذات الصواری" میں عبداللہ بن سعد کے قیام نے بعض لوگوں کو اس کی ملامت کرنے پر اُکسایا ہے کہ اس نے قسطنطین کے جنگی بیڑے کا بھاگتے وقت تعاقب نہیں کیا۔ ہمارے پاس ان واقعات کی ایسی تفصیل نہیں ہے جو ہمیں ان ملامت کرنے والوں کے ساتھ ملامت کرنے میں شریک کر دے اور نہ ہی ہمیں ابن سعد کیلئے کوئی عذر تلاش کرنے کیلئے آمادہ کرتی ہے کیونکہ مسلمان جوانوں کی جتنی تعداد ضائع ہوئی اور جتنے زندہ رہے، انہوں نے جو مشقت برداشت کی وہ اسے دُشمن کے خلاف حتمی کامیابی حاصل کرنے کیلئے کافی تھی۔

اور اگر موقع و محل کے مطابق جگہ کا انتخاب کیا جاتا تو مقتول دفن ہو جاتے اور لوگ سکون حاصل کرتے۔ البتہ یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس جنگ کے بعد رُومی سمندر میں مسلمانوں سے نہیں لڑے اور اس کے بعد مسلمان بحرِ متوسط اور بحرِ احمر کے مالک بن گئے اور اپنے ساحلوں سے سطحِ سمندر پر دُشمن کے کسی طرف سے اور کسی جگہ آنے جانے سے بے خوف ہو گئے۔ اس واقعہ کے

بعد رُومیوں نے کبھی افریقہ، مصر یا شام واپس جانے کا نہیں سوچا۔

جب رُومی شام سے جنگ کرنے اور مصر اور افریقہ کو واپس لینے کی کوشش میں مصروف تھے اور مسلمانوں کے جنگی بیڑے کو تباہ کرنے کے اقدامات کر رہے تھے تو مسلمانوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو جاتی تھی اور وہ انہیں ہر جگہ اُلٹے پاؤں واپس لوٹا دیتے تھے اور ان کے جنگی بیڑے کو تباہ کر دیتے تھے۔ ایران کی بعض ریاستیں وقتاً فوقتاً سر اُٹھاتیں تو مسلمان انہیں دوبارہ اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے اور ان سے بھی پَرے سرزمین ایشیاء تک چلے جاتے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر میں آذربائیجان نے مسلمانوں سے کیسے صلح کی اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آذربائیجان نے جس جزیہ پر صلح کی تھی اسے بند کر دیا تو ولید بن عقبہ نے جا کر اسے دوبارہ پہلی صلح کی طرح اپنا مطیع بنا لیا۔ جیسے کہ وہ واقعہ بھی ہمیں معلوم ہے جو آرمینیا میں رونما ہوا کہ کس طرح رُومیوں نے ان کی مدد کی جس کے باعث وہ مسلمانوں سے بھڑ گئے اور مسلمان ان پر غالب آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے تک ایرانی ریاستوں کی خرابی و سرکشی دُرست نہیں ہوئی۔ ان ریاستوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کئی دفعہ خرابی پیدا کی اور جس جزیہ پر انہوں نے مسلمانوں سے صلح کی تھی اسے بند کر دیا تو مسلمانوں نے ازسرِنو ان پر غلبہ حاصل کر کے دوبارہ انہیں اطاعت گزار بنا لیا۔ غزوہ نہاوند کے بعد ہمذان نے مسلمانوں سے اپنے صلح نامے کو توڑ دیا تو نعیم بن مقرن نے وہاں جا کر اس کے گردونواح کے شہروں پر قبضہ کر لیا پھر اس کا بھی محاصرہ کر لیا تو اس کے باسیوں نے صلح کی درخواست کی۔ نعیم نے اس شرط پر ان کی درخواست قبول کی کہ ہمذان مسلمانوں

کی ایک فوج کو یہاں رکھے گا جو اسے مدینہ والوں کے ساتھ ہونے والے عہد کی یاد دلاتی رہے گی اور اس کا ایران سے جزیہ وصول کرے گی۔ اصطخر نے بھی عہد شکنی کی اور ایران میں بھی جہاں تک خرابی پیدا ہوسکتی تھی ہوئی۔ حکم بن العاص وہاں گیا۔ وہاں کا بادشاہ شہرک ہمیشہ تاج پہنے رہتا تھا۔ حکم نے فیصلہ کن معرکہ کے بعد اس پر غلبہ حاصل کیا اور اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور کسریٰ کے اس علاقے کو اس صلح پر مجبور کر دیا جو اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے کی تھی۔ اصطخر کے علاوہ دیگر شہروں اور ریاستوں نے بھی خرابی پیدا کی تو مسلمانوں نے وہاں کے باشندوں کو یہ یقین دلا دیا کہ ان کے مقابلے کا زور ٹوٹ چکا ہے اور جو انقلاب بھی وہ برپا کریں گے وہ ان پر وبال بن کر لوٹ آئے گا۔

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ مصری اور شامی اس بات سے مطمئن ہوں کہ ایرانی ریاستیں وقتاً فوقتاً سر اُٹھاتی رہتی ہیں اور شام اور مصر عربوں کی فتح سے قبل رُومی ریاستیں تھیں جو بازنطینی کے ماتحت تھیں اور یہ قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بڑا اخراج ادا کرتی تھیں۔ جب مسلمانوں نے انہیں فتح کیا تو کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا اور وہاں کے انتظامی معاملات کو وہاں کے لوگوں کے سپرد کر دیا جس سے یہ لوگ عربی حکومت سے مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں سے ٹیکسوں کا بوجھ بھی کم کر دیا اس لیے لوگ ان کی حکومت کو پسند کرنے لگے اور وہ رُومی حکومت سے خوش نہ تھے۔ عرب جنہوں نے ان علاقوں پر غلبہ حاصل کیا تھا رُومیوں کی طرح اجنبی تھے اس لیے کوئی ایسا معقول محرک موجود نہیں تھا جو شامیوں اور مصریوں کو عرب فاتحین کے خلاف انقلاب بپا کرنے پر اُکساتا جبکہ وہ رُومیوں سے زیادہ انصاف پسند اور رحم دل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حکومت لوگوں کے دلوں کو

بھاتی اور خوشگوار لگتی تھی کیونکہ رُومیوں نے ان کو بالکل بے بس کر دیا تھا اور انکے پاس کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے وہ کسی حملہ آور کا مقابلہ یا فاتح کی فتح کا دفاع کر سکتے۔ دوسرا سبب جس نے شامیوں اور عراقیوں کو مطمئن کیا تھا وہ یہ تھا کہ عربوں کے بہت سے قبائل ان علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے غساسنہ اور حیرہ میں لخمیوں کی امارت قائم کر دی تھی اور یہ بات نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کافی صدیوں پہلے تھی۔ اس وجہ سے بہت سے قبائل نہایت سُرعت کے ساتھ آ کر اپنے عرب عم زادوں کے ساتھ مل گئے اور رُوم اور ایران کے ساتھ جنگوں میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ان قبائل نے اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ جب عربوں کو شام اور عراق پر مکمل غلبہ حاصل ہو گیا تو ان دونوں علاقوں میں رہنے والے کثیر عرب نئے دین میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کے رشتے اپنے عم زادوں کے ہاں کیے تو وہ دونوں اُمتِ اسلامیہ واحدہ بن گئے۔ جب رُومیوں نے شام سے جنگ کیلئے واپس آنے کی کوشش کی تو رُومیوں کو نکال باہر کرنے میں یہ عامل سب سے زیادہ قوی الاثر تھا اور اس وقت بھی اسی عامل نے کام کیا جب رُومیوں نے آرمینیا کی مدد کی تا کہ ان کے شہر عراق جانے کیلئے رُومیوں کا راستہ بن جائیں۔

نئی حکومت تک اہلِ عراق کے سکون میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا اس لیے کہ مدائن کسریٰ کا دارالخلافہ تھا جو اس کے ملک میں واقع تھا۔ پس ایرانی فوجیں مدائن اور تمام عراق سے بھاگ کر ایران کے اطراف میں چلی گئیں اور مدائن کو عرب فاتحین اور ان عراقیوں کیلئے جو صدیوں سے یہاں رہ رہے تھے خالی کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں یہ بیان ہو کہ عراق

کی فتح کے بعد وہاں کوئی خرابی پیدا ہوئی ہو۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر عراق میں ہی کوفہ اور بصرہ کے شہر تعمیر ہوئے اور مسلمانوں کی فوجیں بھی وہیں قیام پذیر ہوئیں اور اس فوج کو کوئی ایسی طاقت بھی حاصل نہ تھی جو عراق میں حکومت کے قیام اور امن وامان کی دُرستگی میں اثر انداز ہوتی۔

جو علاقہ فارس کے اطراف سے عراق کے مشرق تک پھیلا ہوا تھا وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں انقلاب کے خیالات باقی تھے اور انہیں یہ کمزور سی اُمید بھی تھی کہ کسریٰ یزدگرد اپنی جلاوطنی کے مقام سے جو تُرک علاقے میں تھا، ان کی طرف واپس آ کر اپنے ملک کو اپنے آباؤ اجداد بنی ساسان کی مجد و بزرگی سے دوبارہ سرفراز کرے گا۔ اس امید کا باعث کوئی دینی عقیدہ نہ تھا جس پر ان کے دل ایمان لائے تھے بلکہ وہ اس کا دفاع کرتے تھے اور اپنی زندگی میں اپنی قیمت چکاتے تھے۔ ہاں اس کا محرک قومی غیرت تھی جسے عربوں نے اپنے قدموں اور گھوڑوں کی ٹاپوں تلے کچل دیا تھا مگر یہ کچلی ہوئی غیرت ان کے دلوں میں اس مقام تک نہ پہنچی تھی کہ وہ اس کی خاطر فنا ہو جائیں نیز اسکی راہ میں فدا ہونے کیلئے جانوں کو قیمت گھٹا کر فروخت کیا گیا تھا۔

بسا اوقات عرب خود بھی ایرانیوں کے دلوں میں اس کمزور سی اُمید کو باقی رکھتے تھے۔ کوفہ اور بصری میں رہنے والے مسلمان شام اور مصر میں رہنے والے مسلمانوں سے الگ طرزِ زندگی بسر کرتے تھے۔ شام میں جن مسلمانوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدد دی اور مصر میں جن مسلمانوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مدد دی تھی ان کی اکثریت مکہ اور مدینہ کے

مہاجرین وانصار کی تھی اور ان میں سے بہت سے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ اور ان کی تعلیمات پر کاربند تھے اور ان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جنگیں لڑ چکے تھے ان لوگوں کے درمیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے کئی سال تک کوئی جھگڑا اور فتنہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وقتاً فوقتاً ان کے حکمرانوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا حکمران بنایا تو وہ وہیں ٹکے رہے یہاں تک وہ بنی اُمیہ کے بادشاہ بن گئے اور انہوں نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور ابن العاص بھی حکمران قائم رہے پھر ابن العاص کے بعد عبداللہ بن سعد بھی مصر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر تک حکمران قائم رہے۔ مگر کوفہ اور بصرہ میں رہنے والے ان قبائلِ عرب سے تعلق رکھتے تھے جو مکہ اور مدینہ سے دُور تھے۔ ان میں سے بہت ہی کم لوگ تھے جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی یا آپ کی باتوں کو سُنا یا آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی تھی۔ اس لیے قبائلی عصبیت ان کے درمیان بہت جوش پر رہتی اور امیرالمومنین کو بہت دفعہ ان کے حکمرانوں کو مجبوراً تبدیل کرنا پڑتا تھا۔ حکمرانوں کے ساتھ ان کے تنازعات اور تنگدلی کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو یہ کہنا پڑا:

> "کوئی ایسی بات بتاؤ کہ میں اس سے لوگوں کو ٹھیک کروں اور ان کو ایک امیر کی جگہ دوسرا امیر بدل دیا کروں۔"

کوفہ اور بصرہ کے رہنے والے قبائل ہمیشہ قریش کے غلبہ سے بیقرار رہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایران کی فتح ان کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی ہے اس لیے قریش کو ان پر تسلط کا کوئی حق نہیں۔ یہ خبریں ایران کی مختلف ریاستوں میں گردش

کرتی رہتی تھیں اور وقتاً فوقتاً انہیں انقلاب اور فساد پر اُکساتی رہتی تھیں۔

ان واقعات کی خبریں یزدگرد کو بھی اس کی جلاوطنی کی جگہ پر پہنچ جاتی تھیں اور اس کے دل میں عربوں سے دشمنی کرنے اور اپنے تخت کو ان کے ہاتھوں سے دوبارہ حاصل کرنے کی امید جھلکنے لگتی تھی اور بہت سی ریاستوں میں اس کے مددگار بھی تھے جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اپنے آباؤ اجداد کے تخت کو واپس لینا اس کا مقدس حق ہے اور جن فاتحین نے ان کی حکومت کو سلب کیا تھا ان کے خلاف انہوں نے بعض کے دلوں میں کینہ پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ یہ اور وہ دونوں مل کر اضطراب، فساد اور لوگوں کو بھڑکانے کیلئے سرگرمِ عمل رہتے تھے۔

یہ عوامل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں متحرک تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا ظہور بڑی شدت سے ہوا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے کہ خلیفہ کسی حکمران کو ان کی وفات کے ایک سال گزرنے سے قبل معزول نہ کرے، مغیرہ بن شعبہ کو ۲۴ھ میں کوفہ کی ولایت پر قائم رکھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو نامزد کیا تو ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی نامزد کیا اور فرمایا:

"اگر خلافت سعد رضی اللہ عنہ کو ملے تو یہ اس کا مستحق ہے وگرنہ جو خلیفہ بنے وہ اس سے مدد لے، میں نے اسے کسی عجز یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ کے ہیرو، مدائن کے فاتح اور کوفہ کے معمار تھے اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

کے بعد کوفہ کی امارت دیں۔ جب سعد رضی اللہ عنہ کوفہ کے حکمران بنے تو لوگوں نے تمام عراق میں آپ کے اچھے کاموں کی وجہ سے آپ کی حکومت کا چرچا کیا۔ اس کے باوجود ایرانی کبیدہ خاطر ہوتے رہے کیونکہ انہوں نے اپنے ملک میں ان کی جنگ کا مزہ نہیں چکھا تھا اس لیے ان کے دل آپ کا نام سننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

بلاذری کہتا تھا:

> ''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حکمران بنایا تو آپ نے العلاء بن وہب کو ماہ اور ہمذان کا حاکم مقرر کیا تو اہلِ ہمذان نے غداری اور عہد شکنی کی آپ نے ان سے جنگ کی، پھر انہوں نے آپ کی حکومت کو تسلیم کر لیا تو آپ نے ان سے ان شرائط پر صلح کی کہ وہ اپنی زمین کا خراج، سروں کا جزیہ اور مسلمانوں کو ایک لاکھ درہم ادا کریں پھر ان کی عزت مال اور اولاد سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔''

ایک ہمذان نے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں خرابی پیدا نہیں کی بلکہ دوسرے شہروں اور دیگر بہت سی ریاستوں نے بھی خرابی پیدا کی۔ رے کو جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نعیم بن مقرن نے فتح کیا تھا بہت فساد ہوتا تھا۔ بلاذری فتوح البلدان میں کہتا ہے:

> ''جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوبارہ کوفہ کے حکمران بنے تو وہ رے میں آئے یہ نمی والی جگہ تھی، آپ نے اسے دُرست کروا دیا اور دیلم سے جنگ کی یہ ۲۵ھ کے شروع کا واقعہ ہے، پھر

آپ واپس آ گئے، مجھ سے بکر بن الہیثم نے بکر بن ضریس قاضی رے کے طریق سے بیان کیا کہ جب سے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رے کو فتح کیا یہ ہمیشہ خرابی پیدا کرتی رہی اور فتح ہوتی رہی یہاں تک کہ آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں مقرر کردہ والی ابوموسیٰ کے زمانے میں اسے قرظہ بن کعب انصاری نے فتح کیا تو یہ دُرست ہوگئی۔"

سعد رضی اللہ عنہ کے اچھے اقدامات ان کے کام نہ آئے اور وہ کوفہ پر ایک یا ڈیڑھ سال حکمران رہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو حکمران بنایا۔ ان کو معزول کرنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ مال لیا۔ اس مال کے نگران عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے قرض کا تقاضا کیا تو سعد رضی اللہ عنہ اس کے ادا نہ کر سکے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے انہیں آسائش تک مہلت دینے کی سفارش کی لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور والیٔ کوفہ سے بیت المال کے مال کو وصول کرنے پر اصرار کیا۔ اس کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "جو مال تم نے لیا ہے اسے ادا کرو۔" تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے خیال میں تجھے نقصان پہنچے گا، کیا تو وہی ابنِ مسعود نہیں جو ہذیل کا غلام تھا۔" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "اور تو ابن حمینہ ہے۔" دونوں کے درمیان نزاع بڑھ گیا۔ حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"قسم بخدا! تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور وہ

تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔“

ابھی اس بات اور اس قسم کی دیگر باتوں نے جو کہی گئی تھیں ان کی حدت کو ٹھنڈا نہیں کیا تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہوئے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ عنقریب عبداللہ پر لعنت نازل ہو گی اور یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ آپ دونوں پر ناراض ہوئے اور انہیں معزول کرنے کا ارادہ کر لیا پھر انہوں نے غور و فکر کیا تو سعد رضی اللہ عنہ کو ملامت کا زیادہ حقدار پایا کیونکہ ان کی عدم ادائیگی نزاع کو یہاں تک لائی تھی، پس سعد رضی اللہ عنہ کا جرم بہت بڑا تھا اس لیے آپ نے انہیں کوفہ سے معزول کر دیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی نگرانی پر قائم رکھا اور سعد رضی اللہ عنہ کا عہدہ ولید بن عقبہ کو دے دیا۔

ولید بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اُموی تھا اور ماں کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ اس پر شراب نوشی کی تہمت تھی لیکن دلیر اور شجاع تھا۔ ہم اس سے قبل اس کے کارناموں کا ذکر کر چکے ہیں۔ جب آذربائیجان نے خرابی پیدا کی تو کیسے وہ اسے اپنی اطاعت پر لے آیا اور آرمینیا میں فسادیوں سے جنگ کرنے والوں کو اس نے کیسے فائدہ پہنچایا۔ پھر وہ بڑا محتاط اور اچھا منتظم تھا اور تمام لوگوں کی تالیفِ قلوب کر کے انہیں عطا و بخشش کے ذریعے قریب کر کے خواص کی خواہشات کے خلاف ان سے مدد لیتا تھا۔ کہتے ہیں:

”ولید نے لوگوں کو بھلائی کے ذریعہ لوگوں سے لڑا دیا، وہ بچوں اور غلاموں کو عطیے تقسیم کرتا تھا۔“

یہ روایت طبری کی ہے۔

طبری کہتا ہے کہ:

"ولید کے زمانے میں لوگ دو گروپوں میں تقسیم تھے، عوام اس کے ساتھ تھے اور خواص اس کے خلاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کا دلی محبوب تھا، وہ کوفہ میں پانچ سال والی رہا، اس کے گھر کا کوئی دروازہ نہ تھا، اس کے باوجود لوگوں کی محبت و تعلق کی وجہ سے کسی کو اس کے خلاف جرأت نہ ہوتی تھی۔"

یہی وجہ ہے کہ کوفہ کی فوج اس کی اُنگلیوں پر ناچتی تھی اور ہر وقت ایرانی ریاستوں کے فساد کو جو اس کے زیرِ نگیں تھیں، ختم کرنے کیلئے تیار رہتی تھی مگر خواص پر اس کی گرفت بڑی سخت تھی جو ان کی سازشوں پر منتج ہوئی اور وہ اس کی تاک میں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ جب انہیں موقع ملا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس کی شراب نوشی کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر اس پر حد قائم کر دی اور اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ سعید بن العاص بن اُمیہ کو حکمران بنا دیا۔ ہم عنقریب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ان اسباب کو تفصیل سے بیان کریں گے جن کی وجہ سے ولید بن عقبہ کو سازشیوں کی سازش کا شکار ہونا پڑا اور کس طرح انہوں نے خلیفہ کو اس پر حد قائم کرنے اور معزول کرنے پر راضی کر لیا۔

سعید بن العاص اُموی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرابت دار تھے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی گود میں پرورش پائی تھی۔ جب مسلمانوں نے شام کو فتح کیا تو یہ وہاں جا کر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اقامت پذیر ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر جنگیں کیں جس کی وجہ سے انہیں ان کی صلاحیت کا پتہ چل گیا۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا علم

ہوا تو آپ نے اسے مدینہ بلا لیا اور عامل مقرر کیا اور اس پر خوب نوازشات کیں۔ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات نہیں ہوئی تھی کہ سعید بن العاص قریش کے چنیدہ لوگوں میں شامل ہو چکے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا والی بنایا تو وہ وہاں گئے اور وہ وہاں کی قبائلی عصبیت سے واقف تھے جس کی وجہ سے انہوں نے اہلِ کوفہ پر نرمی کی بجائے سختی کو ترجیح دی۔ کوفہ پہنچتے ہی سفر کی گرد کو دُور کرنے کے بعد وہ منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم مجھے آپ کی طرف بھیجا گیا ہے حالانکہ میں یہاں آنا پسند نہیں کرتا تھا لیکن مجھے حکم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، سنو! فتنہ اپنی نکیل اور آنکھیں کھول چکا ہے اور خدا کی قسم میں اس کے چہرے کو مار مار کر گدی کے ساتھ ملا دوں گا اور یا وہ مجھے تھکا دے گا اور میں آج سے اپنے نفس کا پیرو ہوں۔"

اس فصل میں تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ سعید نے اہلِ کوفہ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور وہاں کیسی سیاست اختیار کی۔ ہماری گفتگو صرف اس فتح کے بارے میں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ طبرستان کے فساد کو دُور کرنے میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا بڑا اثر تھا۔ طبرستان کے بادشاہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سوید بن مقرن سے طبرستان اور جبل جیلان کے بارے میں اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہاں کے رہنے والے ہر سال جزیہ ادا کیا کریں گے اس کے بعد وہ امن وامان سے رہیں گے۔ ان پر غارت گری نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے علاقے میں کوئی ان کی اجازت کے بغیر داخل ہوگا۔ وہ کئی سال تک کبھی پورا اور کبھی کم جزیہ ادا کرتے رہے۔ ہجرت کے تیسویں سال ایران کے مختلف علاقوں

میں فساد پھیل گیا۔ خراسان، جرجان، طبرستان اور دوسرے علاقوں نے عہد شکنی کی۔ سعید بن العاص کو پتہ چلا کہ والیٔ بصرہ عبداللہ بن عامر خراسان کو مطیع بنانے چلا ہے تو وہ خود قومس، جرجان اور طبرستان کی طرف چل پڑا اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان علاقوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے غلبہ کے خوف سے سوید بن مقرن سے صلح کی تھی۔ اس دفعہ انہوں نے سوچا کہ وہ اس مایوس کی طرح کھڑے ہو جائیں جو غازیوں کو ہٹانا چاہتا ہے جنہوں نے سات یا اس سے زیادہ سالوں سے اپنی حکومت کسریٰ کے ملک میں پھیلائی ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ سعید کو قومس اور جرجان میں کسی جنگ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ اہلِ جرجان نے اس سے دو لاکھ پر صلح کی اور جب اس نے جرجان سے طبرستان کی طرف بحرِ قزوین کے راستے پیدل بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس سے اہلِ طمیسہ نے طبرستان کی سرحدوں پر شدید جنگ کی۔ یہاں تک کہ اس نے نمازِ خوف ادا کی۔ اس سرحد پر مسلسل کچھ وقت تک لڑائی جاری رہی جس سے سعید کو پتہ چلا کہ اہلِ طبرستان اس کیلئے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ جنگی چالوں کے متعلق سوچتا رہا یہاں تک کہ اس نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان پر دباؤ ڈالا اور انہیں بتا دیا کہ اس سے مقابلہ کا کوئی راستہ نہیں۔ انہوں نے مایوس ہو کر امان طلب کی تو اس نے ان کے اس مطالبہ کا جواب دیا کہ وہ ان میں سے کسی آدمی کو ختم نہیں کرے گا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس پر اور اس کی فوج پر ظلم کیا اور مسلمانوں کو اس طرح قتل کیا تھا کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے سعید کیلئے اپنے قلعہ کے دروازے کھول دیئے کہ وہ ان سب پر حملہ کرتے اور ایک آدمی کے سوا سب کو قتل ہوتے دیکھیں۔ مسلمانوں نے جو کچھ قلعے

میں تھا اکٹھا کر لیا پھر وہ طبرستان اور اس کے صحراؤں میں چلے گئے اور کسی نے بھی ان کا مقابلہ نہ کیا۔

جن ایرانی ریاستوں نے بگاڑ پیدا کیا تھا کوفہ کی فوج نے ان کی سرکوبی کیلئے بڑی بہادری دکھائی اور بصرہ کی فوج بھی کوفہ کی فوج سے بہادری میں کم نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے انہیں چھ سال تک وہیں رہنے دیا یعنی ۲۹ھ تک۔ بعض کہتے ہیں کہ تین سال تک برقرار رکھا پھر انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بصرہ کی فوج کے ماتحت رہنے والی ریاستیں ایک وقت تک مطمئن اور پُرامن رہیں، پھر ایران وغیرہ سے وہاں بھی متعدد خرابیاں پھیل گئیں تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اطاعت میں لانے کیلئے آدمی بھیجا۔

مؤرخین اس بات کی تفصیل بیان نہیں کرتے کہ ابوموسیٰ نے کیا کیا یا فسادیوں کو اطاعت کی طرف لانے کیلئے امرائے فوج میں سے کس کو بھیجا؟ شاید روایات کا اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابوموسیٰ کی مدتِ ولایت کے متعلق ہے کہ وہ تین سال تھی یا چھ سال۔ اس بات نے انہیں تفصیل سے بیان کرنے سے روکا ہے۔ طبری کہتا ہے "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ سے معزول کر دیا۔ وہ وہاں پر چھ سال عامل رہے (اور ان کی جگہ) وہاں کا والی عبداللہ بن عامر بن کریز کو بنا دیا...... بعض کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تین سال تک بصرہ میں کام کرتے رہے۔'' وہ حوالہ دے کر کہتا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حکمران بنے تو ابو موسیٰ کو تین سال بصرہ پر برقرار رکھا اور چوتھے سال اسے معزول کر دیا اور خراسان پر عمیرہ بن سعد کو امیر بنایا اور سجستان پر عبداللہ بن عمیر اللیثی کو امیر بنایا تو اس نے اس میں کابل تک خونریزی کی یہاں تک کہ فرغانہ پہنچ گیا۔

پھر وہ ابو موسیٰ کی معزولی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تیسرے سال اہلِ ایذج اور کردوں نے کفر اختیار کر لیا تو ابو موسیٰ نے لوگوں میں منادی کرا کر انہیں ترغیب دی اور سفر کر کے جہاد کرنے کی فضیلت کو بیان کیا یہاں تک کہ ایک جماعت اپنے چوپاؤں پر سوار ہو گئی اور انہوں نے اتفاق کر لیا کہ وہ پاپیادہ نہیں جائیں گے اور دوسرے لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہم جلد بازی سے کام نہیں لیں گے یہاں تک کہ ہم دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتا ہے، اگر اس کا قول اس کے فعل کے مشابہ ہوا تو ہم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح کریں گے، جب نکلنے کا دن آیا تو اس نے اپنے محل سے چالیس خچروں پر اپنا بوجھ نکالا تو لوگ اس کی لگام سے چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ یہ زائد مال ہمیں دے دو اور ہمارے ساتھ پیدل چلو کیونکہ ہم پیدل ہی جانا چاہتے ہیں، بالآخر لوگوں نے عاجز ہو کر اس کے جانور کو چھوڑ دیا، وہ چلا گیا تو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر معافی کے خواستگار ہوئے اور کہنے لگے جو کچھ ہم

جانتے ہیں وہ کہنا چاہتے ہیں، ہمیں اس کے بدلے میں کوئی اور حکمران دو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کسے چاہتے ہو تو غیلان بن خرشہ نے کہا جس غلام نے ہماری زمین کو کھایا ہے اور ہم میں امرِ جاہلیت کو زندہ کیا ہے اس کے بدلے میں کوئی شخص بھی ہمیں منظور ہے...... تو آپ نے عبداللہ بن عامر کو بلا کر بصرہ کا امیر مقرر کر دیا۔''

عبداللہ بن عامر پچیس سال کا نوجوان تھا جو دلیر اور جنگ میں بڑا نڈر تھا۔ جب ابوموسیٰ نے سنا کہ اسے حکمران بنایا گیا ہے تو اس نے اہلِ بصرہ سے کہا:

''تمہارے پاس وہ نوجوان آ رہا ہے جو بہت مہذب اور جنگ میں گھسنے والا ہے، اچھی دادیوں، خالاؤں اور پھوپھیوں والا ہے، اس کے لیے دو فوجیں جمع کی جا رہی ہیں۔''

ابوموسیٰ نے جھوٹ نہیں بولا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کیلئے ابوموسیٰ اور عثمان بن العاص ثقفی کی فوجیں بحرین اور امان سے لا کر اکٹھی کر دیں۔

شروع شروع میں جب عبداللہ بن عامر نے بصرہ کا انتظام سنبھالا تو ایران کی حکومت نے فساد بپا کر دیا۔ اس نے عبید اللہ بن معمر کو انہیں اطاعت پر واپس لانے کیلئے بھیجا تو عبیداللہ انہیں اصطخر پر ملا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا اور تیار ہو گئے اور انہوں نے آستین چڑھا کر خوب جنگ کی اور مسلمانوں کو ان کے مقابل میں شکست ہوئی اور عبیداللہ جس قدر لوگوں کو قتل کر سکتا تھا اس نے کیا۔ جب عبداللہ بن عامر کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے بصرہ کی

فوج کو بچانا چاہا اور لوگوں کو ساتھ لے کر اصطخر کی جانب چل پڑا۔ ایرانی اسے وہاں اسی طرح ملے جیسے عبیداللہ کو ملے تھے اور انہوں نے خم ٹھونک کر جنگ کی مگر ابو عامر بڑا دلیر، جنگی چالوں کا ماہر اور زبان کا دھنی تھا۔ اس لیے ایرانیوں نے لوٹ کر شہر کے قلعوں میں پناہ لی تو عبداللہ نے ان لوگوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے ان پر سنگ باری کی اور وہ مسلسل ان کے حصار کو تنگ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ کمزور ہو گئے تو اس نے انہیں بزورِ طاقت اپنا مطیع بنایا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور وہاں کے اکثر اشراف کو تہ تیغ کر دیا اور ایران کے عجمیوں کو بھی جنہوں نے وہاں پناہ لی تھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جب اصطخر کا علاقہ مطیع ہو گیا تو عبداللہ نے ایران کی حکومت کے دوسرے شہروں کی طرف پیش قدمی کی۔ بعض نے بے فائدہ طور پر اس کا مقابلہ کیا اور بعض نے بغیر مقابلہ کے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ نے ان انقلابیوں اور فسادیوں کے معاملہ میں بڑی سختی سے کام لیا جس سے تمام ایرانیوں کے سر خم ہو گئے۔

اصطخر کے مقدس شہر اور ایران کے قدیم دارالخلافے سے عبداللہ بن عامر نے اپنی فوج کے سرداروں کو خراسان کی ریاست کی طرف بھیجا جس نے خرابی پیدا کی تھی کہ اسے شکست دے کر اطاعت گزار بنایا جائے اور وہاں کے لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ان کا فساد انہیں ذلیل اور تباہ کر دے گا۔

اسی اثناء میں جبکہ یہ لوگ خراسان جا رہے تھے سعید بن العاص جرجان، طبرستان اور اس کے گرد و نواح میں جنگ کر رہا تھا اور ان کو ان کی عہد شکنی اور بغاوت کی سزا ذلت اور رُسوائی اور دُگنے جزیہ کی صورت میں دے رہا تھا۔

۳۰ھ میں ایران کی ریاستوں میں بڑا فساد پیدا ہوا اور اس کا سبب یہ تھا

کہ کسریٰ یزدگرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سمرقند میں خاقانِ تُرکی کے پاس بھاگ گیا۔ جب احنف بن قیس نے خراسان کے علاقے کو فتح کیا اور تُرکی کی حدود تک پہنچ گیا تو خاقانِ تُرکی کو خدشہ پیدا ہوا کہ مسلمان اس کے ملک میں نہ گھس آئیں اور اس سے اس کی حکومت نہ چھین لیں اور اس کے ساتھ بھی یزدگرد والا سلوک نہ کریں تو اس نے اپنی فوج کو اکٹھا کیا اور اہلِ فرغانہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کر دیا اور ان کو اور یزدگرد کو ساتھ لے کر خراسان میں مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے چل پڑا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو احنف بن قیس کے کارنامے اور بلخ میں پہنچنے کی اطلاع ملی تو آپ نے بے حد متعجب ہو کر بلند آواز سے فرمایا:

"احنف مشرق کا سردار ہے۔"

پھر اسی وقت آپ نے اسے حکم بھیجا کہ وہ خراسان سے تُرکی کے علاقے میں داخل نہ ہو۔ جب خاقان اور یزدگرد آئے اور خراسان میں داخل ہوئے تو احنف بن قیس مروالروز کی طرف سے سمٹ گیا اور تُرکوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ ان سے لڑنا نہیں چاہتا اور نہ ایران کے علاقے سے گزر کر ان کے علاقے میں جانا چاہتا ہے۔ جب خاقان کو یہ بات پتہ چل گئی تو وہ اپنے ملک واپس لوٹ گیا اور یزدگرد ایک ایرانی فوج کے ساتھ مروشاہجان میں پہنچ گیا اور اس نے وہاں مسلمانوں کی فوج کے امیر حارثہ بن نعمان کو گھیر لیا اور اس کا خزانہ نکال لیا۔ اس خزانے میں اس قدر دولت تھی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ خاقانِ تُرکی اپنے ملک واپس چلا گیا ہے تو اس نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا یا یہ کہ وہ اس کے ساتھ اس کے خزانے کو اُٹھا کر تُرکی کے دارالخلافہ میں لے جائے۔ ایرانیوں نے اس کا خزانہ اُٹھا کر اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ

عربوں کے ساتھ صلح کر لے تا کہ وہ ان کے درمیان رہ سکے۔ جب اس نے ان کی بات نہ مانی اور خزانے کو لے کر بھاگنے پر اصرار کیا تو انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس سے جنگ شروع کر دی اور خزانے کو قبضہ میں لے لیا تو وہ اور اس کے ساتھی فرغانہ کی طرف بھاگ گئے جو سمرقند کا دارالخلافہ ہے۔

اس نے خاقان کی پناہ لے کر وہاں اقامت اختیار کر لی۔ اس کے دل میں یہ ہلکی سی اُمید باقی تھی کہ وہ کسی دن اپنے تخت کی طرف لوٹے گا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس کی یہ اُمید روشن ہو گئی اور اسے خیال پیدا ہوا کہ ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا یہ موقع بڑا غنیمت ہے۔ اس نے مختلف ریاستوں میں اپنے آدمیوں سے خط و کتابت کی تا کہ لوگوں کو انقلاب اور فساد کی ترغیب دے سکے۔ جب سے مسلمانوں نے ان کی قوت کو توڑا تھا، ریاستی لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ مسلمانوں کا خوف چھایا رہتا تھا۔ پھر وہ مسلمانوں کے عدل و انصاف اور چشم پوشی کو بھی دیکھتے تھے جس کی وجہ سے ان ریاستوں میں سے کم ہی کوئی کسریٰ کے پروپیگنڈہ کو سن کر نئی حکومت میں فساد پیدا کرتا تھا۔ اس کے عہد کی ابتداء میں جو فساد رونما ہوا مسلمانوں نے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا قلع قمع کر دیا جس کی وجہ سے تمام ایران اپنے زخم چاٹتے ہوئے خاموش ہو گیا اور ایک لمبے عرصے کے بعد یزدگرد بھی اپنے برے انجام کو پہنچ گیا۔ یاد رہے کہ کوفہ اور بصرہ میں مسلمان اپنے والیوں کے خلاف جو غیرت کھاتے رہتے تھے اس سے سرزمینِ ایران کی مشرقی ریاستوں پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اور یزدگرد کے عاملوں کو بھی اس کا پتہ چل گیا تھا۔ انہوں نے یزدگرد کو خط لکھے اور مختلف ریاستوں میں مشہور کر دیا کہ کسریٰ اپنی حکومت واپس لینے کیلئے آ رہا ہے اور تمام اہل ملک کو

دعوت دی کہ وہ متحد ہو کر اپنے عظیم حکمران کی مدد کریں تا کہ وہ اپنے تخت کو واپس لے اور ملک کی کھوئی ہوئی ساکھ اور عظمت کو بحال کرے۔ یہ پروپیگنڈہ کامیاب رہا اور یزدگرد اپنی پناہ گاہ فرغانہ سے خراسان کی طرف واپس آیا۔ اس بات نے ہر ایرانی کو حوصلہ دیا اور اس کی بہادری اور غرور کو اُبھارا۔ اس طرح تمام مشرقی ریاستوں نے فساد بپا کر دیا اور وہ مسلمانوں کو اپنے علاقے سے جلاوطن کرنے کیلئے چل پڑیں۔

سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر کو کوفہ اور بصرہ میں یہ خبریں مسلسل ملیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ اگر یہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو تمام ایران میں مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے اور مدینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین ان کے گرد ہو جائیں گے اور انہیں خلافت سے ہٹا دیں گے اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جاتے رہے تو سعید اور ابن عامر اور دیگر تمام اُموی ہٹا دیئے جائیں گے اور یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہوگی۔ اس لیے دونوں بنفسِ نفیس اپنی فوج کے سرداروں کو ساتھ لے کر چل پڑے اور انہیں دین اور جہادِ فی سبیل اللہ کی ترغیب دینے لگے۔ میرے خیال میں وہ اس جہاد میں عصبیت کے دفاع اور اپنی ذاتی حکومت کے دفاع کو بھی نہیں بھولے جو اس عصبیت کے ساتھ منسلک تھی۔

مسلمانوں اور ایرانیوں کا کئی دفعہ مقابلہ ہوا اور فریقین کے درمیان جنگ ہوئی۔ بعض مواقع پر تو اس گھمسان کی جنگ ہوئی کہ جس نے بڑے بڑے غزوات کی یاد کو تازہ کر دیا۔ ان جنگوں میں کئی دفعہ ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب بھی ہوئے۔ اصطخر میں ایرانیوں کے مقابلہ میں عبیداللہ نے شکست کھائی اور جو مسلمان اس کی سرکردگی میں لڑ رہے تھے ان کی اور اپنی شکست کی قیمت میں

اپنی زندگی کو قربان کر دیا۔ عبداللہ بن عامر نے اسود بن کلثوم عدوی کو بیق کی طرف بھیجا جو نیشا پور کے مضافات میں ہے۔ وہ شہر میں ایک سوراخ کے ذریعے داخل ہو گیا جو اس کی فصیلوں میں تھا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی اندر داخل ہو گئی۔ دُشمن نے اس سوراخ میں سے اس کی نگرانی کی۔ وہ دُشمنوں سے لڑ پڑا یہاں تک کہ وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے۔

یاد رہے کہ ایرانیوں کو بہت کم کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عامر جب کوئی بات سنتا تو وہ خود خفیہ طور پر وہاں جاتا یا اپنی فوج کے کسی ذمہ دار کو بھیجتا جو دُشمن کو اُلٹے پاؤں واپس لوٹا دیتا اور مسلمانوں کی فتح کا علم بلند کر دیتا۔ ابنِ معمر کے قتل کے بعد عبداللہ اصطخر کی طرف گیا اور اسے فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ ادہم بن کلثوم نے اس فتح کو مکمل کر دیا جو اس کے بھائی اسود نے شروع کی تھی۔ اس نے بیق کو فتح کر لیا۔ ابنِ عامر خراسان کے علاقے میں گیا اور اپنے سرداروں کو اس کے مختلف اطراف میں بھیجا اور وہاں اس قدر خوف و ہراس پیدا کیا جس کے سامنے یزدگرد کا تمام پروپیگنڈہ گرد ہو کر رہ گیا۔ اس نے شہروں پر جو ایرانی اُمراء مقرر کیے تھے وہ صلح کے لیے دوڑے آتے تھے اور اس کی خدمت میں بے شمار اموال اور قیدیوں کے عطیات پیش کرتے تھے۔

بلاذری نے بعض چیزوں کا ذکر کیا ہے جن پر مختلف ایرانی ریاستوں اور شہروں کے لوگوں نے صلح کی۔ ان کی تعداد کئی ملین تک پہنچتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عرب انہیں کیسے گنتے تھے یا تولتے تھے؟ مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے جو شہروں اور ریاستوں پر واجب قرار دیا اس کی تفصیل بیان کروں۔ کیونکہ یہ تفصیل کافی طویل ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ قارئین کیلئے یہی کافی ہے

کہ ان کے سامنے یہ صورت واضح ہو جائے کہ مسلمان ایرانی حددو سے اقصائے مشرق تک چلے گئے اور ہر خرابی پیدا کرنے والے کو اطاعت پر واپس لے آئے اور ان علاقوں کو بھی فتح کیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی فتح نہ ہوئے تھے۔ وہ افغانستان میں بھی آئے یہاں تک کہ حدودِ ہند کے قریب پہنچ گئے۔ اس بارے میں روایات کا اختلاف ہے کہ آیا انہوں نے افغانستان اور اس کے دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور یہیں ٹھہر گئے تھے یا انہیں واپس کر دیا گیا تھا یا انہوں نے انہیں فتح کیا تھا اور یہ پھر اطاعت سے باغی ہو گئے تھے اور وہ عہدِ خلافت میں اطاعت کی طرف واپس نہیں آئے؟ مشہور روایت یہ ہے کہ انہیں افغانی پہاڑوں میں بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا جس کے باعث وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان علاقوں میں مسلسل جنگ نہیں کر سکے۔

روایت ہے کہ جب عبداللہ بن عامر نے یہ فتوحات مکمل کر لیں تو لوگوں نے اسے کہا کہ جس قدر فتوحات آپ کو حاصل ہوئی ہیں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئیں۔ فارس، کرمان، سجستان اور خراسان کو آپ نے فتح کیا ہے تو اس نے جواب دیا بلاشبہ میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور میں اس جگہ سے احرام باندھ کر نکلوں گا۔ میں نیشاپور سے عمرہ کا احرام باندھوں گا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور خراسان پر قیس بن الہیثم کو اپنا نائب مقرر کر آیا۔

اس اثناء میں جبکہ سرزمینِ ایران کے مختلف اطراف میں مسلمانوں کی فتح کے جھنڈے لہرا رہے تھے یزدگرد ایک ریاست سے دوسری ریاست میں بھاگتا پھر رہا تھا یہاں تک کہ وہ بھاگتے ہوئے ایک آدمی کے مکان میں قتل ہو گیا جو دریائے مرغاب کے کنارے زمین کھود رہا تھا۔ یزدگرد کے قتل کے بارے میں بہت سی

روایات ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مکمل ہو گیا تھا یا کرمان، بجستان اور خراسان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوئے تھے۔ میں نے اپنی کتاب الفاروق میں جس بات کو ترجیح دی ہے یہاں بھی اسے ترجیح دیتے ہیں کہ تمام ایران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے عہد شکنی اور بغاوت کی اور یزدگرد نے اس بغاوت کو غنیمت جانا اور اپنی پناہ گاہ خاقانِ تُرکی سے نکل کر ایران آ گیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کس سال واپس آیا لیکن اس نے واپسی کے بعد جلد ہی عربوں سے لڑنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے گرد وہ فوج جمع کر لی تھی جو اس کے ساتھ دُشمن سے لڑتی تھی۔ مگر یہ اس کے کسی کام نہ آئی اور وہ کرمان سے بجستان اور وہاں سے خراسان بھاگ گیا اور وہیں دریائے مرغاب کے کنارے مر گیا۔

روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مسلمانوں کے آگے بھاگتا ہوا ختم نہیں ہوا بلکہ ایرانی بادشاہوں اور ان کے عجمیوں سے اپنے اختلافات کی وجہ سے قتل ہوا تھا۔ بلاذری فتوح البلدان میں کہتا ہے:

> ''ایک دن یزدگرد کرمان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا ایک سردار اس کے پاس آیا مگر اس نے اس سے غرور کی وجہ سے بات نہ کی۔ اس نے اس کی ٹانگ کھینچنے کا حکم دیا اور کہا تو تو ملک کی بجائے ایک بستی کی حکمرانی کا بھی اہل نہیں، اگر اللہ تعالیٰ تجھ میں کوئی بھلائی پاتا تو تیرا یہ حال نہ کرتا۔''

پھر وہ بجستان چلا گیا تو وہاں کے بادشاہ نے اس کی بہت عزت کی۔ جب چند یوم گزرے تو اس نے اس سے خراج کا مطالبہ کیا تو وہ اس سے بگڑ گیا۔

جب یزدگرد نے یہ صورتحال دیکھی تو خراسان کی طرف چلا گیا۔ جب وہ مرو کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کا سردار ماہویہ اس کی تعظیم وتکریم کرتا ہوا اس سے ملا اور اس کا سردار نیزک اس کے پاس آیا تو وہ اسے سوار کرا کے لے گیا اور اسے خلعت عطا کی اور اس کی عزت کی۔ نیزک اس کے پاس ایک ماہ تک قیام پذیر رہا پھر چلا گیا اور اسے لکھا کہ اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دو جس سے یزدگرد کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اسے لکھو کہ:

> ''تو میرے غلاموں میں سے ایک غلام ہے، تجھے کس طرح مجھے پیغامِ نکاح بھجوانے کی جرأت ہوئی ہے اور مرو کے سردار ماہویہ کو اس کا محاسبہ کرنے کا حکم دیا اور اموال کے متعلق بھی اس سے دریافت کیا، ماہویہ نے اسے اشتعال دلاتے ہوئے لکھا یہ شخص شکست خوردہ اور جلاوطن ہو کر آیا تھا تو نے اس پر احسان کیا تا کہ تو اسے حکومت واپس دلا دے، اس نے جو کچھ تجھے لکھا ہے، لکھا ہے پھر دونوں اس کے قتل کے متعلق ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے اور نیزک ترکوں میں آیا اور تکیوں میں اُترا تو وہ اس سے لڑ پڑے، وہ بھی ترکوں سے لڑا، پھر اس کا قافیہ تنگ ہو گیا تو اس کے ساتھی قتل ہو گئے اور اس کی فوج کو لوٹ لیا گیا، پھر وہ مرو شہر کی طرف آیا مگر اس کے دروازے اس کیلئے نہ کھولے گئے تو وہ اپنی سواری سے اُتر کر پیدل چل پڑا یہاں تک کہ مرغاب کے کنارے ایک آٹا پیسنے والے کے گھر میں داخل ہو گیا۔''

اس کے بعد بلاذری آٹا پیسنے والے کے گھر میں اس کے قتل کے واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ طبری نے نیزک اور یزدگرد کے واقعہ کو ایک اور طرح سے بیان کیا ہے جیسا کہ اس نے دیگر واقعات بھی لکھے ہیں جو سارے کے سارے اس آٹا پیسنے والے کے گھر میں یزدگرد کے قتل پر ختم ہوتے ہیں۔ طبری نے نیزک کا جو واقعہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یزدگرد معرکۂ نہاوند کے بعد بھاگ کر اصبہان چلا گیا، ان دنوں وہاں مطیار نام کا سردار تھا جو اہلِ اصبہان کے ہاں بڑی وجاہت کا مالک تھا کیونکہ اس نے عربوں سے جنگ کی تھی اور اس سے نقصان اُٹھایا تھا۔ ایک دن مطیار نے یزدگرد کے پاس جانا چاہا تو اس کے دربان نے اسے روکا۔ اسے یہ بات ناگوار گزری تو اس نے دربان پر حملہ کر کے اس کے سر پر چوٹ لگائی اور اسے لہولہان کر دیا، دربان یزدگرد کے پاس گیا، یزدگرد کو اس کی حالت نے خوفزدہ کر دیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ مصیبت کس وجہ سے نازل ہوئی ہے تو اس نے سمجھ لیا کہ اصبہان میں اس کا کوئی مقام نہیں تو وہ وہاں سے سجستان چلا گیا پھر ایک ہزار عجمیوں کے ساتھ سجستان سے مرو چلا گیا اور ماہویہ مرو کا سردار تھا، یزدگرد نے کسی وجہ سے چاہا کہ سرداروں کو اس سے برگشتہ کر کے اس کے بھتیجے سنجان کے حق میں کر دے تو ماہویہ نے اس کے قتل کا پروگرام بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے رئیس نیزک کی طرف لکھا کہ وہ باہم مل کر یزدگرد کو پکڑیں اور قتل کر دیں اور اس پر عربوں سے مصالحت کریں، نیزک نے یزدگرد کو لکھا کہ وہ اس کی مدد کو آ رہا ہے، یزدگرد کو لوگوں نے دھوکہ دیا اور وہ نیزک کو بڑے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ بغیر کسی فوج اور اسلحہ کے ملا، جب نیزک اپنی فوج کے وسط میں آیا تو اس نے یزدگرد کو اس کی

بیٹی کے نکاح کا پیغام دیا اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ مل کر اس کے دشمن سے لڑے گا، یزدگرد کو اس بات پر غصہ آیا اور اس نے نیزک کو گالی دی تو نیزک نے اسے اپنے گھوڑے پر رکھ لیا یہاں تک کہ دریائے مرغاب کے کنارے آٹا پیسنے والے کے گھر پہنچا اور وہاں اسے قتل کر دیا۔

اور طبری ابن اسحٰق کی دوسری روایت بیان کرتا ہے کہ یزدگرد کرمان سے مرو کی طرف بھاگا، وہاں کے رئیس نے اس سے مال طلب کیا تو اس نے مال نہ دیا۔ اہل مرو کو یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ یزدگرد اپنی فوج کے ساتھ ان پر حملہ نہ کر دے۔ انہوں نے یزدگرد کے خلاف ترکوں سے مدد طلب کی اور شب خون مار کر اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور یزدگرد دریائے مرغاب کے کنارے آٹا پیسنے والے کے گھر کی طرف بھاگ گیا اور وہیں قتل ہوا۔

یزدگرد کے قتل کے بارے میں روایات کا اختلاف اس کے فرار کے بارے میں ہے۔ ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم ان روایات کی تفصیل کو طبری اور دیگر مؤلفین کی طرح طول دے کر بیان کریں۔ ہمارے لیے یہ اشارہ کر دینا ہی کافی ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ آٹا پیسنے والے نے یزدگرد پر ایک جبّہ دیکھا اور جب وہ سو گیا تو اسے قتل کر دیا یا یہ کہ اس نے اس کے سامنے کھانا پیش کیا تو اس نے کھانا کھایا پھر اس نے اسے شراب دی جس سے اسے نشہ ہو گیا۔ جب شام ہوئی تو اس نے اس سے شراب لی اور اپنا تاج اپنے سر پر رکھا تو آٹا پیسنے والے نے اسے پہچان لیا۔ اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا تو اس نے اسے قتل کر دیا اور اس کے جواہرات اور کپڑوں کو قبضہ میں کر لیا اور اسے دریا میں پھینک دیا۔ ماہویہ کو پتہ چلا تو اس نے آٹا پیسنے والے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیا اور کسریٰ

کا تاج، جواہرات اور لباس اپنے قبضہ میں لے لیے۔ بعض کا بیان ہے کہ آٹا پیسنے والے نے ماہویہ کو اطلاع دی کہ یزدگرد اس کے ہاں موجود ہے تو ماہویہ نے اپنی فوج بھیجی جس نے جا کر یزدگرد کو قتل کر دیا یا یہ کہ وہ یزدگرد کی طرف گئے تو انہوں نے اسے دریا میں دیکھا اور اسے وہاں سے باہر نکالا۔ اس نے انہیں کہا مجھے چھوڑ دو میں عربوں سے صلح کرتا ہوں۔ انہوں نے اس کی بات نہ مانی اور اسے قتل کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ عربوں نے اس سے انتقام لیا اور اس کے جسم کو ایک تابوت میں رکھا اور اسے اُٹھا کر اصطخر لے گئے جہاں اسے دفن کر دیا گیا۔ ان میں سے خواہ کوئی بھی روایت صحیح ہو مگر سب اس بات پر متفق ہیں کہ یزدگرد اپنے فرار کے بعد آٹا پیسنے والے کے گھر قتل ہوا اور اس کے قتل سے اکاسرہ کی حکومت بنی ساسان سے ختم ہوگئی۔

یزدگرد کا کوئی بیٹا نہ تھا جس کے گرد فوج جمع ہو جاتی یا یہ منادی کرتے کہ وہ اس کے تخت کا قانونی وارث ہے۔ کسریٰ چوبیس سال تک تخت نشین رہا مگر اس نے سوائے پہلے چار سالوں کے کوئی سکون نہ پایا۔ پھر اس کے بعد مسلسل بیس سال تک وہ عربوں کے آگے آگے بھاگتا رہا جو اسے ایک ریاست سے دوسری ریاست تک بھگاتے رہتے اور اسے اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور کرتے رہے۔ وہ تُرکوں اور چینیوں سے مدد مانگتا رہا مگر وہ اسے اس وقت ڈانٹتے جب تُرکوں کو یہ ڈر ہوتا کہ عرب کہیں ان کے ملک میں ہی نہ آ دھمکیں۔ کہاں اس کی یہ شان اور کہاں یہ موت۔ اس کی قتل سے یہ بات زیادہ لائقِ سزاوار تھی کہ ہر ایرانی کے دل سے بادشاہ کی ہیبت کو دُور کر دیا جائے اور جب مسلمان اس کی حکومت کو باقی رہنے دیتے تو ریاستوں کے امراء میں سے ہر کوئی اس بات کی خواہش کرتا کہ اس کی

حکومت ایسی ہو جیسی اسے کسریٰ کے عہد میں حاصل تھی، یوں عوامی حکومت کے معاملات میں عربوں کا بول بالا ہوتا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ یزدگرد نے اپنے قتل سے تھوڑی دیر قبل بیرو کی بیوی سے اتصال کیا اور اس کے مرنے نے بعد اس کے ایک بچے کو جنم دیا جس کے دانت نہیں تھے۔ لوگ اسے ناقص الخلقت کہتے تھے۔ اس ناقص الخلقت کے ہاں خراسان میں اولاد پیدا ہوئی۔ ان میں دو لڑکیاں بھی تھیں۔ ان دونوں کو یا ان میں سے ایک کو حجاج بن یوسف نے ولید بن عبدالملک کے پاس بھیجا تھا اور یزید بن ولید جو ناقص الخلقت تھا وہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کی نسل سے تھا۔ یہ طبعی بات ہے کہ اس ناقص الخلقت یا اس کے بیٹے کا ایرانیوں میں سے کوئی مددگار نہ ہوا جو لوگوں کو اس پر متفق کرتا۔

یزدگرد کے قتل کے بعد ملک کے تمام اطراف میں ایرانیوں کی تمام کارروائیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ ان میں سے جنہوں نے ابھی تک صلح نہیں کی تھی انہوں نے بھی صلح کر لی۔ اس مصالحت سے بلخ کی ایک تُرکی جماعت الگ رہی۔ یہ لوگ ریاست باب کے پڑوس میں رہتے تھے جو اقصائے شمال مغرب میں ہے، جو سرزمینِ ایران میں بحرِ خزر کے ساحلی علاقے میں سے ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ علاقہ ایران کے ان اکثریتی علاقوں میں سے ہے جو فاتحین کیلئے بڑے دُشوار اور پُرجوش تھے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے جس کے راستے بڑے کٹھن ہیں اور وہاں کے رہنے والے جنگجو اور فساد کے رسیا ہیں اور وہ خوشی سے اطاعت قبول کرنے والے نہیں خواہ عربوں نے انہیں چار جانب سے گھیر رکھا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ جب ان کے علاقے میں پہنچا تو اس نے ان پر حملہ کرنا چاہا مگر انہوں نے

اس کی مزاحمت کی اسے قتل کر دیا اور اس کی سرکردگی میں آنے والی مسلمانوں کی فوج کو شکست دے دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اس بات کا دوسری ریاستوں پر بھی اثر پڑے گا تو آپ نے ارادہ کیا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کا بدلہ لیں۔ آپ نے کوفہ کے امیر سعید بن العاص اور امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ ان مسلمانوں کی مدد کریں جو شکست کے بعد باب کے مقام پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے حبیب بن مسلم فہری اور سعید بن العاص کے حکم سے سلمان بن ربیعہ باہلی اس جگہ گئے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جانے کا حکم دیا تھا۔ مسلمانوں کو وہاں فتح نصیب ہوئی اور انہوں نے بلنجر کے درہ پر زبردستی قبضہ کر لیا لیکن اس کے بعد کوفیوں اور شامیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ پہلا اختلاف تھا جو مسلمانوں کی فوج میں رونما ہوا۔ طبری اس اختلاف کی یہ وجہ بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں نے حبیب پر امیر بننا چاہا مگر وہ نہ مانا اور شامیوں سے کہنے لگا کہ ہم نے سلمان کو مارنے کا فیصلہ کیا ہے اور کوفی کہنے لگے اگر یہ بات ہوئی تو ہم حبیب کو مار دیں گے اور دونوں دستوں میں خوب لڑائی ہو گی اس بارے میں کوفی شاعر اوس بن معزاء کہتا ہے:

"اگر تم سلمان کو مارو گے تو ہم تمہارے حبیب کو ماریں گے اور اگر تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جاؤ گے تو ہم بھی جائیں گے اور اگر تم انصاف سے کام لو تو سرحد ہمارے امیر کی ہے اور یہ امیر فوجوں کا سامنا کرنے والا ہے، ہم سرحد کے والی ہیں اور اس کے ان دنوں سے محافظ ہیں جب ہم ہر سرحد پر تیراندازی کرتے اور اس کا دفاع کرتے تھے۔"

بلاذری اختلاف کی وجہ بیان کرتا ہے کہ جب شامی اپنے دشمنوں سے نپٹ کر فارغ ہوئے تو سلمان اپنی فوج کے ساتھ میدانِ کارزار میں پہنچا۔ کوفیوں نے شامیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں غنیمت میں شریک کریں مگر وہ نہ مانے تو حبیب اور سلمان نے ایک دوسرے کو سخت سُست کہا اور بعض شامیوں نے سلمان کو قتل کی دھمکی دی تو کوفی شاعر نے وہ اشعار پڑھے جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

جس طرح افریقہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر تک وہاں کوئی قابلِ ذکر مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ بعض لوگ اس کو ایک عجیب بات خیال کرتے ہیں۔

لیکن جب ہم آگے چل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے متعلق گفتگو کریں گے اور آپ کے عہد میں لوگوں کے نقطہ ہائے نظر اور اس سے جو حالات پیدا ہوئے اور جو انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوئے، کو پیش کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اختلاف کا کیڑا اس نئی حکومت میں بڑی آہستگی کے ساتھ چل رہا تھا یہاں تک کہ اس نے اس کے وجود کو خطرے سے ڈرا دیا تھا اس لیے اس کی موجودگی میں ایرانی کیسے ذلت پر راضی رہتے اور رُومی کیوں پیچھے ہٹتے، انہوں نے اس فرصت سے کیوں فائدہ نہ اُٹھایا اور وہ کیوں اپنا بدلہ لینے اور کھوئی ہوئی حکومت کو واپس لینے کیلئے نہ اُٹھے؟

اس سوال کا جواب مشکل نہیں ہے ایران اور رُوم میں اجتماعی اور سیاسی نظام قدامت اور کھوکھلے پن کی حد کو پہنچ چکا تھا جس نے لوگوں کو اپنی خاطر جوش میں آنے اور دفاع کرنے سے روک دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے ساتھ جنگ کو جاتے وقت فوج کے کسی دستے میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس کا دفاع

کرے یا اس کی مضبوطی میں اضافہ کی خواہش کرے یا کسی اعلیٰ خلقِ انسانی کا نمونہ پیش کرے جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں بلکہ یہ لوگ حاکم سرداروں کے حکم کو مانتے ہوئے جاتے تھے اور محض حاکم کی اطاعت کم ہی انہیں قربانی دینے پر آمادہ کرتی تھی خواہ وہ قربانی کتنی ہی چھوٹی ہوتی حالانکہ سپاہی میدانِ جنگ میں اپنی جان دینے کیلئے ہی جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رُومی اور ایرانی قائدینِ فوج کے سامنے کوئی جرأت مند کارنامہ پیش نہیں کرتے تھے اور خود فوج واپسی کو بڑی غنیمت اور پسندیدہ بات خیال کرتی تھی۔

مگر مسلمان ہمیشہ نئے دین کی جلالت اور اس عظیم دعوت سے وابستہ رہتے تھے جو اُخوتِ انسانی تک لے جاتی ہے اور اس کی مضبوطی کیلئے اعلیٰ نمونے پیش کرتے تھے۔ یہ دُرست ہے کہ جب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تھے اس وقت سے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں اختلاف کا کیڑا رینگ رہا تھا لیکن اس کی رفتار بہت کم تھی اور لوگوں پر اس کا اثر نمایاں نہ تھا اور نہ ہی وہ انہیں فساد پر آمادہ کرتا تھا اور اسی طرح یہ بھی دُرست ہے کہ مختلف قبائل کے عرب قریش کی حکومت اور ان کے تسلط سے برا مناتے تھے اور اسی تسلط کے متعلق وقتاً فوقتاً تنگ دلی کا اظہار بھی کرتے تھے مگر مقابلہ اور تنگ دلی ہمیشہ اندرونِ خانہ ہی رہی۔ انفرادی طور پر ان کے متعلق گفتگو ہوتی مگر یہ دونوں باتیں جماعتی تحریک تک نہ پہنچتیں اور نہ ہی اس مقابلہ بازی نے انہیں اس حال تک پہنچایا کہ وہ عربوں کے اس ایمان پر چھا جائیں جو انہیں بلند قدر رسالت پر حاصل ہے اور دُنیا بھر میں جس کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری قضاء و قدر نے ان کے کندھوں پہ ڈالی ہے۔ اس لیے ان خفیہ تحریکوں کا جو انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کیلئے راہ ہموار کر رہی تھیں،

فتوحات کو روکنے اور اس قوت کو کمزور کرنے میں جو نئے دین اور جدید نظام میں مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کی تھی کوئی اثر نہیں پڑا اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اگر یہ عوامل نہ ہوتے تو مسلمان جہاں تک پہنچے تھے اس سے آگے جاتے اور جو فتوحات انہوں نے حاصل کی تھیں اس سے زیادہ فتوحات حاصل کرتے۔

اور یہ ایک طبعی تفسیر ہے۔ عربوں نے اس نئے دین کی سخت مخالفت کی تھی اور ان کی مخالفت پر وہ عرب غالب آ گئے جو اس دین پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے اس کے اندر وہ عظیم الشان دعوت دیکھی جو انتہائی بلند اصولوں تک لے جاتی ہے۔ جب وہ رُومیوں اور ایرانیوں سے نبرد آزما ہوئے تو کامیابی نے اس دین پر ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور عربوں کے دلوں میں کوئی شک باقی نہ رہا کہ وہ اس دین سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہی سربلند ہوئے ہیں اور اس دین نے ہی ان لوگوں کو سردار بنایا ہے جو قرب زمانہ میں دُنیا کے سردار بننے والے تھے۔ اس کے باوجود ان بلند اصولوں نے ان کے دلوں سے وہ باتیں نہیں نکالیں جو انہوں نے اپنے پرانے اور طویل ماضی سے ورثہ میں پائی تھیں اور خصوصاً وہ باتیں تو بالکل نہیں نکلیں جنہیں اس ماضی کے علمبرداروں نے ان اصولوں سے منافی نہیں پایا۔ کیا بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کا نزاع اس وحی کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر کی۔ کیا بنو ہاشم کی قرابتِ رسول آپ کے بعد خلافت میں ان کی معاون نہیں، کیا اسلام نے تقویٰ کے ساتھ تفاضل کو تسلیم نہیں کیا اور کیا آپ کا یہ فیصلہ کہ حکومت مسلمانوں کے مشورہ سے ہو، بنو اُمیہ کا معاون نہیں جو بنو ہاشم سے تعداد میں زیادہ تھے اور عربوں میں ان سے زیادہ مقام رکھتے تھے لیکن دوسرے عربوں اور ان عربوں پر جنہوں نے فتوحات کیں اور غنیمتیں حاصل کیں اور حکومت

کی بنیاد رکھی بنواُمیہ کو کیا فضیلت حاصل ہے اور عربوں کو ان یہود و نصاریٰ پر جو اسلام میں داخل ہوئے کیا فضیلت حاصل ہے اور یہود و نصاریٰ ان کے قبولِ اسلام سے پہلے اہلِ کتاب تھے جبکہ عرب کافر اور بتوں کے پجاری تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان باتوں نے دلوں میں انگڑائی لی ہو۔ محض سوچ پر ایمان لانا ایک الگ چیز ہے اور اس سوچ کا زندگی کے حالات و واقعات سے مقابلہ کرنا اور ان سے مطابقت کرنا ایک الگ چیز ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ سوچ اسلامی نظریہ کے جلال پر غالب نہیں آ سکی اور وہ اپنی پہلی حالت ہی میں رہی اور نہ ان جماعتوں تک پھیل سکی ہے جو دینِ جدید کی قوت سے ملکوں کو فتح کر رہی تھیں سوائے اس خرابی کے جو عقائد و نظم میں آ چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فتوحات کا سلسلہ رُک گیا۔ ہاں اس کے ساتھ ساتھ اس سوچ نے نئی حکومت کی زندگی میں کئی نئے رجحان پیدا کیے اور ان کا اثر بھی پڑا جو انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

فتوحات کے استقرار و اطراد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کا اثر بھی تھا۔ اس طرح ان عوامل کی حوصلہ افزائی میں بھی اس کا اثر تھا جو عمر رسیدہ خلیفہ کے قتل پر منتج ہوا۔ ہم آئندہ فصل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے متعلق ان اثرات اور آپ کے عہد کے نقطہ ہائے نظر کو واضح کریں گے۔

الفصل الرابع

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت

جو خفیہ تحریکیں انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے کام کر رہی تھیں ان میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ فتوحات کے سلسلہ کو روک دیں یا نئے دین اور جدید نظام نے مسلمانوں کے دلوں میں جو قوت پیدا کی ہے اسے کمزور کر دیں۔ اگر یہ تحریکیں نہ ہوتیں تو مسلمان جہاں تک پہنچے اس سے آگے جاتے اور جہاں تک انہوں نے فتوحات حاصل کیں اس سے زیادہ حاصل کرتے۔

ان تحریکوں کے اثر نے فتح پر ہی اکتفا نہیں کیا جو اپنے اندر دفاعی شگاف کی حد بندی کرتی ہے بلکہ اس کا اثر تمام اُمتِ عربیہ کی زندگی پر پڑا اور اس نے اس کے بہت سے حالات کو ایسی ڈگر پر ڈال دیا جو حکومتِ اسلامیہ اور بعد کی تمام تاریخِ اسلامی پر نگران بن گیا۔ اس لیے سیاسی اور مذہبی انقلاب کو سمجھنے کیلئے جس نے بعد میں واقعات کو ایسے راستے پر ڈال دیا جس کا اثر آج تک نمایاں چلا آ رہا ہے، ان تحریکوں اور جوہری عوامل کا مطالعہ ضروری ہے۔

ان میں سب سے پہلا عمل جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کا باہمی مقابلہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے سو سال پہلے کا چلا آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے استقرار کے بعد یہ مقابلہ ٹھنڈا پڑ گیا اور جزیرہ نمائے عرب کے اطراف سے آ آ کر لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو بنو ہاشم کے دل میں خلافت کے خیال نے انگڑائی لی کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی میراث ہے مگر یہ خیال وقفے وقفے سے پیدا ہوتا رہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حکومت کی زندگی میں اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ جب مسلمانوں نے ایران، شام اور مصر کو فتح کیا پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو یہ مقابلہ بازی نمایاں ہوگئی اور یہ عصبیت اس صورت میں نمایاں ہوئی جس کی وضاحت ہم نے شوریٰ اور بیعتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس بیعت کے وقت کیا موقف تھا اس بارے میں روایات کا اختلاف ہے لیکن اس بارے میں سب متفق ہیں کہ بنو ہاشم اس سے راضی نہ تھے اور انہوں نے اس کی طرف اس نظر سے دیکھا جس نے انہیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وہ بات یاد دلا دی جو انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے کہی تھی کہ:

> ''لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ نبوت و خلافت کو تمہارے لیے یکجا کر دیں، قریش نے اسے اپنے لیے پسند کیا ہے اس لیے ٹھیک کیا ہے۔''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کہا:

> ''لوگ قریش کی طرف دیکھتے تھے اور قریش اپنے گھر کی

طرف دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر بنو ہاشم تم پر حکمران بن
گئے تو ولایت کبھی ان کے گھر سے نہیں نکلے گی اور اگر ان کے
گھرانے کے علاوہ دوسرے قریش میں ہوگی تو تم آپس میں
اسے لیتے دیتے رہو گے۔"

بنو ہاشم کی تنگ دلی کی وجہ سے بنی اُمیہ کے کسی آدمی کو خلافت دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت پر گہرا اثر پڑتا تھا۔ اس طرح عربوں کی تنگ دلی کی وجہ سے کسی غیر قریش کی حاکمیت سے قریش پر اسی قسم کا اثر پڑتا تھا۔ مہاجرین و انصار میں سے مکہ اور مدینہ کو چھوڑنے والے اور فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے شام چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی اور نجد اور یمن کو خیر باد کہنے والے اور جزیرہ نما کے مشرق اور جنوب میں بسنے والے قبائل عراق چلے گئے اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں جو بھی والی مقرر ہوتے وہ مکہ اور مدینہ کے آدمی ہوتے تو دوسرے عربوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ ان لوگوں کو ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے جبکہ فتوحات اور حکومت کے قیام میں ان کا اثر ہم سے زیادہ نہیں؟ وہ ہم سے سابق الاسلام ضرور ہیں اور جب یہ سبقت اس بات کو جائز قرار دیتی ہے کہ خلافت قریش میں ہو تو یہ بات کیوں جائز قرار نہیں دیتی کہ حکومت کے عہدوں میں بھی انہیں ترجیح دی جائے۔

اسلام تقویٰ کے سوا کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دیتا۔ جو لوگ بصرہ اور کوفہ میں رہائش پذیر ہوئے وہ بھی اہلِ حجاز اور اہلِ مکہ و مدینہ کی طرح برابر کے ہیں۔ اس طرح ترجیح دینے سے عرب کے ایک گروہ کو دوسرے پر حکومت کی حرص پیدا ہوتی ہے جسے اسلام قبول نہیں کرتا اور نہ ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند فرماتے

ہیں۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے حسنِ سلوک نہیں کیا۔ وہ غلام تھا جسے رسولِ کریم ﷺ نے اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے خرید کر آزاد کر دیا تھا جو بہت سے قریش اور انصار و مہاجرین سے سابق الاسلام تھے۔ اس لیے اہلِ نجد و دیگر لوگوں کو جنھیں فتح میں بڑی فضیلت حاصل ہے کیسے مؤخر کیا جا سکتا ہے اور اہلِ مکہ اور مدینہ کو ان پر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ حق تلفی ہے جس سے کوئی شریف آدمی راضی نہیں ہو سکتا۔ اس برتری کو وہ عرب قبول نہیں کرتے جو کافی صدیوں سے قبل اس کے کہ اسلام انہیں ایمانی طور پر حریت اور مساوات میں زیادہ کرے، مساوات اور حریت سے پیار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس جگہ ایک تیسرا عمل بھی ہے جو حکومت کی سیاست کو اس راستے پر ڈالنے میں ان دو عوامل سے کم اثر انداز نہیں۔

جو انقلاب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر ختم ہوا یہ عجمیوں اور یہود و نصاریٰ کا شعور ہے جو وہ اپنے اُوپر عربوں کے غلبے اور خدمت کے بارے میں رکھتے ہیں اور اس زمانے سے بیس سال پہلے عربوں کو کوئی غلبہ حاصل نہ تھا۔ جب رسولِ کریم ﷺ خالقِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جزیرہ نما سے مرتدین کا خاتمہ کیا تو ایرانی اور رُومی ان عربوں کی طرف دیکھتے تھے کہ یہ تمدن اور عالی مقام میں ہم سے کہیں نیچے ہیں پس یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر عربوں کی حکومت کو پسند کریں۔ یہ شعور ایران میں بڑا واضح تھا وہاں سے شام اور مصر میں آیا اس لیے کہ ایران ایک آزاد حکومت تھی جو حکومتِ عالم میں رُومیوں سے مقابلہ کرتی تھیں جو شام اور مصر میں حاکم بنے بیٹھے تھے۔ آپ ایرانیوں میں کمزوری اور ضعف کو حد درجہ بڑھا ہوا پائیں گے جس نے عربوں سے

نجات پانے کیلئے ان کیلئے کوئی راستہ باقی نہیں رہنے دیا۔

خصوصاً ان لوگوں سے یہود ونصاریٰ بہت خوش تھے جو نفاق سے اسلام قبول کرتے یا بالکل قبول نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ نیا دین انہیں ان کے وطنوں سے جلاوطن کر دے گا اور یہ عرب ہی تھے جنہوں نے انہیں ان کے وطنوں سے جلاوطن کر دیا۔

ان عوامل کا نئی حکومت کی زندگی پر بڑا گہرا اثر تھا۔ اس اثر کا کچھ حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نمایاں ہوا اور ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلؤ فیروز جو مغیرہ کا غلام تھا کی سازش پر منتج ہوا جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے متعلق کی لیکن اس وقت کسی نے بھی اس فتنہ کے اسباب کو ان کی جڑوں سے اُکھیڑنے کے بارے میں نہیں سوچا اس لیے کہ کسی کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ ممکن ہے یہ اسباب بڑھ جائیں اور عربوں اور ان کے درمیان خانہ جنگی ہو جائے اور انہیں خلافت سے ملوکیت کی طرف لے آئے۔ نیز واقعات کے پلٹا کھانے سے حکومت اسلامیہ کی زندگی اور تمام عالم کی زندگی میں بڑا اثر پڑا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ان عوامل کے مظاہر کو دُرست کرنے کی طرف توجہ کی تھی جو اِن کے وقتی اثر کو دُور کر دیتی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہ کر سکے کیونکہ ان کا تمام عہد جہاد اور مسلسل جنگوں سے بھرپور ہے جو آپ کی خلافت کے لمبے عرصے تک جاری رہیں۔ پس ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی زیادہ توجہ فتوحات کی کامیابی اور اپنے قائم کردہ جدید نظام کے متعلق عربوں کو مطمئن کرنے پر مرکوز کر دیں۔ یہی کیفیت اپنی خلافت کے شروع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ جب معاملات ٹھیک ہوں اور کوئی انہیں سبوتاژ کرنے والا نہ ہو اور نہ کوئی

دوسرا خوف دامن گیر ہو تو ان عوامل سے علاقے میں انقلاب آ جانے یا انقلاب کے خانہ جنگی تک پہنچ جانے کا خدشہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہر فساد کے علاج کے متعلق جو دلوں کو اطمینان بخشے اور فتوحات کو کامیابی سے چلائے، سوچنا بند کر دیا تھا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ عوامل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں کمزور تھے اور دونوں خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ ان سے خائف نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ بظاہر جو فساد نظر آتا ہے یہ حکمرانوں کی غلط کارروائیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو ان کے عہد کے اوائل میں کوئی بھی بدظن نہ تھا بلکہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے چھ سالوں میں لوگ خوش اور مطمئن تھے اور اس دوران عربوں اور غیر عربوں نے خوشحالی میں اضافہ کے باعث مسلمانوں کے حاکموں سے بھی رشک کا اظہار کیا۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی چھ سالوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے بھی زیادہ سکون و اطمینان تھا اس لیے کسی ہاشمی یا دوسرے آدمی کو شکایت کرنے یا شوروغل بپا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بغیر کسی کمزوری کے نرم دل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بغیر سخت گیری کے عدل وانصاف کرنے والے تھے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کا آغاز لوگوں کو زیادہ عطا و بخشش دینے سے کیا جس سے ان کے اطمینان اور پسندیدگی میں اضافہ ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دفاتر، قضا اور مسلح افواج وغیرہ کیلئے جو نظامِ حکومت وضع کیا اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی

وہ اس انقلابی نظام سے باہر نکلنا چاہتے تھے جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد کے شروع میں حالات پُرسکون رہے اور لوگ ان کی بیعت کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ انہیں یہ خوش آئند اُمید بھی تھی کہ نئی حکومت مضبوط ہو جائے گی اور دن بدن اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور عرب بھی زندگی سے رضا مندی میں بڑھ جائیں گے اور اس دین کو بھی مزید مضبوطی سے تھام لیں گے جس نے انہیں معزز بنا کر ان کا بول بالا کر دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے آغاز میں صرف یہی نہیں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے بڑھ کر لوگوں کو عطا کیا جس سے عوام اور خواص راضی ہو گئے بلکہ مدینہ میں اقامت اختیار کرنے والے بڑے بڑے مسلمانوں کی آزادی میں بھی اضافہ کر دیا اور انہیں ان نعماء سے بھی فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کے بڑے بڑے مہاجرین کو وقت کے تقرر اور اپنی اجازت کے بغیر شہروں میں جانے سے منع کر دیا تھا اور بہت سے لوگوں نے اجازت لینا بالکل نہیں چھوڑا۔ ان میں سے ایک آدمی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت طلب کرتا تھا۔ یہ مہاجرین میں سے وہ شخص تھا جسے آپ نے مدینہ میں پابند کیا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے کہتے:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تو نے جو جنگیں کی ہیں
وہی تیرے لیے آج کی جنگوں میں سے بہتر اور کافی ہیں، کیا
تو نے دُنیا نہیں دیکھی اور نہ اس نے تجھے دیکھا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا مگر دیگر اہلِ مکہ

سے آپ کا یہ سلوک نہ تھا اور آپ اس بارے میں یہ حجت پیش کیا کرتے تھے کہ کہیں دُنیا مہاجرین کو اپنا دلدادہ نہ کر لے اور وہ مفتوحہ علاقوں سے بہت سا اموال جمع کر کے سرکشی نہ اختیار کر لیں اور دوسروں کیلئے بُری مثال بن جائیں جو نئی حکومت کیلئے نقصان کا باعث بن جائے۔ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے مہاجرین پر وہ پابندی نہ کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے، کیونکہ آپ نے قریش کو دیکھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر میں اس پابندی سے اُکتا گئے تھے اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو اس پابندی سے آزاد کر دیا اور حکومت کے اعتراف میں آزادانہ طور پر جانا جائز کر دیا اور ان سے ممانعت کی پابندی اُٹھا دی۔ وہ دُنیا میں چلے پھرے، دُنیا نے انہیں اور انہوں نے دُنیا کو دیکھا اور ممالک میں گھوم پھر کر انہوں نے دُنیاوی نعمتوں سے وافر حصہ لیا اس لیے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت پسند آ گئی اور انہوں نے اس کے آرام اور نرمی کو اس پرہیزگاری اور تقشّف پر ترجیح دی جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں بے بس کر کے لے گئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے دونوں خلفاء کی سنت کے خلاف لوگوں کو جو اجازت دی اس پر مواخذہ کرنے کے بارے میں کسی آدمی نے نہیں سوچا۔ لوگ صرف اسی وقت حاکم پہ زیادہ حملہ آور ہوتے اور اس کے جواز کیلئے باتیں تلاش کرتے ہیں جب انکی خواہشات اور مطالبات پورے نہ ہوں مگر جب وہ مصلحتِ عامہ کے پورا ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فکرمند ہو تو وہ زیادہ حملے نہیں کرتے۔ یہ ہر قوم اور ہر دَور کے لوگوں کی عادت رہی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے اوائل میں مسلمانوں کو وسیع و عریض حکومت میں ہر قسم کی

آسودگی اور خوشحالی حاصل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس آسودگی سے فائدہ اُٹھانے سے روک دیا تھا اور اس ممانعت کی طوالت کی وجہ سے ان کی شخصیات اس سختی سے اُکتا گئی تھیں اور اس کے جواز کیلئے ان کے پاس کوئی راستہ باقی نہ رہا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دلی خواہش کو ان کیلئے جائز کر دیا اس لیے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے اگرچہ آپ نے پہلے دونوں خلفاء کے طریقہ کی مخالفت کی تھی۔ اس بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تصرفات نے صرف ان واقعات کے متعلق سوچ بچار پیدا کی جن کا زمانے میں کوئی وجود نہیں پایا جاتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح زہد و تقشّف کو لوگوں کیلئے لازمی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نفس کے ساتھ بڑی سختی روا رکھتے تھے۔ نیز وہ محروم، تنگ دست اور کمزور کے شعور کو سمجھنا اپنے اُوپر ضروری سمجھتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت اور قوت عطا کی تھی اس لیے وہ اپنے نفس پر اس سختی کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ جس روز آپ نے مومنین کی خلافت سنبھالی آپ کی عمر پچاس سال تھی۔ آپ بڑے طاقتور اور سخت مزاج تھے۔ جب آپ کسی سے اپنی پیروی کا مطالبہ کرتے تو عوام میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ پر تنقید کرتا۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب باتوں میں آپکے برعکس تھے۔ جب آپ کو خلافت ملی تو آپ ستّر (۷۰) سال یا اس سے زیادہ کے تھے اور اپنے دورِ شباب میں بھی آرام و آسائش، عمدہ کھانوں اور لباسِ فاخرہ کو پسند کرتے تھے اور ہاتھ میں (سونے کی) انگوٹھی پہنتے تھے اور اپنے دانتوں کو سونے سے مضبوط کرتے تھے۔ آپ کی مالی خوشحالی آپ کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ منصبِ

خلافت سنبھالنے کے بعد آپ پر یہ شبہات کیے گئے کہ آپ مسلمانوں کے مال سے اپنی ذات کیلئے لے لیتے ہیں۔ کہاں یہ بات اور کہاں آپ کی وہ شان۔ آپ کے بس میں نہ تھا کہ آپ مہاجرین کو ملک کے اطراف میں جانے سے روک دیں اور یہ کہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اس میں سے حلال اور طیب کھائیں۔ عمر بن اُمیہ ضمری سے روایت ہے، وہ کہتا ہے کہ:

"قریش میں جو عمر رسیدہ ہو جاتا وہ خزیرہ (ایک کھانا جو گوشت اور بغیر گوشت کے پکایا جاتا ہے یا گھی اور آٹے کو ملا کر اس میں تھوڑی سی بھوسی شامل کر کے پکاتے ہیں) کھانے کا شوقین ہو جاتا، میں نے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کے کھانے میں بہترین خزیرہ کھایا جس سے بہتر میں نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا جس میں بکری کے بطون کے ساتھ دُودھ اور گھی شامل تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے اس کھانے کو کیسا پایا، میں نے جواب دیا اس سے بہتر کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے تو نے ان کے ساتھ کبھی یہ خزیرہ نہیں کھایا، میں نے کہا جب میں منہ کی طرف لقمہ لے جانے لگا تو قریب تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اس میں کوئی گوشت نہ تھا اور اس کے اندر گھی لگا تھا اور اس میں دُودھ نہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے دُرست کہا ہے خدا کی قسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے چلنے والے کو درماندہ کر

دیا ہے وہ ان امور سے منہ موڑ کر تنگی سے گزر اوقات کرتے
تھے، خدا کی قسم میں یہ کھانا مسلمانوں کے مال سے نہیں کھاتا
بلکہ اپنے مال سے کھاتا ہوں، آپ جانتے ہیں کہ میں قریش
میں بڑا مالدار اور پرانا تاجر تھا اور میں ہمیشہ نرم کھانا کھاتا رہا
ہوں، اب میں اس عمر کو پہنچ چکا ہوں کہ مجھے نرم ترین کھانا
بہت مرغوب ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس بارے
میں مجھ پر الزام لگایا ہو۔"

یہ روایت طبری کی ہے۔

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں رمضان شریف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ افطاری کرتا تھا وہ ہمارے پاس وہ کھانا لاتے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کھانے سے بہت نرم ہوتا تھا اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر ہر شب میدہ چھوٹے دُنبے دیکھے ہیں اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی چھنا ہوا آٹا کھاتے نہیں دیکھا۔ نیز آپ بوڑھی بکریوں کا گوشت کھاتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی گئی تو آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کون اس جیسی طاقت
رکھ سکتا ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جوانی اور بڑھاپے میں یہ حالت تھی۔ انہیں یہ طاقت حاصل نہ تھی کہ وہ مہاجرین کو مدینہ میں پابند کر دیں یا انہیں زمین میں چلنے پھرنے اور اللہ کی نعمتیں کھانے سے روک دیں اور نہ ہی انہیں یہ طاقت حاصل تھی کہ خلیفہ لوگوں کو تنگدستی سے گزارہ کرنے اور دُنیا سے بے رغبتی کرنے کا پابند کر

دے یا وہ شہروں کے گورنروں سے مطالبہ کریں کہ وہ ان باتوں سے کچھ چیزوں کی پابندی کریں۔

اچھے کھانے، عمدہ لباس اور خوشحال زندگی ہی وہ واحد شے نہ تھی جس کی طاقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں خاص طور پر رکھتے تھے بلکہ امورِ خاصہ اور عامہ کیلئے ان کا نظریہ اس شخص کا سا تھا جو کسی فائدے کی خواہش نہیں رکھتا۔ مدینہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سرکاری عمارت تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھ کر امورِ عامہ کا انتظام کرتے اور جب جمہور مسلمانوں کے مشورے کی ضرورت ہوتی تو الصلوٰۃ الجامعۃ کی آواز دی جاتی، لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ کرتے۔ آپ کے بعد آپ کے دونوں خلفاء بھی ان سے مشورہ کرتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کیا لیکن وہ مسجد کو اس طرح سرکاری عمارت بنانے پر راضی نہ ہوئے جیسا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے دونوں خلفاء کے عہد میں تھی۔

آپ نے سوچا کہ اسے ایک پُر ہیبت مقام ہونا چاہیے۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غور و فکر نہ کیا تھا اور یہ کہ آپ اسے اس قابل بنا دیں کہ ان سے ان ریاستوں میں احکام صادر کیے جائیں جہاں کے لوگ دمشق، فسطاط، کوفہ اور بصرہ کے محلات میں رہتے ہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل کشادہ بنائی گئی۔ اس کی دیواریں اینٹوں کی تھیں اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ چھ سال مسلسل یہ مسجد اسی طرح رہی۔ اسلام کے پھیلنے اور مدینہ میں آسودگی کے بڑھ جانے اور اہلِ مدینہ کو فراخی حاصل ہو جانے کے باوجود بھی اس مسجد میں

کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ جب مسلمانوں نے خیبر کو فتح کیا اور مدینہ میں صرف مسلمان ہی رہ گئے اور اسلام قبول کرنے والوں کی وجہ سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تو مسجد میں توسیع کرنا ضروری ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے صحن میں ایک سو میٹر یا اس سے زیادہ کا اضافہ کر دیا، مگر اس کی عمارت جو اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور کھجور کی ٹہنیوں اور تنوں میں کوئی تبدیلی نہ کی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوئی نئی تعمیر نہ ہوئی صرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد کے ستون بوسیدہ ہو گئے تھے اور آپ نے انہیں بنا دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینہ آ گئی تو دوبارہ مسجد کی توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے صحن میں اضافہ کر دیا مگر اس کی عمارت میں تبدیلی نہ کی۔ آپ نے اسی طرح اس کی دیواریں بنوا دیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھیں اور اس کی بنیاد پتھروں سے بنائی اور اس کے اُوپر کے حصے کو اینٹوں سے بنایا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں اور چھت اس کی ٹہنیوں سے بنائی اور مسجد کے چھ دروازے رکھے اور اس کی ایک جانب ایک مکان بنایا جس کا نام ''بطحاء'' رکھا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جو کوئی بات کرنا چاہے یا آواز بلند کرنا چاہے تو وہ اس مکان میں چلا جائے تاکہ مسجد دُنیاوی تجارت، بیکار اور گناہ کے کاموں سے پاک رہے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی تو شروع شروع میں ہی لوگوں نے آپ سے بات کی کہ آپ مسجد میں توسیع کریں۔ انہوں نے آپ سے شکایت کی کہ مدینہ کی آبادی فتوحات کے بڑھ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے جمعہ کے روز مسجد تنگ ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ

الرائے سے مشورہ لیا تو سب نے مسجد گرانے، دوبارہ تعمیر کرنے اور اس میں توسیع کرنے پر اتفاق کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کے صحن کو بہت زیادہ وسیع کر دیا مگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح صحن میں اضافہ کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس کی عمارت میں اپنے میلانِ طبع کے مطابق تبدیلی کی۔ جو لوگ اس مسجد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر کے مطابق بنانا چاہتے تھے ان میں سے ایک جماعت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر بُرا منایا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان باتوں کی پرواہ نہ کی اور نہ ہی مسجد کو اینٹوں سے بنایا اور نہ ہی اس کے ستون کھجور کے تنوں اور اس کی چھت کو کھجور کی ٹہنیوں سے بنایا بلکہ اس کی تمام دیواروں کو منقش پتھروں سے تعمیر کیا اور اس کے ستونوں کو سوراخ دار پتھروں سے بنایا جن میں لوہا اور سیسہ ڈالا اور انہیں باہر سے نقش و نگار بنا دیا اور اس کی چھت گول چادروں سے بنائی۔ اس لیے مسجد اپنی بنیادوں پر قائم رہی۔ آپ نے اس پر کچھ پردے ڈال دیئے اور اسے خوش منظر بنا دیا۔ اس کام کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے بگڑ گئے اور آپ سے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے آپ سے مواخذہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ہیبت عطا کر دی کیونکہ وہ اسلامی حکومت کا مرکز تھی۔ اس جگہ سے دمشق، فسطاط، کوفہ اور بصرہ کے محلات میں رہنے والے حکمرانوں کو احکام صادر کیے جاتے۔ یہ فعل ہمیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ آپ نے مکہ میں مسجد الحرام کی توسیع کے وقت ایسا کام نہیں کیا حالانکہ بیت اللہ کے اردگرد تنگ سا صحن تھا جس میں لوگ نماز پڑھتے تھے۔ حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عہد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہی کیفیت رہی۔ جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہو گیا اور لوگ زیادہ تعداد میں حج کو آنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت اللہ کے گرد نمازیں پڑھنے لگے تو نماز کیلئے یہ جگہ ان کیلئے تنگ ہو گئی۔ پھر وہ ان دیواروں کے دروازوں سے بیت اللہ میں داخل ہونے لگے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے اردگرد کے مکانات کو خرید کر گرا دیا اور انہیں بیت الحرام میں شامل کر دیا اور چھوٹی چھوٹی دیواروں سے اس کا احاطہ قائم کر دیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حاجیوں کی تعداد بڑھ گئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نمونے کی پیروی کی اور مکانات خرید کر بیت اللہ کے احاطہ میں اضافہ کر دیا اور چھوٹی چھوٹی دیواروں سے جو انسانوں کی قامت سے بلند نہ تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اس کا احاطہ کر دیا۔ انہوں نے بیت اللہ کو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہ بنایا کیونکہ مسجدِ مکہ خالص عبادت اور نماز کیلئے ہے اور مسجدِ مدینہ سرکاری عمارت بھی تھی اور اس میں نماز بھی پڑھی جاتی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد تعمیر کرنے اور مہاجرین کو حکومت کے مختلف شہروں میں جانے کی اجازت دینے اور زیادہ عطا و بخشش کرنے نے دُنیا پر ٹوٹ پڑنے اور بادشاہی کے ظاہر سے محبت کرنے کی راہ پر نہیں ڈالا۔ عمر رسیدہ خلیفہ بہترین و پاکیزہ لوگوں میں سے تھا اور ان سے زیادہ حیادار اور ایماندار تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اگر ہمارے دل پاک کر دیئے جائیں تو ہم اپنے رب کے کلام سے سیر نہ ہوں اور مجھے یہ بات بہت ناپسند ہے کہ مجھ پر

کوئی ایسا دن آئے کہ میں قرآن شریف کی طرف نہ دیکھ سکوں۔"

جب انقلابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں دیوار پھاند کر گئے تو انہوں نے آپ کو قرآن شریف پڑھتے پایا۔ جب آپ فوت ہوئے تو بکثرت مطالعہء قرآن کے باعث آپ کا قرآنِ مجید پھٹ چکا تھا۔ جب لوگوں نے آپ کے قتل کے روز آپ کے گھر میں آپ کا گھیراؤ کر لیا تو آپ کی بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"خواہ تم اسے قتل کر دو یا چھوڑ دو یہ رات کو ایک رکعت نماز سے زندہ رکھتا تھا جس میں قرآن جمع کیا جا سکتا تھا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو کسی کو وضو کروانے کیلئے نہ جگاتے سوائے اس کے کہ وہ آدمی خود ہی جاگ رہا ہو۔ آپ سے کئی بار عرض کیا گیا:

"آپ کسی خادم کو جگا لیا کریں۔"

آپ فرماتے:

"نہیں وہ رات کو آرام کرتے ہیں۔"

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صدقِ ایمان کی وجہ سے ہی لوگ قرآن کی ایک قرأت اور مصحفِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے مصاحف جلانے پر متفق ہوئے۔

حذیفہ بن الیمان خلافتِ عثمانی کے دوسرے یا تیسرے سال آرمینیا اور آذربائیجان میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کر رہا تھا اور اس جنگ میں شامیوں کی ایک جماعت قرآن شریف کو مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

کی قرأت کے مطابق پڑھتی تھی اور عراقیوں کی ایک جماعت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتی تھی۔ دوسرے لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ ایک قرأت کو دوسری قرأت پر فضیلت دیتے اور ہر فریق اپنی قرأت کو فضیلت دینے میں مبالغہ سے کام لیتا۔ اس وجہ سے ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ پھر ان کا اختلاف وافتراق بڑھ گیا یہاں تک کہ ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی سے کہتا:

''میری قرأت تیری قرأت سے بہتر ہے۔''

یہ بات اس حد تک بڑھی کہ فتنہ بپا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا۔ بعض نے دوسروں کو کافر ٹھہرایا اور ان سے اظہارِ بیزاری کیا اور ایک دوسرے پر لعنت کی۔ حذیفہ کو ان کے اختلاف اور بدکلامی کے انتشار کو دیکھ کر خوف پیدا ہوا اور وہ بھاگ کر مدینہ پہنچا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان کے آنے سے پہلے داخل ہو کر کہنے لگا:

> ''اس اُمت کو ہلاکت سے بچا لو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ اُمت کس وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کتاب اللہ کی وجہ سے، پھر کہنے لگا میں جنگ میں حاضر ہوا تھا اور میں کچھ عراقیوں، شامیوں اور حجازیوں کے ساتھ رہا ہوں پھر ان کے اختلافِ قرأت کا ذکر کیا جس کے متعلق بیان ہو چکا ہے، پھر کہنے لگا مجھے خدشہ ہے کہ وہ بھی اپنی کتاب میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطرہ محسوس کیا تو لوگوں کو اس بارے میں مشورہ کے لیے جمع کیا۔ انہوں نے آپ کی رائے دریافت کی تو آپ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ لوگ ایک قرأت پر متفق ہو جائیں۔ جب آج تم لوگ اختلاف کرتے ہو تو جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ تم سے زیادہ شدید اختلاف کریں گے۔ اہلِ الرائے نے آپ کی رائے کو قبول کر لیا تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف آدمی بھیجا کہ ان سے کہے کہ وہ مصحفِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ اسے دیگر مصاحف میں لفظ بہ لفظ نقل کیا جائے۔ مصحفِ ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس تھا پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنتِ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو مصحف کے لکھنے کا حکم دیا اور یہ کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اموی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث ابن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اسے اِملا کروائیں اور انہیں حکم دیا کہ جب کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے مضر کی لغت میں لکھیں کیونکہ قرآنِ مجید مضر کے ایک آدمی پر نازل ہوا ہے۔ جب انہوں نے قرأتِ واحدہ پر اس کی کتابت مکمل کر لی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ شامیوں، مصریوں، بصریوں اور کوفیوں کیلئے ایک ایک نسخہ لکھو۔ چنانچہ انہوں نے لکھا۔ آپ نے مکہ میں ایک مصحف بھیجا اور یمن بھی اس جیسا ایک مصحف بھیجا اور ایک مصحف مدینہ میں رکھا۔ ان مصاحف سے اُمت کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگ ہمیشہ ان کا نام مصحفِ عثمانی رکھتے رہے اس لیے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق لکھا گیا تھا اگرچہ آپ کے خط میں انہیں نہیں لکھا گیا۔

جب آپ نے مصاحف کو شہروں میں بھجوایا اور ان کی قرأت کے مطابق پڑھنے کو واجب قرار دیا تو آپ نے ان کے علاوہ جو مصاحف تھے ان کو جمع کرنے کا حکم دیا اور انہیں جمع کرنے کے بعد جلا دیا۔ اس بات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت سے لوگوں کو بھڑکا دیا جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمتہ اللہ علیہ اجمعین بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے وہ کام کیا ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان سے ان کا مصحف لے کر جلایا گیا انہیں تکلیف ہوئی تو انہوں نے زید بن ثابت سے اپنے مقدم الاسلام ہونے کا ذکر کیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مصاحف کو گلوں میں ڈال لیں اور پھر یہ قولِ الٰہی تلاوت کیا:

"وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ."

(سورۃ آل عمران:۱۶۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ اتفاق و اتحاد اور ہر اختلاف کو ختم کرنے کی خاطر صحابہ نے جس مصلحت کے تحت اس امر پر اتفاق کیا ہے آپ اس کی اتباع کریں۔

بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرأتِ واحدہ پر لوگوں کو جمع کرنے کیلئے جو کام کیا وہ عین حکمت ہے اس لیے کہ آپ نے اس کام کے باعث قرآنِ پاک کو اس طرح صاف کر دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا تھا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح ہے کہ:

"مصاحف کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے

زیادہ اجر کے مستحق ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دونوں لوحوں کے درمیان تصحیح کی۔"

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اختلاف کا خاتمہ کرنے کے لحاظ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کم اَجر کے مستحق نہیں۔ لوگوں نے آپ سے جو اختلاف کیا اور اپنے مصحف کے سوا دیگر تمام مصاحف کے جلانے پر بعض لوگوں نے جو آپ کی ملامت کی اس سے آپ کے اَجر میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو نزاع باقی رہتا اور شر ختم نہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مصاحف کے جلانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں ضرور ایسا کرتا۔"

اس کے باوجود بعض لوگوں نے مصاحف کے جلانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت زیادہ مبالغہ سے بچو، کہتے ہو اس نے مصاحف کو جلا دیا ہے، خدا کی قسم اس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مشورے سے انہیں جلایا ہے اور اگر وہ کام مجھے سونپا جاتا جیسا کہ انہیں سونپا گیا تو میں بھی وہی کرتا جو انہوں نے کیا۔"

مسجدِ مدینہ کی تعمیر جیسے بھی انہوں نے کی لوگ اس پر کیسے ملامت کرتے

ہیں۔ انہوں نے یہ کام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے مشورہ کے بعد کیا ہے۔
لوگ انہیں لوگوں کو قرأتِ واحدہ پر جمع کرنے اور اس قرأت کے خلاف مصاحف
کو جلانے پر کیسے ملامت کرتے ہیں جبکہ انہوں نے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
صحابہ کے مشورہ سے کیا ہے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملامت
نہیں کرتے۔ وہ بہت سے معاملات میں اجتہاد سے کام لیتے تھے اور جو ان کے
اجتہاد کی مخالفت کرتا تھا وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ کیا انہوں نے حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کو نرم طبیعت سمجھ کر کمزور خیال کر لیا ہے اور ان پر وہ اعتراضات کیے
ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور خوف کی وجہ سے ان پر نہ کر سکتے تھے یا انہوں نے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی بسر کرتے دیکھا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ سختی روا
رکھتے اور اسے فراموش کر دیتے تھے اور صرف اللہ کے لیے زندہ تھے مگر کسی شخص کو
جرأت نہ تھی کہ وہ ان سے ایماناً کسی چیز کا مواخذہ کرے کیونکہ وہ جو کچھ بھی کرتے
دلیل اور یقین سے کرتے تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آسودہ حال
پایا۔ ان میں سے اکثر ان تک پہنچ ہی نہ سکتے تھے تو ان سے حسد کرنے لگے اس
لیے ان کا ملامت کرنا اور بُرا بھلا کہنا ان کے حسد کا مظہر ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو عرب
ممالک میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جو فکری اور اقتصادی انقلاب پیدا
ہوا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے مؤقف پر بڑا اثر ڈالا۔
عرب ممالک اس دور میں جس کی مدت تیس سال سے زیادہ نہیں ایک دین سے
نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو گئے اور رُومیوں اور ایرانیوں کی ماتحتی سے نکل کر
رُوم اور ایران پر غالب آ گئے اور اس اقتصادی حالت سے جو تنگدستی کے زیادہ
قریب تھی ایسی آسائش اور آسودگی انہوں نے کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ مسلمان تنگدستی کی زندگی بسر کریں اس لیے کہ وہ جنگ کے غنائم سے جنگ کو جاری رکھنے کی تیاری کرتے تھے۔ جب مالِ غنیمت زیادہ ہو گیا اور جنگ کے مطابق خراج اور جزیہ بھی زیادہ ہو گیا تو آراء میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ:

کیا لوگ دُنیا سے بے رغبتی کی حالت پر ہی قائم رہیں جیسا کہ وہ پہلے قائم تھے؟ یا وہ اس متاع سے اپنا وہ حصہ لے لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کے بدلے میں میسر کیا ہے۔ جو لوگ تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے دونوں خلفاء کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گرفت کی تھی اور شاید مصاحف کے جلانے پر جن لوگوں نے آپ پر گرفت کی وہ بھی اسی طرح کے ہوں۔ پس دُنیا سے رُوگردانی کرنے والے انفرادی آزادی اور آزادیٔ رائے پر تمام لوگوں سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور جن لوگوں نے اس زندگی کے برخلاف جس پر وہ خلافتِ فاروقی کے آخر تک قائم تھے اس انقلاب میں حیاتِ نو کا پیغام پایا ان کی اکثریت تعمیرِ مسجد اور توحیدِ قرأت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہمنوا تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں ان ملامت کرنے والوں کی ملامت کا کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ عمر رسیدہ خلیفہ نے جو کچھ کیا اس انقلاب نے اسے ایک حتمی امر بنا دیا تھا جس سے کوئی چھٹکارا نہ تھا اور حکومتی سیاست میں آپ کے نقطۂ نظر کو ایک عظیم اکثریت نے پسند کر لیا تھا۔ عرب سے عراقی، شامی، ایرانی اور رُومی بھی مدینہ آتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کا دارالخلافہ تھا اور وہ اس بات

کے خواہش مند تھے کہ وہ ایران اور رُوم جیسے شاہی جلال کو دیکھیں۔ اس وجہ سے وہ اپنی نظروں کو اس سرکاری ہاؤس سے پھیر لیتے تھے جس کی بنیاد اینٹوں کی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنی ہوئی تھی۔ جب یہ بات ضروری ہوگئی کہ مسجد وسیع ہو تو یہ بھی ضروری ہو گیا کہ وہ بظاہر پُر ہیبت ہو جس کی وجہ سے جزیرہ نما آنے والے غیر ملکی اس کی تعظیم کریں اور ان کی آنکھیں اس سے رُوگردانی نہ کریں۔

پھر اس انقلاب نے خلیفہ پر ایک نیا بوجھ ڈالا جس میں سے کچھ بوجھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اسے اُٹھانے کیلئے اپنی جدوجہد کو دُگنا کر دیں۔ یہ بوجھ اس تمدنی زندگی کی تنظیم کا تھا جو اس تمدن کیلئے بطورِ آغاز تھا جس کی بنیاد قرآنِ پاک نے رکھی تھی۔ اس جدوجہد کا بڑا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا جب انہوں نے نئی دعوت دینا اور اس کے قواعد کی مضبوطی کیلئے توجہ مبذول کی۔ جب حکومت کی حدیں وسیع ہو گئیں تو پھر آبادی کے متعلق سوچنے اور اسے پھیلانے کے بارے میں غور وفکر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تاکہ لوگوں کو آسودگی حاصل ہو اور ان کا معیارِ زندگی بلند ہو جس کی وجہ سے وہ اس نظام سے جس نے انہیں وسعتِ رزق عطا کی ہے مطمئن ہوں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی عطا میں اضافہ کر دیا تھا اور مہاجرین کیلئے دوسرے لوگوں کی طرح حکومت کے اطراف میں آنا جانا اور اس کے اموال کو حاصل کرنا مباح کر دیا تھا۔ اس سے عربوں میں آسودگی بڑھ گئی اور وقت آ گیا کہ وہ طیبات سے جو اِن کیلئے رزقِ الٰہی سے جائز کی گئی ہیں، فائدہ اُٹھانے کے بارے میں سوچیں۔ بلکہ ان میں سے بہت سے

لوگوں نے مختلف قسم کی بے کار باتوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ بھی مباحِ جائز کا حصہ ہیں باوجود اس کے کہ قرآنِ مجید نے بیان کیا ہے کہ شراب، جوا، بت اور تیر (پانسہ پھینکنے والے) ناپاک اور شیطانی اعمال ہیں اور مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے۔ بہت سے لوگوں نے جو عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے انہوں نے پھر یہ کام شروع کر دیئے اور باوجود اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے مشورہ کرنے کے بعد شرابی کو اَسی (۸۰) کوڑے لگائے، پھر بھی خفیہ طور پر شراب پینے والے اس بات سے باز نہ آئے اور حد سے بھی بچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بہت سے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ شراب سے صرف وہ چیز حرام ہے جو نشہ کر دے اور جو نشہ نہ کرے اس کے پینے والے کو حد نہیں لگائی جا سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں پر بڑی سختی کیا کرتے تھے اور اس بارے میں کسی ایسی بات کو پسند نہیں کرتے تھے جو نفس کو کمزور کر کے عادت کا غلام بنا دے۔
جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی طرح رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اکثر والی اس قسم کے بے کار امور سے چشم پوشی کرتے تھے اس لیے کہ ان میں سے اکثر اس کی وجہ سے وقار حاصل کرتے تھے جس کا اس دورِ حکومت میں بڑا اثر تھا۔ عربوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کئی قسم کے بے کار امور ختم کر دیئے تھے جو اس سے پہلے بھی جائز نہ تھے اور اہلِ مدینہ نے اپنے آپ کو ان مختلف قسم کے بیکار امور میں فنا کر دیا تھا۔ طبری اور اس سے روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ پہلی برائی مدینہ میں اس وقت ظاہر ہوئی جب دُنیا کی نعمتیں خوب ملیں اور لوگوں کا سب سے بڑا کام کبوتروں کو مارنا اور غلیل سے شکار کرنا تھا۔

الفصل الخامس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ انقلاب کا بنیادی مرکز تھا اور وہاں کے اکثر لوگ اپنے امراء اور والیوں کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اظہارِ ناراضگی کیا پھر ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کی تہمت لگائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو وہاں کا والی بنایا۔ جب وہ کوفہ آیا تو اس نے کوفیوں کو اپنی تقریر میں کہا کہ میں تمہارے امور کا بادلِ نخواستہ ذمہ دار بنا ہوں اور اس نے اعلان کیا کہ فتنے نے اپنی نکیل اور آنکھیں کھول دی ہیں۔ پھر سعید کوفیوں کے حالات اور خواہشات کا مطالعہ کرنے لگا تاکہ بیماری کی جڑ کو معلوم کر سکے۔ جب وہ حقیقتِ حال سے واقف ہو گیا تو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے مشاہدات لکھ بھیجے اور کہا کہ:

"کوفیوں کا معاملہ بڑا مضطرب ہے اور صاحبِ شرف گھرانوں میں بھی یہ اضطراب غالب آ گیا ہے، ان شہروں میں اکثریت پیچھے آنے والے لوگوں اور لاحق ہونے والے

بدوؤں کی ہے یہاں تک کہ کسی صاحبِ شرف آدمی یا چھوٹے
یا نازل ہونے والی مصیبت کی طرف بھی نہیں دیکھا جاتا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو لکھا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوفہ میں رہنے والے دوسرے لوگوں پر مقدم کرے۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا:

''اما بعد، سابقین اور پرانے لوگوں اور جنہوں نے ان علاقوں کو فتح کیا ہے انہیں فضیلت دو اور جو کوئی دوسرا ان کے ہاں آئے وہ ان کا پیروکار ہو سوائے اس کے کہ وہ حق کی ادائیگی کو بوجھ خیال کرے اور اس کو چھوڑ دیں، ان لوگوں کے ساتھ حق کو قائم کرو اور ہر ایک کے مقام کا خیال رکھو اور ان سب کو ان کا منصفانہ حق دو۔ کیونکہ لوگوں کی جان پہچان سے عدل کو نقصان پہنچتا ہے۔''

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کو تقریر کرتے ہوئے کوفہ کی حالت کی خبر دی اور انہیں فتنہ سے ڈرایا اور ان کے سامنے پیشکش کی کہ وہ لوگوں کو اس کی غنیمت کا حصہ اس جگہ پہنچائیں گے جہاں وہ عرب میں مقیم ہوں گے۔ اس پر اہل مدینہ نے آپ کو خوش آمدید کہا اور عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس وہ غنیمت کیسے لائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین میں دی ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہم حجاز اور یمن کی غنیمت میں سے جو کچھ چاہیں گے فروخت کریں گے۔''

لوگوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے وہ

بات کھول دی جو ان کے گمان میں بھی نہ تھی۔ حجاز میں مسلمانوں کے ایک گروہ کی ملکیت میں بہت سا مال تھا جس سے انہوں نے عراق میں جو اپنی سرسبزی اور دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھا، زمین خریدی اور ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد بڑے سرمایہ داروں میں سے بن گئی جس سے وہ عرب جو عراق کے شہروں میں مقیم تھے برافروختہ ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والیوں پر ان کی ناراضگی میں اس لیے اضافہ ہو گیا انہوں نے انہیں فئ اور غنیمت سے محروم کیا تھا اور خلیفہ سے مطالبہ کیا کہ وہ غنیمت صرف ان لوگوں کو دے جنہوں نے جنگ کی ہے۔ اسی طرح اسلامی شہروں کے بہت سے باسیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ بعض شخصیات نے رہنے والوں کے دلوں میں ناراضگی کو ہوا دینی شروع کر دی جس سے عبداللہ بن سباء کی تحریک چلی۔ یہ ایک یہودی تھا جو یمن کے علاقے صنعاء کا رہنے والا تھا۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کر لیا۔ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو ورغلانے کے لیے بلادِ اسلامیہ کا دورہ کیا۔ بصرہ میں اس کی دعوت سے عوام میں سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے۔ جب اس معاملے کی خبر عبداللہ بن عامر تک پہنچی تو انہوں نے اسے بصرہ سے نکال باہر کیا۔ پھر یہ اپنی دعوت کی اشاعت کرتا ہوا کوفہ کی طرف گیا۔ ابنِ سباء کو کوفہ سے بھی دھتکارا گیا تو اس نے شام جانے کا ارادہ کیا لیکن ابھی وہ وہاں ٹھہرا بھی نہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے شام سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ پھر وہ مصر چلا گیا جہاں وہ اپنی دعوت کا پرچار کرنے لگا اور وہاں سے اپنے کوفی اور بصری پیروکاروں کی طرف اپنے ایلچی بھیجنے لگا۔ اس کی دعوت اس بات پر مبنی تھی کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور حضرت

علی رضی اللہ عنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور وہ خاتم الانبیاء کے بعد خاتم الاوصیاء ہیں۔ اس طرح اس نے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وصی رسول سے ناحق طور پر خلافت چھین لی ہے۔

جن شخصیات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست سے معارضہ کیا ان میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے حالات کی اصلاح کرنے اور اغنیاء وفقراء کے درمیان فرق کو کم کرنے کی دعوت دی۔ یہ بات آپ نے اس لیے کہی کہ جو عرب مفتوح علاقوں میں آ گئے تھے انہوں نے بہت سے اموال حاصل کر لیے تھے اور اس وقت ان کے پڑوس میں بعض ایسے مسلمان بھی رہائش پذیر تھے جو فاقہ اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی مقرر کرنے اور معزول کرنے کی عثمانی سیاست پر اعتراض کرنے لگے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شام جانے کا حکم دیا تو وہ وہاں جا کر بھی وہی باتیں کرنے لگے جو وہ مدینہ میں کیا کرتے تھے اور لوگوں کو فقراء سے ہمدردی اور غمخواری کی دعوت دینے لگے۔ آپ مسلسل یہ دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی نیت کا امتحان لینا چاہا۔ ایک شب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ایلچی کو ایک ہزار دینار دے کر ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور صبح اپنے ایلچی کو اشارہ کیا کہ وہ ان سے ایک ہزار دینار واپس لائے اور یہ معذرت کرے کہ یہ دینار دراصل کسی دوسرے شخص کو دینے تھے غلطی سے آپ کو دے دیے گئے ہیں تو اس ایلچی نے دیکھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے وہ دینار فقراء میں تقسیم کر دیے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی دعوت میں سنجیدہ ہیں۔ جب

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دعوت سے شامیوں کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوف دامن گیر ہوا اور امراء، فقراء کے سلوک کی بکثرت شکایات کرنے لگے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں میرے پاس بھجوا دیں۔ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ربذہ جو مدینہ کے پاس ایک چھوٹی سی بستی ہے میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دی اور ان کی وفات تک انہیں عطیات دیتے رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلامی شہروں میں اپنی سیاست کے خلاف پروپیگنڈہ کے بالمقابل یہ تجویز کی کہ وہ ان شہروں کے والیوں کو ۳۴ھ کے حج کے اجتماع میں شامل ہونے کی دعوت دیں تاکہ وہ انہیں فتنہ کے اسباب کے متعلق بتائیں۔ عبداللہ بن عامر، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ جب حج کے موقع پر یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

> ''ہر امام کے وزیر اور خیر خواہ ہوتے ہیں تم میرے وزیر، خیر خواہ اور قابلِ اعتماد آدمی ہو، لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اسے تم دیکھ چکے ہو، انہوں نے مجھ سے اپنے عمال کو معزول کر دینے کا مطالبہ کیا ہے اور یہ کہ میں ان تمام باتوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں ترک کر کے ان باتوں کو اختیار کروں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں پس تم پوری قوت خرچ کر کے رائے قائم کرو اور مجھے بتاؤ۔''

ابنِ عامر نے آپ سے کہا:

''امیر المومنین میری رائے آپ کیلئے یہ ہے کہ آپ انہیں اپنے سے غافل کر کے جہاد میں مشغول کر دیں، یہاں تک کہ وہ آپ کے ہو جائیں اور ہر ایک کو اپنی جان کی فکر ہی لگی رہے۔''

سعید رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اپنے سے بیماری کو ختم کریں اور جس بات سے آپ خائف ہیں اس کا قلع قمع کریں، ہر قوم کے لیڈر ہوتے ہیں جب وہ ہلاک ہو جائیں تو لوگ منتشر ہو جاتے ہیں اور کوئی بات انہیں متحد نہیں کر سکتی۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ اچھی رائے ہے کاش یہ اس بارے میں نہ ہوتی۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ امرائے فوج کو حکم دے دیں وہ ان میں سے مقابل میں آنے والے ہر آدمی سے نپٹ لیں گے اور میں شامیوں سے آپ کو بے نیاز کر دونگا۔''

عبداللہ بن سعید نے کہا:

''لوگ حریص ہیں، یہ مال انہیں دے دیں، ان کے دل آپ پر مہربان ہو جائیں گے۔''

پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

"یا امیر المومنین! آپ لوگوں پر بنی اُمیہ کی طرح سوار ہو گئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آپ ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور وہ خود بھی ٹیڑھے ہو گئے ہیں، آپ یا سیدھے ہو جائیں یا معزول ہو جائیں اور اگر آپ کو یہ بات قبول نہیں تو مضبوط عزم کے ساتھ آگے بڑھیے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

"کیا آپ یہ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں؟"

تو عمرو خاموش ہو گئے یہاں تک کہ لوگ متفرق ہو گئے۔ پھر عمرو نے کہا:

"یا امیر المومنین! آپ مجھے بہت عزیز ہیں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ دروازے پر ایک ایسا شخص موجود ہے جو لوگوں کو ہماری ہر بات پہنچا دے گا، میں نے چاہا کہ وہ ان تک میری بات بھی پہنچا دے تا کہ وہ مجھ پر اعتماد کریں پس میں آپ کی طرف بھلائی کو لاؤں گا اور شر کو آپ سے دُور کروں گا۔"

اپنے والیوں سے مشورہ کرنے کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے تو آپ نے ایک اور اجلاس بلایا جس میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور بعض کبار صحابہ حاضر ہوئے اور ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

"آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور آپ کے

افضل ساتھی اور اس اُمت کے امر کے والی ہیں اور آپ کے سوا اس کی کوئی خواہش نہیں کر سکتا، آپ نے اپنے ساتھی کو بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے پسند کیا ہے، اَب وہ عمر رسیدہ ہو گیا ہے اور اگر تم اس کے بڑھاپے کے منتظر ہو تو وہ بھی قریب ہے اس کے باوجود میں یہ امید کرتا ہوں کہ وہ بڑھاپے کو پہنچنے تک اللہ تعالیٰ کو بہت عزیز ہو گا، وہ بات جو تم پر پوشیدہ ہے پھیل چکی ہے، جس چیز کے متعلق تمہیں ناراضگی ہے تو یہ میرا ہاتھ اس چیز کیلئے تمہارے پاس ضامن ہے، لوگوں کو اپنے امر کے مطابق طمع نہ دلاؤ، قسم بخدا اگر انہوں نے اس بارے میں طمع کیا تو سوائے بدنصیبی کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تردید کرتے ہوئے کہا:

"تجھے اس بات سے کیا اور تیری ماں نہ رہے تجھے یہ کس نے بتایا ہے۔"

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہند پر تعریض کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے غضب ناک ہو کر کہا:

"میری ماں کو اپنی جگہ چھوڑ دو، وہ تمہاری ماؤں سے بڑی نہیں، اس نے اسلام قبول کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے، میں جو بات تجھے کہتا ہوں مجھے اس کا جواب دو۔"

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میرے بھتیجے نے دُرست بات کہی ہے، میں آپ کو اپنے بارے میں اور جس وجہ سے مجھے والی بنایا گیا ہے بتاتا ہوں، مجھ سے پہلے میرے دو ساتھیوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہوں نے بھی جو احتساب کرنے میں ان کے راستے پر چلے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے قرابت داروں کو دیتے تھے اور میں ایک ایسے قبیلے سے ہوں جو بڑا عیال دار اور کم معاش ہے، میں جس مقام پر ہوں اس کی وجہ سے میں نے انہیں کھلے ہاتھوں مال دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے یہ کام کرنا چاہیے تھا اور اگر تم مجھے غلطی پر سمجھتے ہو تو اسے واپس کر دو اور میں تمہاری بات کا پابند ہوں گا، تو انہوں نے کہا آپ نے ٹھیک کہا ہے اور اچھا کیا ہے اور یہ مجمع راضی خوشی منتشر ہو گیا۔"

(طبری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے عمال کی سیاست کی برائی بیان کرنے میں دوسرے شہروں نے بھی کوفہ کی پیروی کی۔ رجب ۳۵ھ میں ان عربوں کا جو مصر میں رہائش پذیر تھے، ایک بڑا وفد مدینہ آیا اور انہوں نے دیگر شہروں میں رہنے والے اپنے ہمنواؤں سے بھی خط و کتابت کی ہوئی تھی کہ وہ مدینہ چلیں اور انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ مدینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان باتوں کے متعلق دریافت کرنے جا رہے ہیں جو لوگوں میں شہرت پا رہی ہیں اور ان کے ذمے واجب ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دو آدمی بھیجے۔ ان میں

سے ایک بنی مخزوم میں سے تھا اور دوسرا بنی زہرہ میں سے، کہ وہ ان کے مدینہ آنے کا سبب معلوم کریں۔ جب وہ انہیں ملے تو انہوں نے ان دونوں سے کہا کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ باتیں بتانا چاہتے ہیں جنہیں ہم نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے پھر ہم ان لوگوں کی طرف واپس چلے جائیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اسے ان باتوں پر پختہ کر دیا ہے وہ نہ ان باتوں سے باہر نکلے گا اور نہ توبہ کرے گا۔ پھر ہم حاجیوں کی طرح نکلیں گے اور آگے بڑھ کر اس کا گھیراؤ کر لیں گے اور اسے منصبِ خلافت سے اُتار دیں گے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔ ان دونوں آدمیوں نے جو باتیں ان لوگوں سے سنیں وہ واپس آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بتا دیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:

''اے اللہ! ان لوگوں کو محفوظ رکھ، اگر تو نے ان لوگوں کو محفوظ نہ رکھا تو یہ بدبخت ہو جائیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع ہونے کی دعوت دی تو تمام لوگ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ گئے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور حمد و ثناء کے بعد انہیں ان لوگوں کے متعلق بتایا۔ پھر وہ دونوں آدمی کھڑے ہو گئے جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ آنے والوں کے اغراض کی حقیقت کی دریافت کیلئے بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا انہیں قتل کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی طرف یا کسی اور کی طرف امام کی موجودگی میں دعوت دے اس پر اللہ کی لعنت ہے، اسے قتل کر دو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہم انہیں معاف کرتے اور جواب دیتے ہیں اور مقدور بھر

انہیں دیکھتے ہیں نیز ہم کسی سے دشمنی نہیں کرتے کہ وہ غضب میں آ جائے یا کفر کا اظہار کرے، ان لوگوں نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے انہوں نے ان لوگوں سے ان باتوں کو ایسے ہی سُنا ہے جیسے تم نے، ہاں انہوں نے یہ سوچا کہ وہ ان سے اس لیے مذاکرات کر رہے ہیں کہ وہ ان باتوں کو اس شخص کے پاس جو اِن سے واقف نہیں میرے ذمے لگا دیں گے۔"

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان حملہ آوروں کے الزامات کو بیان کر کے ان کی تردید کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

"انہوں نے اعتراض کیا ہے کہ اس نے سفر میں پوری نماز پڑھی حالانکہ سفر میں پوری نماز نہیں پڑھی جاتی۔ لوگو سنو! میں ایسے شہر میں آیا جہاں میرے اہل وعیال تھے پس ان دو باتوں یا ایسے ہی امور کی وجہ سے میں نے نماز کو پورا پڑھا۔"

لوگوں نے کہا آپ نے ٹھیک کہا ہے۔

پھر آپ نے دوسرے الزام کو بیان کیا اور فرمایا:

"وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی چراگاہ کو لوگوں سے روکا ہے، خدا کی قسم میں نے اپنی چراگاہ کو پہلے بھی نہیں روکا، خدا کی قسم انہوں نے جو چیز بھی کسی کے لیے روکی اہلِ مدینہ اس پر غالب آ گئے پھر انہوں نے اپنی رعیت میں سے کسی کو منع نہیں کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے صدقات پر اکتفا کیا وہ ان کو اس لیے روکتے تھے کہ صدقات کے والیوں اور کسی آدمی کے

درمیان تنازعہ نہ ہو، پھر انہوں نے سوائے ایک درہم لانے
والے کے اور کسی کو نہیں روکا، میرے پاس دو اُونٹنیوں کے
سوائے کوئی اُونٹ نہیں، میں جب خلیفہ بنا اس وقت میں تمام
عربوں سے زیادہ اُونٹوں اور بکریوں والا تھا اور آج میرے
پاس کوئی بکری ہے اور نہ اُونٹ سوائے ان دو اُونٹوں کے جو
میں نے حج کیلئے رکھے ہوئے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے۔''

حاضرین نے کہا بیشک یہ بات ایسے ہی ہے۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان حملہ آوروں کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا اور ان کے الزام کو غلط ثابت کرتے چلے گئے۔ آپ نے فرمایا:

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے حکم بن العاص کو واپس بلایا ہے
حالانکہ اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا اور حکم مکہ کا رہنے
والا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مکہ سے طائف بھجوایا
تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس بلا لیا، پس رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھجوایا اور آپ ہی نے اسے واپس بلایا
ہے، کیا یہ بات ایسے ہی ہے۔''

حاضرینِ مجلس نے کہا بیشک یہ بات ایسے ہی ہے۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے نوجوانوں کو عامل مقرر کیا ہے
حالانکہ میں نے انہیں عامل مقرر کیا ہے جن پر لوگوں نے

اتفاق کیا ہے اور وہ اس ذمہ داری کو اُٹھانے کے قابل ہیں اور لوگ انہیں پسند کرتے تھے اور یہ لوگ انہیں بنانے والے ہیں اور یہ ان کے شہر والے ہیں ان سے دریافت کر لو، مجھ سے پہلوں نے ان سے بھی نوعمر لوگوں کو حکمران بنایا تھا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا (اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اس فوج کی قیادت سونپی تھی جو رُومیوں کے ساتھ جنگ کیلئے جا رہی تھی) تو مجھ سے زیادہ سخت باتیں انہیں کہیں گئیں، کیا یہ صحیح ہے۔"

مسجد میں موجود لوگوں نے جواب دیا: "ہاں"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اُوپر لگائے گئے الزامات کو مسلسل غلط قرار دیتے گئے اور فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہلِ بیت سے محبت کرتا ہوں اور انہیں عطا کرتا ہوں، میری محبت کسی ظلم کی وجہ سے ان کی طرف مائل نہیں کرتی بلکہ میرے اُوپر ان کے حقوق ہیں، جہاں تک عطا کرنے کا تعلق ہے تو میں انہیں اپنے مال سے دیتا ہوں اور میں مسلمانوں کے اموال کو نہ اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور آدمی کیلئے اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اپنے حقیقی مال سے بافراغت بہت بڑا عطیہ دیا کرتا تھا حالانکہ میں ان

دنوں حاسد اور تنگ دل تھا، اب جبکہ میں اپنے اہلِ بیت سے عمر رسیدہ ہوں اور میری عمر ختم ہو گئی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اپنے اہل کو دے دیا ہے تو ملحدین نے یہ باتیں کہیں ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر زائد بوجھ نہیں ڈالا کہ کسی کیلئے یہ بات کرنا مناسب ہو بلکہ میں نے انہیں مال واپس بھجوا دیا، میرے پاس صرف خُمس آئے ہیں اور ان میں سے میرے لیے کوئی چیز لینا جائز نہیں۔"

جو مسلمان مسجد میں اس اجتماع میں شامل تھے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی سیاست کا دفاع کرتے دیکھا اور یہ خیال بھی کیا کہ جس نے انقلاب اور نافرمانی کا علم بلند کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسے قتل کر دینا چاہیے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف کرنے کو ترجیح دی تاکہ وہ اپنے شہروں کو لوٹ جائیں۔ عفو و درگزر کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے نمایاں صفات تھیں۔

مصری اپنے شہر کو واپس لوٹ گئے مگر جلد ہی اسی سال شوال کے مہینے میں مدینہ آ گئے اور اسی وقت کوفہ اور بصرہ سے بھی جماعتیں نکل کر مدینہ کی جانب چل پڑیں اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ حج کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی آدمی ان پر اعتراض نہ کرے۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو مصری وفد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ ان کی بیعت لیں مگر آپ نے انکار کیا اور چلے جانے کا حکم دیا۔ بصرہ کا وفد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے انہیں روک دیا وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹا۔ کوفی وفد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے بھی انہیں ان کے ارادوں

میں ناکام کر دیا۔

انقلابی شہروں کے وفود نے یہ ظاہر کیا کہ وہ واپس جا رہے ہیں تاکہ اہلِ مدینہ متفرق ہو جائیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے پلٹ کر حملہ کیا۔ اہلِ مدینہ ان لوگوں کے اچانک حملہ سے بوکھلا گئے۔ جو لوگ شہر کے اطراف میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کر رہے تھے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کیا کہ جو ہاتھ نہیں اُٹھائے گا اسے امن دیا جائے گا تو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک ان حملہ آوروں سے دریافت کرنے لگا کہ ان کے مدینہ واپس آنے کا سبب کیا ہے۔ مصریوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جواب دیا:

> ''ہم نے ایلچی سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کے متعلق لکھا ہے۔''

بصریوں اور کوفیوں نے بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی بات کی اور مزید یہ کہا کہ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کریں گے اور ان سب کی حفاظت کریں گے۔ طبری نے اس خط کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> ''مصری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلے جانے کے بعد اس لیے واپس لوٹ آئے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اُونٹ پر ایک خط امیرِ مصر کی طرف لے جاتے پایا کہ وہ ان میں سے بعض کو قتل کر دے اور بعض کو پھانسی دے دے۔''

جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ غلام آپ کا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرا غلام ہے جو میرے علم کے بغیر گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ اُونٹ آپ کا ہے؟ آپ نے جواب دیا اس نے اسے میرے گھر سے میری اجازت کے بغیر لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ مہر آپ کی ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر نقش کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ کو خطرہ میں گھرا ہوا پایا اور اپنے آپ کو انقلابی تحریک کے ٹھنڈا کرنے سے عاجز محسوس کیا تو آپ نے شہروں میں خطوط بھیجے جن میں ان سے مدد طلب کی گئی تھی اور ان خطوط میں لکھا کہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے امرِ الٰہی کو پہنچا دیا پھر وہ چلے گئے اور انہوں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا اور انہوں نے ہمارے درمیان ایک کتاب چھوڑی ہے جس میں حلال و حرام اور مقدر امور کا بیان ہے، وہ ان امور کو بندوں کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے باوجود کر گزرے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے پھر مجھے شوریٰ میں بغیر علم اور سوال اور اُمت کے مشورہ کے بغیر شامل کیا گیا، پھر اہلِ شوریٰ نے آپس کے مشورہ اور لوگوں کے مشورہ سے، بغیر میرے کسی مطالبہ اور محبت کے میری خلافت پر اتفاق کیا، میں نے ان میں جو کام کیے وہ انہیں جانتے ہیں اور وہ اس پیروی کرنے والے کا جو پیچھے چلانے

والا نہ ہو، پیروی کرنے والا ہو مبتدع نہ ہو اور بغیر تکلف کے اقتداء کرنے والا ہو، انکار نہیں کرتے، جب امور انتہا کو پہنچ گئے اور شر اپنے اہل پر ٹوٹ پڑا تو بغیر کسی جرم کرنے اور ستانے کے گزری ہوئی باتوں کے متعلق کینہ نمایاں ہو گیا، سوائے خط کے بھیجنے کے، پس انہوں نے امرِ خلافت کا مطالبہ کیا اور بغیر کسی حجت اور عذر کے ایک اور بات کا اعلان کر دیا، انہوں نے مجھ پر اپنی مرضی کے مطابق الزام لگائے اور کئی الزام اہلِ مدینہ کے مشورہ سے لگائے جنہیں دوسرے لوگ دُرست نہیں سمجھتے، میں صبر کرتا رہا اور کئی سال سے اپنے نفس کو ان کے بارے میں روکتا رہا، حالانکہ میں دیکھتا اور سنتا تھا پس وہ اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنے میں بڑھ گئے یہاں تک کہ انہوں نے جوارِ رسول سرزمینِ ہجرت میں ہم پر غارتگری کی اور بدوؤں نے ان سے عہد و پیماں کیے ہیں پس وہ ایام احزاب کی طرح گروہ در گروہ ہیں یا اُحد میں ہم سے لڑنے والوں کی طرح ہیں سوائے اس کے جو وہ بتائیں، اس لیے جو ہم سے ملنے کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہم سے مل جائے۔"

مدینہ میں انقلاب کے پائے جانے کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ مسجد میں پہلے کی طرح لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے آتے رہے۔ ایک روز آپ مسجد میں آئے تو منبر پر بیٹھ گئے پھر حملہ آوروں سے کہا: اے دشمنو! اللہ سے

ڈرو، خدا کی قسم اہلِ مدینہ جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تم پر لعنت کی گئی، اچھے کام کر کے غلطیوں کو مٹاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ بُرائی کو اچھائی کے ذریعے دُور کرتا ہے، تو محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات اسی طرح ہے، حکیم بن جبلہ اس کے درپے ہو گیا اور اسے خاموشی اختیار کرنے اور بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مطالبہ کیا کہ وہ خط ہمیں دکھایا جائے جس کے متعلق حملہ آوروں کا خیال ہے کہ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا اور اپنے والیٔ مصر کی طرف بھیجا ہے لیکن حملہ آور جلدی سے ان کے سامنے کھڑے ہو کر شور وغل کرنے لگے اور انہوں نے لوگوں کو سنگریزے مار مار کر مسجد سے نکلنے پر مجبور کر دیا پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹ کر انہیں سنگریزے مارنے لگے یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو کر منبر پر گر پڑے تو بعض مسلمان آپ کو اُٹھا کر آپ کے گھر لائے۔

جب آپ کو آفاقہ ہوا تو آپ لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں آئے اور بعض روایات کے مطابق آپ بیس یا تیس دن تک مسلسل آتے رہے یہاں تک کہ حملہ آور آپ کے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے اور اپنے لیڈر غافقی بن حرب العکی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ نماز پڑھایا کرے جس کی اطاعت کا مصریوں، بصریوں اور کوفیوں نے اعلان کیا پھر حملہ آوروں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد! اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر انقلاب بپا

نہ کریں پس اللہ سے ڈریئے پھر اللہ سے ڈریئے، آپ دُنیا دار ہو گئے ہیں اور اس کے ساتھ آخرت کا بھی مقصد کرو اور اپنی آخرت کے حصے کو خلط ملط نہ کرو، دُنیا کو اپنے لیے مخصوص نہ کر لو اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو، خدا کی قسم ہم صرف خدا کیلئے ناراض اور راضی ہوئے ہیں اور ہم اس وقت تک اپنی تلواریں اپنے کندھوں سے نہیں اُتاریں گے، جب تک آپ کی طرف سے ہمیں صریح توبہ نامہ نہ ملے۔"

پھر جلد ہی حملہ آوروں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور اپنی طرف سے ایک وفد ان کی طرف بھیجا جب یہ وفد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا تو اس خط پر جو آپ نے والیٔ مصر کو لکھا تھا، ناراضگی کا اظہار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ خط نہیں بھیجا، تو وفد کے ارکان نے آپ سے کہا، ہم پر آپ نے جو بدکردار عامل مقرر کیے ہیں انہیں معزول کیجئے اور انہیں ہم پر عامل مقرر کیجئے جو ہمارے خون اور اموال پر الزام نہ لگائیں اور ہم پر جو مظالم ہوئے ہیں ان کا بدلہ ہمیں دو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا:

"اس بارے میں مجھ پر کوئی الزام نہیں آ سکتا، میں اسے عامل مقرر کیا کرتا تھا جسے تم پسند کرتے تھے اور جسے تم ناپسند کرتے تھے میں اسے معزول کر دیا کرتا تھا، اس صورت میں بات تو تم پر آتی ہے۔"

انہوں نے کہا خدا کی قسم تو ضرور ایسا کرے گا یا تو معزول ہو گا یا قتل ہو گا۔ اپنے بارے میں سوچ لو یا خلافت چھوڑ دو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی

بات قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''جو قمیص مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنائی ہے میں اسے اُتار نہیں سکتا۔''

جب حملہ آوروں نے بات ختم کرنی چاہی تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ یا تو وہ ان مظالم کو ختم کر دیں یا خلافت سے دستبردار ہو جائیں ورنہ وہ انہیں قتل کر دیں گے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اور دوسری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حملہ آوروں کا قیام مدینہ میں طویل ہو گیا اور انہوں نے اس بات کو پورا کرنا چاہا جس کا وہ ارادہ لے کر آئے تھے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ تنگ کر دیا تا کہ وہ انہیں خلافت سے دستبرداری پر مجبور کر سکیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ گمان تک نہ تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی میں کوئی ان کے قتل کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس کی وضاحت آپ کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے اپنے اصحاب سے کہا:

''وہ مجھے کس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون تین وجہ سے بہانا جائز ہے، اوّل یہ کہ کوئی آدمی ایمان کے بعد کفر اختیار کرے یا شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے یا کسی کو ناحق قتل کرے، خدا کی قسم میں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں کبھی زنا نہیں کیا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے میں نے کبھی اس بات کی تمنا نہیں کی کہ میرا

کوئی اور دین ہو اور نہ میں نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے، یہ مجھے کس بات کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں، مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والے حملہ آوروں نے جلد ہی اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے اور آپ کے قتل کیلئے تدبیر شروع کر دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سے انہیں دیکھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا لوگو! مجھے قتل نہ کرو میں حکمران ہوں اور آپ کا مسلمان بھائی ہوں، قسم بخدا میں نے مقدور بھر اصلاح کی کوشش کی ہے خواہ میں نے ٹھیک کیا ہے یا غلط اور اگر تم نے مجھے قتل کیا تو کبھی اکٹھے نماز نہ پڑھ سکو گے اور نہ اکٹھے جہاد کر سکو گے اور نہ تمہاری غنیمت تمہارے درمیان تقسیم ہوگی۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ کو حملہ آوروں نے طول دیا اور وہ آپ سے بدسلوکی بھی کرنے لگے اور آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانے اور نماز پڑھنے سے روک دیا اور آپ کا پانی بھی بند کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیجا کہ میری پانی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مدد دیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خواہش کا جواب دینے میں جلدی کی اور حملہ آوروں کے پاس آ کر کہنے لگے:

"جو تم لوگ کر رہے ہو یہ نہ مومنوں کا کام ہے نہ کافروں کا، اس شخص سے مادی چیزوں کو نہ روکو، رُومی اور ایرانی بھی جب حاکم بن جاتے تھے تو لوگوں کو کھلاتے پلاتے تھے، تمہیں اس شخص سے کیا تعرض ہے، تم کس وجہ سے اس کا محاصرہ کرنا

چاہتے ہو اور قتل کرنا جائز سمجھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں
خدا کی قسم اس میں کوئی خوشی کی بات نہیں کہ اسے کھانے اور
پینے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔"

کہتے ہیں مسلسل چالیس روز تک آپ کا محاصرہ جاری رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حملہ آوروں کو وقتاً فوقتاً فتنہ سے ڈراتے رہے اور آیاتِ الٰہیہ یاد دلاتے رہے مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ آپ اسی کیفیت میں تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی نے جسے نیار بن عیاض اسلمی کہا جاتا تھا آپ کو پکار کر کہا کہ آپ معزول ہو جائیں تو اسے کثیر بن صلت الکندی نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کرنے والوں میں سے ایک آدمی تھا، تیر مارا جس سے وہ مر گیا، حملہ آوروں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ابنِ عیاض کے قاتل کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے قتل کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"میں اس شخص کو قتل نہیں کر سکتا جس نے میری مدد کی ہے
حالانکہ تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔"

پھر جلدی حملہ آور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے اور آپ کے دروازے کو اور اس پر پڑی ہوئی چھت کو آگ لگا دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اصحاب بھی ان سے لڑنے اور انہیں گھر سے روکنے کیلئے نکل پڑے اور دونوں فریقوں کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے ساتھی زخمی ہو گئے اور مارے گئے۔ حملہ آوروں نے اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ عمرو بن حزم انصاری کے گھر کے راستے سے چوری چھپے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

گھر جانے لگے۔ وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن شریف سے سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان میں سے محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی کو پکڑ کر کہا اے بیوقوف بڈھے اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے فعل کو بُرا محسوس کرتے ہوئے فرمایا، میں نعثل نہیں ہوں (نعثل مدینہ کا ایک یہودی تھا جو داڑھی کے لمبا اور گھنا ہونے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھتا تھا) بلکہ اللہ کا بندہ اور امیر المومنین ہوں۔ ابنِ ابی بکر مسلسل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے داڑھی کو کھینچتا اور کہتا رہا، معاویہ تمہارے کسی کام نہیں آیا نہ ہی ابنِ عامر نے تمہیں کوئی فائدہ پہنچایا ہے اور نہ تمہارے خط تمہارے کام آئے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے کہا میرے بھانجے میری داڑھی کو چھوڑ دو تو نے جس چیز کو پکڑا ہے اگر تیرا باپ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ ابن ابی بکر نے جواب دیا کہ اگر میرا باپ تجھے یہ کام کرتے دیکھتا تو وہ تجھے ان کاموں سے منع کرتا اور میں تمہاری داڑھی کو پکڑنے کے سوا تجھ سے اور کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑے صبر اور بہادری سے جواب دیا میں تمہارے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرتا ہوں تو ابنِ ابی بکر نے آپ کی پیشانی پر ایک چوڑے پھل والا تیر مارا پھر کنانہ بن بشر نے ان تیروں کو اُٹھایا جو اس کے ہاتھ میں تھے وہ اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کان کی جڑ میں لگے اور وہاں سے گذر کر آپ کے حلق میں اُتر گئے، پھر اس نے تلوار اُٹھا کر آپ پر ماری، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلوار کی ضرب سے اپنے آپ کو آگے کر کے بچنا چاہا تو تلوار نے آپ کا ہاتھ کاٹ دیا۔ آپ کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا آپ پر اوندھی ہو کر گر پڑیں، ان کے ہاتھ پر تلوار لگی جن سے ان کی اُنگلی کٹ گئی (بعض روایات میں

ہے کہ ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں) سودان بن حمران مرادی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پہلو پر تلوار ماری تو آپ چت گر ے۔ یہ واقعہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے روز رونما ہوا۔ پھر عام لوگوں نے آپ کے گھر پر حملہ کر دیا اور اسے بھی اسی طرح لوٹ لیا جیسے انہوں نے بیت المال کو لوٹا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ حملہ آوروں نے شروع شروع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم کو دفن کرنے کی اجازت نہ دی تو آپ تین روز تک بغیر دفن کے پڑے رہے۔ بعض قریشیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ حملہ آوروں کے پاس جا کر مطالبہ کریں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم کو دفن کرنے کی اجازت دے دیں تو انہوں نے آپ کے دفن کی اجازت دے دی اور آپ کے جنازے پر سوائے مروان بن الحکم، جبیر بن معطم، حکیم بن حزام، ابوجہم بن حذیفہ العدوی، نیار بن مکرم اور آپ کی دو بیویوں نائلہ بنتِ الفرافصتہ اور اُمّ البنین بنتِ عینیہ کے اور کوئی آدمی حاضر نہ ہوا۔ لوگوں کے ایک گروہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازے پر پتھراؤ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا اور لوگ رات کی تاریکی میں حملہ آوروں کی نگاہوں سے پوشیدہ آپ کی نعش کو دفنانے کیلئے جلدی جلدی لے گئے۔

لیکن حقیقتِ حال اس کی تائید نہیں کرتی، تاریخی شواہد اور دلائل اس کا ساتھ نہیں دیتے، آپ کی شہادت اور تدفین کے درمیان صرف چند گھنٹوں کا وقفہ ہے۔ الاصابہ میں ہے:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالحجہ کے آٹھویں روز بروز جمعہ بعد از نمازِ عصر شہید کیا گیا اور ہفتہ کی رات کو مغرب اور عشاء کے

درمیان آپ کی تدفین کی گئی اور یہ تدفین حش کوکب میں عمل میں آئی، یہ وہ باغ تھا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنت البقیع کی توسیع کیلئے خریدا تھا۔"

کوکب ایک صحابی کا نام ہے اور حش ان کے باغ کا نام ہے۔ یہ باغ یہودیوں کے قبرستان کے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے اس باغ میں سپردِ خاک کیا.......... حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے والے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی اور خلافت کی مدت کچھ کم بارہ (۱۲) سال رہی۔

الفصل السادس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ وظیفہ بند کر دیا جو انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے مل رہا تھا۔ نیز ان کا قرآن جلایا گیا اور زدوکوب بھی کیا گیا۔

جواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کی بندش کا جو پسِ منظر ہے جب تک وہ معلوم نہ ہو اس وقت تک حقیقتِ حال سے بے خبری رہے گی۔ اس لیے ہم اس واقعہ کا پسِ منظر بیان کرتے ہیں اور پھر اس کے تاریخی شواہد پیش کریں گے۔

واقعہ یہ تھا کہ مدینہ منورہ سے باہر مختلف شہروں میں ایک اختلاف نے جنم لیا۔ اختلاف یہ تھا کہ کچھ مسلمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأتِ کتاب اللہ کو ترجیح دیتے تھے اور قرآنِ پاک کو اسی کے مطابق پڑھنے پڑھانے پر زور دیتے تھے۔ کچھ دوسرے مسلمان دوسری قرأت کو زیادہ اہمیت دیتے اور اس کی مخالفت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپس میں ان کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ جس کا مفصل ذکر کتاب میں پیچھے آ چکا ہے۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کافی عرصہ سے کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ کوفہ کے گورنر عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اپنا لکھا ہوا نسخہ جمع کرا دیں لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس انکار پر ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی جس کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہ تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انہوں نے بطورِ تنبیہ ان کا وظیفہ بند کر دیا لیکن یہ بندش کسی ذاتی انتقام یا دُشمنی کی بناء پر نہ تھی بلکہ محض اُمتِ مسلمہ کے اتحاد اور اتفاق کی خاطر تھی۔ پھر بھی جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیدل چل کر ان کی عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے اور وظیفہ کے اجراء کی پیشکش کی اور معذرت تک پیش کی۔ اصل واقعہ کو مدِنظر رکھ کر ہر قاری اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر کے کوئی ظلم نہیں کیا۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے اور پوچھا کہ بھائی کیا بات ہے آپ کی طرف سے

کچھ باتیں سننے میں آئی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے وہی کہا ہے جس کا آپ نے میرے ساتھ کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم سے میرے پیٹ کو لتاڑا گیا۔ جس کی تکلیف کی وجہ سے میں ظہر اور عصر میں فرق نہیں کر سکتا۔ تم نے میرا وظیفہ بند کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی ذات کو بطورِ فدیہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جو میں نے تم سے کیا وہی تم میرے ساتھ بھی کر لو تمہیں اس کی اجازت ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں خلفائے راشدین سے بدلہ لینے کا بانی کیوں بنوں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ہے تمہارا وظیفہ اسے لے لو۔ انہوں نے جواب دیا جب مجھے ضرورت تھی اس وقت نہ دیا اب مجھے ضرورت نہیں۔

کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر تھے۔ اس کا جواب ان کے ایک دوست سلمہ بن شقیق اس طرح دیتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیماری کے دوران حاضر ہوا۔ یہ وہ بیماری تھی جس میں ان کا انتقال ہوا تو میں نے آپ کے پاس کچھ لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا چپ ہو جاؤ۔ ان باتوں اور اعتراضات کو چھوڑ دو اگر تم نے عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو پھر ان جیسا تمہیں نہیں ملے گا۔

اسی طرح اسد الغابہ میں ہے کہ:

"زید بن واہب سے اعمش نے روایت کی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کوفہ بھیجا تا کہ وہ وہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام پہنچائے کہ خلیفہ نے

انہیں کوفہ چھوڑ کر مدینہ منورہ آنے کا حکم دیا ہے۔ جب وہ شخص کوفہ پہنچا اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ جمع تھے۔ وہ کہنے لگے آپ یہیں رہیں اگر کوئی آپ کو دُکھ دینے کی کوشش کرے گا تو ہم آپ کا دفاع کریں گے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ پر ان کی اطاعت کرنا لازم ہے اور بہت جلد فتنے اور اختلافات اُٹھنے والے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ہی ان کی ابتداء کرنے والا قرار پاؤں۔ یہ کہہ کر لوگوں کی بات نہ مانی اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے جہاں ۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔"

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے رُکا ہوا وظیفہ لینے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک وقتی ناراضگی کی وجہ سے تھا اور یہ ناراضگی بالآخر ختم ہوگئی۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ ان کا دو سال کا رُکا ہوا وظیفہ جا کر لے آنا اور اسے میری اولاد پر خرچ کرنا۔ اس کی مقدار ایک روایت کے مطابق بیس ہزار درہم اور دوسری روایت کے مطابق پچیس ہزار درہم ہے۔

اعتراض

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے اپنے عزیز واقارب کو عہدوں سے نوازا۔ ان انتظامی غلطیوں کا نتیجہ تھا کہ آپ کو خود بھی خلافت سے ہاتھ دھونے پڑے اور آپ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا۔

جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مملکتِ اسلامیہ بہت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف مصروشام اور افریقہ تک کے علاقے زیرِنگیں تھے اور دوسری طرف ساحلِ مکران تک کا علاقہ زیرِ تصرف تھا۔ اس طویل وعریض رقبہ کے افراد کے حقوق اور تحفظ اور دوسرے انتظامی امور کیلئے دو چار آدمیوں کی ضرورت نہ تھی بلکہ کافی تعداد میں ایسے افراد کی ضرورت تھی جو اِن علاقوں کا انتظام وانصرام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔ تاریخی حقائق اس کی قطعاً تائید نہیں کرتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو ہی عہدوں سے نوازا اور دوسرے حضرات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس بارے میں ایک فہرست دی جا رہی ہے کہ کس کس علاقے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کون کون شخص حاکم تھا۔

- خالد بن عاص مخزومی

  یہ مکہ کے حاکم تھے جو عہدِ فاروقی میں بھی اس عہدے پر فائز تھے۔

- قاسم بن عبداللہ ربیعہ ثقفی

  یہ طائف کے عامل تھے۔

- یعلیٰ بن اُمیہ تمیمی رضی اللہ عنہ (صحابی)

  یہ صنعاء کے عامل تھے اور عہدِ فاروقی سے عہدِ عثمانی تک یہاں کے عامل رہے۔

 عبداللہ بن عامر بن کریز عبشمی

یہ بصرہ کے عامل تھے۔ ان سے پہلے عہدِ فاروقی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہاں کے عامل تھے اور عہدِ عثمانی کے ابتدائی دور میں بھی یہی عامل رہے۔ عہدِ عثمانی کے تیسرے سال انہیں بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن عامر مقرر کیے گئے۔

❁ عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ (صحابی)

یہ جند کے عامل تھے اور عہدِ فاروقی سے یہاں کے عامل چلے آ رہے تھے۔

❁ معاویہ بن ابی سفیان اُموی رضی اللہ عنہ (صحابی)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے عامل تھے۔ عہدِ فاروقی میں دمشق اور اُردن کے عامل مقرر ہوئے تھے۔ عہدِ عثمانی کے شروع میں عاملِ حمص و قنسرین عمیر بن سور بیمار ہو کر مستعفی ہو گئے اور عاملِ فلسطین عبدالرحمٰن بن علقمہ انتقال کر گئے لہٰذا حمص، قنسرین اور فلسطین پر بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کر دیا گیا۔ اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے آپ پورے شام کے علاقے کے گورنر بن گئے اور پھر انہوں نے ماتحت علاقوں پر مختلف لوگوں کو معمور کیا۔

❁ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (صحابی)

آپ کوفہ کے عامل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا دوبارہ عامل مقرر کیا جائے کیونکہ ان کی معزولی کسی خیانت یا کسی برائی کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک کوفہ

کے عامل رہے۔ پھر سعید بن عاص کو وہاں مامور کیا گیا۔ اہلِ کوفہ ان سے خوش نہ تھے لہٰذا انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا حاکم بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی منظوری لے لی۔

❁ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ (صحابی)

آپ قرقیسیا کے عامل تھے۔ آپ کوفہ میں رہا کرتے تھے۔ جب اہلِ کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب وشتم شروع کیا تو یہ قرقیسیا آ گئے اور کہنے لگے کہ میں ایسے شہر میں نہیں رہ سکتا جہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب وشتم ہو۔

❁ اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ (صحابی)

آپ آذربائیجان کے عامل تھے۔ عہدِ فاروقی میں حذیفہ بن الیمان اور عتبہ بن فرقد سلمی جو آذربائیجان کی فتح میں شامل تھے یکے بعد دیگرے وہاں کے عامل رہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو معزول کیا تو اہلِ آذربائیجان نے نقضِ عہد کیا۔ اس لیے ۲۵ھ میں ولید بن عقبہ عاملِ کوفہ مع اشعث بن قیس آذربائیجان بھیجے گئے۔ ولید کی واپسی پر اشعث بطورِ عامل وہیں ٹھہر گئے۔

❁ عتبہ بن نہاس

آپ حلوان کے عامل تھے۔ حلوان عراق میں ایک بڑا آباد شہر تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے اسے ۱۹ھ میں فتح کیا تھا۔

❁ مالک بن حبیب ابومحجن ثقفی

یہ ماہ کے عامل تھے۔ عہدِ جاہلیت اور اسلام میں بڑے شجاع تھے اور

انہوں نے جنگِ قادسیہ میں بھی حصہ لیا تھا۔

❁ نسیر بن ثور عجلی

یہ ہمدان کے عامل تھے۔ نہاوند کے نواح میں نسیر ایک قلعہ کا نام بھی ہے۔ چونکہ اس قلعہ کو انہوں نے فتح کیا اس لیے یہ آپ کے نام پر موسوم ہوا۔

❁ سعید بن قیس

یہ علاقہ رے کے عامل تھے۔

❁ سائب بن اقرع ثقفی

یہ اصفہان کے عامل تھے۔ آپ فتح نہاوند میں شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کا عامل مقرر کیا تھا۔ ایک روز یہ اپنی والدہ ملیکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے سر پر پھیرا۔

❁ خنیس

آپ اسبذان کے عامل تھے۔

❁ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح قرشی عامری

آپ مصر کے عامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت مصر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ دو عامل تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو جنگ کا وسیع تجربہ تھا اور دشمن کے دل میں ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ ان کی معزولی وغیرہ کے اسباب پیچھے کتاب میں ذکر کیے جا چکے ہیں۔

❁ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (صحابی)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب آپ حج پر جاتے تو زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کرتے۔

یہ ان سترہ افراد کی فہرست ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت مختلف شہروں پر متعین و مامور تھے۔ ان سترہ (۱۷) لوگوں میں سے صرف تین عامل ایسے ہیں جن کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری تھی اور وہ یہ ہیں۔

(۱) عبداللہ بن عامر جو بصرہ کے عامل تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد تھے۔

(۲) عبداللہ بن ابی سرح جو مصر کے عامل تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے۔

(۳) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو شام کے عامل تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد تھے۔

اعتراض

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بدکردار عاملوں کی وجہ سے قتل کیے گئے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے داماد کو اپنا میر منشی بنایا جس نے ایسے جھگڑے اور فساد کی بنیاد ڈالی جو آج تک ختم نہ ہو سکا اور اسی کے نتیجے میں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی لوگوں نے قتل کیا۔

جواب

یہ محض الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذمہ دار ان کا داماد مروان نہیں بلکہ ابنِ سبا یہودی ہے۔ عبداللہ بن سبا جس کا مختصر ذکر پیچھے کتاب میں گزر چکا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت

میں مسلمان ہوا۔ یہ کتب سابقہ اور پرانے صحیفوں کا بہت بڑا عالم تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت اس کے دل کو نہ بھائی۔ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی مجالس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائیاں کرتا تھا۔ جب ان حالات کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو فرمایا یہ یہودی کون ہے اسے مدینہ سے نکال دیا جائے۔ یہ مصر آ گیا اور چونکہ عالم اور خوب سمجھدار تھا اس لیے عام لوگوں کی اس کے پاس آمدورفت شروع ہو گئی۔ لوگ اس کی باتوں کا اعتبار کرنے لگے۔ وہ کہنے لگا لوگو! کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اس دُنیا میں دوبارہ آئیں گے جیسا کہ ہماری شریعت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں دوبارہ تشریف نہ لائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے متعلق قرآن میں فرما دیا ہے ''بیشک وہ اللہ جس نے تجھے قرآن دیا وہ تجھے ضرور اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹائے گا۔''

جب عبداللہ بن سبا کی یہ بات لوگوں کے دلوں میں جگہ کر گئی تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس زمین کی طرف بھیجے اور پیغمبر کا کوئی نہ کوئی وزیر اور جانشین ہوتا ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک پیغمبر (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) دُنیا سے تشریف لے جائیں اور اس کا کوئی خلیفہ لوگوں پر نہ رہے اور وہ اپنی اُمت کے معاملہ کو یونہی بیکار چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ مقرر تھے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

''اے علی (رضی اللہ عنہ)! تو میرے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح

موسیٰ علیہ السلام کیلئے ہارون علیہ السلام تھے۔"

اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس منصب پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ناحق طور پر معاملہ مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے محض نفسانی خواہش کے ماتحت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو زبردستی پکڑ کر بیعت کروا دی.......... اس وقت اگرچہ ہمیں اتنی ہمت اور طاقت نہیں کہ عثمان کو زبردستی خلافت سے ہٹا سکیں لیکن اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ عثمان کے کارندوں کو ظلم وستم کی وجہ سے کمزور کرنے کی کوشش کریں اور ان کی بداعمالیاں لوگوں پر واضح کریں اور عوام کے دلوں کو عثمان اور اس کے کارندوں سے برگشتہ کریں۔ لہٰذا انہوں نے مختلف رقعہ جات لکھے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ظلم کی فرضی داستانیں مملکت کے اطراف میں پھیلا دیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صورتحال کو جان لیا۔ مروان بن الحکم نے مختلف شہروں میں جاسوس بھیجے۔ حتیٰ کہ وہ یہ خبر لائے کہ ہر شہر کے امراء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دستبرداری چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کمزور پڑ گئے اور قتل کر دیئے گئے۔ یہ روایت ناسخ التواریخ کی ہے۔

کامل ابنِ اثیر میں ہے کہ عبداللہ بن سبا نے مصر سے اپنے مبلغین مختلف شہروں کی طرف روانہ کیے اور مملکت کے اطراف میں بسنے والے اپنے ہمنواؤں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کیلئے اس کے ساتھیوں نے اپنے ہم خیال لوگوں کی طرف من گھڑت واقعات پر مشتمل خطوط ارسال کرنے شروع کر دیئے۔ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال کے مظالم کی فرضی داستانیں تھیں۔ اس سے ہر

جگہ کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ ہم تو چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن دوسرے علاقے کے لوگ عمال کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ جب اسی طرح کے خطوط مدینہ منورہ بھی آئے تو اہلِ مدینہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو بھی ان امور کی خبر ہے؟ آپ نے فرمایا میرے کارندوں کی طرف سے تو اچھے سلوک کی خبریں آ رہی ہیں۔ بہرحال تم لوگ میرے ساتھی اور خیر خواہ مشیر ہو مجھے مشورہ دو کیا کرنا چاہیے۔ لوگوں نے کہا آپ مختلف لوگوں کو مختلف اطراف میں روانہ کریں تاکہ صحیح صورتحال معلوم ہو سکے۔ آپ نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف روانہ کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی لوگوں کو بھیجا گیا۔ عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سارے لوگ واپس آ گئے اور آ کر اطلاع دی کہ ہم نے وہاں کوئی ظلم وستم نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی نے ایسی شکایت کی ہے۔ البتہ عمار رضی اللہ عنہ نے واپس آنے میں تاخیر کی جس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھے کہ کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے تو اسی دوران عبداللہ بن ابی سرح کا ایک خط آیا جس میں تحریر تھا کہ عمار کو لوگوں نے اپنی طرف مائل کر لیا ہے اور وہ ان سے مل گئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن سودا (عبداللہ بن سبا)، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کے باشندوں کو خط لکھا۔ امابعد! میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنے عمال کا محاسبہ کرتا ہوں۔ اس دفعہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے مجھے اطلاع پہنچائی ہے کہ بعض عمال ظلم وستم ڈھا رہے ہیں اس پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ اس سلسلہ میں حکم ہے کہ جس شخص کو بھی کسی عامل سے کوئی تکلیف پہنچی ہو اور وہ دعویٰ کرنا چاہتا ہو تو وہ حج کے موقعہ پر آئے اور اپنا حق مانگے چاہے

اس کا تعلق مجھ سے ہو یا میرے کسی عامل سے اور اگر بخش دینا چاہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والوں کو جزاء سے نوازے گا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ خط مختلف شہروں میں پہنچا اور لوگوں کے سامنے پڑھا گیا تو عوام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دُعائیں دیں اور رو دیئے۔

کامل ابن اثیر کے علاوہ یہ روایت تاریخ طبری میں بھی موجود ہے۔

اعتراض

جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خوش نہیں تھے۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران آپ کی مدد نہیں کی۔

جواب

امرِ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے کئی مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ انہیں باغیوں کی سرکوبی کی اجازت دی جائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ اس کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ جلیل القدر صحابہ کرام نے اپنے فرزندانِ ارجمند کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور فرمایا اور تاریخ شاہد ہے کہ باغیوں کے حملہ کے وقت یہ افراد بھی زخمی ہوئے جو آپ کے مکان کا پہرہ دے رہے تھے۔ ان کی مزاحمت کی وجہ سے باغیوں کو مکان کے دروازے سے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی اور بالآخر وہ پچھلی دیوار یا چھت کو پھاند کر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے درپے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں اور

کچھ غلاموں کو اسلحہ دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرہ دینے کیلئے بھیجا تا کہ ان کی مدد کی جائے اور باغیوں کو روکا جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد کو اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے صحابہ کرام نے اپنے اپنے فرزندان کو اسی مقصد کی خاطر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہرہ دینے کیلئے متعین فرمایا۔ باغیوں نے تیراندازی شروع کر دی جس سے لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کا سر پھٹ گیا اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے لوگ بھی زخمی ہو گئے۔ اس سے باغیوں کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ بنواُمیہ اور بنو ہاشم میں تعصب پیدا نہ ہو جائے.......... جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں بیٹوں سے پوچھا جب تم دونوں دروازے پر مامور تھے تو پھر تمہاری موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیونکر شہید ہو گئے۔ یہ کہہ کر حضرت حسن کے منہ پر طمانچہ مارا اور حسین کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا۔ ادھر محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا گیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بھی ملامت کی گئی۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چاہیں تو میں ان کی مدد کرنے پر تل جاؤں اور باغی قوم کو ان کے قریب تک نہ آنے دوں۔ یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی اجازت حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم اس قوم کے ساتھ جنگ کرو اور ان پر فتح حاصل کرنے کی

کوشش کرو۔ میں نے جو روزہ رکھا ہے اس کی افطاری حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ کر کروں گا۔

اسی طرح طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے عثمان! باہر دروازے پر انصار کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم پہلے کی طرح اب بھی آپ کیلئے تیار ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہرحال میں لڑائی پر خوش نہیں۔

اسی طرح کی روایت البدایہ والنہایہ میں بھی موجود ہے۔ البدایہ والنہایہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی نعش پر آئے۔ حتیٰ کہ آپ ان پر گر پڑے اور اس قدر روئے کہ لوگوں نے سمجھا شاید قریب المرگ ہو گئے ہیں۔

الفصل السابع

فقہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور بہت سے قبائل و ممالک کے لوگ اسلام کے اندر داخل ہوتے گئے تو مسلمانوں کو ایسے بہت سے امور و مسائل سے واسطہ پڑا جو اس سے قبل موجود نہیں تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ دوسرے جیّد صحابہ کرام کی طرح جو باقاعدہ کسی مسئلہ پر فتویٰ دیتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایک اعلیٰ پایہ کے مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ آپ نے بہت سے مسائل میں ضرورت کے مطابق احکامات جاری کیے مثلاً نمازِ جمعہ کیلئے دو اذانیں، قرآن کو کتابی شکل میں جمع کرنا اور دوسرے تمام صحائف تلف کرنا، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع وغیرہ ایسے کام تھے جن کا اس سے پہلے وجود نہیں تھا۔ یہ باب ایسے ہی مسائل سے مزین کیا گیا ہے جو آپ کے دورِ خلافت میں آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے قیاس و مشورہ سے رائج کیے یا ان پر عمل کرتے تھے۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ یہاں مختصر طور پر اس باب میں بیان کیا جا رہا ہے۔

وضو

✿ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند تھی کہ کسی کی مدد لیے بغیر وضو کے تمام افعال خود سرانجام دیں۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کے وقت اُٹھتے اور خود وضو کرتے۔ آپ سے کہا گیا کہ کسی خادم کو حکم کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا مجھے یہ بات پسند ہے کہ وضو خود ہی کروں۔

✿ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ آپ نے پانی کا برتن منگوایا۔ اپنی دو ہتھیلیوں پر تین دفعہ پانی ڈال کر انہیں دھویا، پھر برتن کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا پھر تین دفعہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا اور پھر تین مرتبہ دایاں ہاتھ اور تین مرتبہ بایاں ہاتھ (کہنیوں تک) دھویا، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر انہیں تر کیا اور سَر اور کانوں کا مسح کیا اور اس کے بعد پاؤں دھو لیے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوئے پھر فرمایا: ''وضو کے متعلق مسئلہ پوچھنے والے کہاں ہیں؟ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

✿ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے میں وضو ایک عبادت ہے اس لیے آپ وضو کے دوران کلام کو مکروہ سمجھتے تھے خواہ یہ کلام سلام کا جواب دینا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے آپ کا معمول یہ تھا کہ جب وضو کے دوران کوئی

شخص آپ کو سلام کرتا تو جب تک وضو سے فارغ نہ ہو جاتے جواب نہ دیتے تھے۔ آپ فرماتے: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔''

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وضو کے بعد جسم کو خشک کرنا جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک بار وضو کرنے کے بعد چہرے کو رومال سے خشک کیا بلکہ وہ بالعموم ایسا کیا کرتے تھے۔
- مسواک کرنا ایک مسنون عمل ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہتمام کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ وہ نمازِ جمعہ کی تیاری کے دوران مسواک کرنا بھول گئے۔ جب وہ خطبہ دینے کیلئے منبر پر تشریف لے گئے تو انہیں یاد آیا کہ انہوں نے مسواک نہیں کی چنانچہ آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں مسواک کرنا بھول گیا ہوں۔ اس کے بعد آپ منبر سے اُترے، جا کر مسواک کی اور پھر واپس منبر پر تشریف لا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔
- جب مسلمان وضو کرے تو اسے چاہیے کہ چہرہ دھوتے وقت داڑھی کا خلال کرے۔ ابووائل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کے دوران اپنی داڑھی میں خلال کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔''

قرآن

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ

بن الیمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو قرآن کی تلاوت میں مختلف اقوام کے اختلاف نے انتہائی فکرمند کر دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مسلمانوں میں قرأتِ قرآن کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ جیسے اختلافات پیدا ہونے سے قبل اس کا تدارک فرمائیں۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے وہ قرآن جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے جمع کیا تھا ایک نسخے کی صورت میں یکجا کر کے میرے پاس بھجوا دیں۔ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قرآنِ مجید کو صحیفے کی شکل میں یکجا کریں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اگر کسی لفظ کے متعلق تمہارا اور زید رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآنِ مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ آپ نے اس کے سات (۷) نسخے تیار کروائے اور انہیں مکہ معظمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ میں بھیج دیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔

ذکرِ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک حقیقی ذکر وہ ہے جس کے نتیجے میں دل میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو۔ اس لیے آپ کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی شخص باقاعدگی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو یہ چیز اس کی طہارتِ قلبی کی دلیل ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہمارے دل پاکیزہ ہوں تو وہ اللہ کے ذکر سے نہیں اکتا سکتے۔

نماز

✿ نماز فرض ہے اور دین میں اس کی وہی حیثیت ہے جو جسم انسانی میں سر کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نماز کے سوا کسی دوسرے فرض کو ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

✿ نماز کا آغاز ''اللہ اکبر'' کے الفاظ سے ہوتا ہے اور اصطلاح میں اسے تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی ''دعائے ثناء'' پڑھتا ہے جسے نماز کی افتتاحی دُعا بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی نماز کا آغاز اسی سے فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد نمازی ''اَعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' پڑھے گا لیکن سِری طور پر۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ یہ روایت تواتر کا درجہ رکھتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں ''بسم اللہ'' اُونچی آواز سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔ امام بیہقی اپنی سنن میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز کا آغاز ''الحمد للہ'' سے کرتے تھے، نہ اس سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھا کرتے تھے اور نہ اس کے بعد۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں نہ تو سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھتے تھے اور نہ ''سورۂ فاتحہ'' کے بعد دوسری سورۂ شروع کرتے ہوئے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ یہ سب حضرات اپنی نمازوں کا آغاز الحمد للہ سے کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے نماز میں اپنے بیٹے کو

بلند آواز سے ''بسم اللہ'' پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ بیٹے دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے اجتناب کرو۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ان میں سے کسی کو بلند آواز سے ''بسم اللہ'' پڑھتے نہیں سنا۔

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں سورتیں پڑھنے میں ترتیب کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ اگر وہ پہلی رکعت میں کوئی سورۃ پڑھتے تو دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورۃ پڑھتے۔ امام زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر ایک رکعت میں دو سورتیں بھی پڑھیں اسی طرح سائب بن یزید کی روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر ایک رکعت میں قرآنِ کریم کی سات طویل سورتیں پڑھی تھیں۔
- جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت بلکہ سنت سے بھی بڑھ کر ہے۔ البتہ اضطراری حالت مثلاً سفر یا بارش وغیرہ کے موقع پر اس میں رخصت کی گنجائش ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر جمعہ کے روز شدید بارش کی وجہ سے موذن کو یہ حکم دیا کہ جب تم ''حی علی الفلاح'' کہہ چکو تو اس کے بعد یہ کہنا کہ نہیں تم اپنے اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کرو۔ اس پر لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کس بنیاد پر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو مجھ سے بہتر تھے ایسا کرنے کا حکم دیا۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز کے دوران صفیں سیدھی رکھنے کے شدید خواہش مند تھے اور اس کام کیلئے کچھ لوگوں کی خاص طور پر ڈیوٹی لگایا کرتے تھے

اور اس وقت تک نماز شروع نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ لوگ صفوں کے سیدھا ہونے کی اطلاع نہیں دے دیا کرتے تھے۔ ائمہ حدیث نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے ایک موقعہ پر اپنے خطبہ میں فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو تو صفیں سیدھی کر لیا کرو اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرو۔ بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کی تکمیل ہی کا حصہ ہے۔

- امام عبدالرزاق یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرأت خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔ امام عبدالرزاق ''القرأۃ خلف الامام'' کے عنوان کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ امام کی قرأت کو خاموشی سے سننے والے شخص کو نہ سن سکنے کی صورت میں بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا ثواب سن سکنے والے شخص کو ملتا ہے۔

- بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دورانِ سفر نماز میں سفر کے وجوب کے نہیں بلکہ صرف جواز کے قائل تھے لہٰذا جو شخص سفر میں نماز کو قصر کرنا چاہے، قصر کرے اور جو مکمل نماز پڑھنا چاہے مکمل پڑھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض حجوں میں منٰی میں قیام کے دوران نمازِ قصر ادا کی اور بعض حجوں میں منٰی میں قیام کے دوران پوری نماز ادا کی۔ بعض علماء کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دورانِ سفر نماز کو قصر کرنا واجب سمجھتے تھے۔ جہاں تک ان کی منٰی میں پوری نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں شادی کرنے کے بعد وہاں کچھ عرصہ کیلئے باقاعدہ قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

- امیر کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائے لیکن اگر کسی وجہ سے وہ خود نہ پڑھا سکے تو پھر کوئی بھی مسلمان باجماعت نماز پڑھا سکتا ہے۔
- اسلامی ریاست میں کوئی شخص اپنی صلاحیت اور اخلاص کی بناء پر کسی منصب کا استحقاق رکھتا ہے تو محض غلام ہونے کی وجہ سے اسے اس منصب سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یہ چیز اس کی نماز کی امامت کرانے کی راہ میں بھی حائل نہیں ہوگی چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک سیاہ فام غلام تھا جسے انہوں نے "ربذہ" کے علاقے میں گورنر مقرر کیا تھا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نمازِ جمعہ اور دیگر نمازیں اس کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔

جہاد

جہاد کے فرض ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نقطہءنظر سے جہاد کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

- اگر کوئی ایسی قوم جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو اور وہ مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دے تو اس کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسکندریہ کی معاہدہ شکنی پر ۲۵ھ میں ان کے خلاف جہاد کیا تھا۔
- اسی طرح اگر کسی ایسی قوم کی طرف سے جس کے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ ہو اور وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو ان سے بھی جہاد

کیا جائے چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ۲۴ھ میں آذربائیجان اور آرمینیا کے لوگوں نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی تو ولید بن عقبہ نے ان سے باقاعدہ جنگ کی۔

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک میدانِ جنگ سے فرار گناہِ کبیرہ ہے۔
- اگر عورت بہادر ہو یا اس کو جہاد کا سابقہ تجربہ ہو تو وہ جہاد کیلئے اپنے مردوں کے ساتھ دُشمن ملک کا سفر کر سکتی ہے۔

زکوٰۃ

- زکوٰۃ سے مراد صاحبِ زکوٰۃ شخص کا اپنے مال میں سے ایک مقررہ مقدار ادا کرنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔
- نقد رقوم، اموالِ تجارت، زرعی پیداوار اور مویشیوں پر زکوٰۃ کے بارے میں حکومت کا اتفاق ہے۔
- یہ بات تاریخی اعتبار سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں وصول کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں لیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں یہی معمول تھا لیکن بعد میں شام کے متقی لوگوں کی ایک جماعت نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کے گورنر تھے درخواست کی کہ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں پر بھی زکوٰۃ لیا کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اس سلسلے میں رہنمائی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا لیکن آپ نے بھی انکار کر دیا۔ اس پر وہ لوگ خود

مدینہ منورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ہمارے اموال چونکہ گھوڑوں اور غلاموں پر مشتمل ہیں اس لیے آپ ہم سے ان کی زکوٰۃ بھی وصول کیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ایسے کسی مال پر زکوٰۃ وصول نہیں کرنا چاہتا جس پر مجھ سے پہلے زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے صحابہ کرام سے اس بارے میں مشورہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اگر ان اموال پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان کے دلوں میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اس کی حیثیت باقاعدہ ٹیکس کی نہیں ہونی چاہیے جو آپ کے بعد بھی لیا جاتا رہے۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس دس درہم فی گھوڑا اور فی غلام کے حساب سے زکوٰۃ وصول کرنا شروع کر دی اور اس کے بدلے میں ہر گھوڑے کی خوراک کیلئے دس جریب ماہانہ اور ہر غلام کیلئے دو جریب ماہانہ غلّہ ادا کرنا منظور فرما لیا۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس دور میں اپنے گھوڑوں پر باقاعدگی سے زکوٰۃ دیا کرتے اور اپنے گھوڑوں پر واجب الادا زکوٰۃ خود لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے نہ تو کسی کو گھوڑوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور نہ کسی کو اس سے باز رہنے کا اور جو شخص بھی اپنے گھوڑوں کی زکوٰۃ ادا کیا کرتا تھا اسے اس کے گھوڑوں کی خوراک کیلئے اسی مقدار میں غلّہ دینے کا اہتمام کرتے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں مقرر کی گئی تھی۔

✿ زکوٰۃ فطر سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جو صاحبِ حیثیت شخص اپنے

مال میں سے رمضان کے مہینے میں صدقہ فطر کی نیت سے کسی غریب شخص کو ادا کرتا ہے۔ ہر صاحب حیثیت شخص کو اپنے اور اپنے ان متعلقین کی طرف سے جن کا فطرانہ اس کے ذمے ہے کھجور اور جو کی صورت میں ایک صاع اور گندم کی صورت میں نصف صاع صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا صدقہ فطر میں ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم ادا کرنی چاہیے۔

توبہ

✿ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان گناہوں سے بیزار ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ سے تمام گناہ بشمول قتل معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بیہقی کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یا امیر المومنین! میں نے قتل کا ارتکاب کیا ہے کیا اس کے باوجود میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں سورۂ غافر کی ابتدائی آیات پڑھیں جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''حم۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو بڑا زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کو اسی کی

طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

اس کے بعد اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم اچھے اعمال کرتے رہو اور مایوس نہ ہو۔"

زیارتِ قبور

✿ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مُردوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے کہ اس میں عبرت کا بڑا سامان ہوتا ہے۔ خود جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے پوچھا جاتا کہ جنت و دوزخ کی یاد سے تو آپ کو رونا نہیں آتا لیکن قبر کو دیکھ کر آپ رو پڑتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ فرماتے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ جو شخص اس منزل سے بچ نکلا تو اس کیلئے اگلی منزلیں زیادہ آسان ہو جائیں گی اور جو شخص اس منزل سے بچ کر نہ نکل سکا تو اس کی اگلی منزلیں اس کیلئے زیادہ مشکل ہو جائیں گی۔

شوریٰ

✿ شوریٰ کی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص معاملے میں اہلِ علم اور صائب الرائے حضرات کی رائے معلوم کی جائے۔ اسلامی حکومت کے سربراہ اور قاضی دونوں کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ پیش آنے والے معاملات میں اہلِ علم و صائب الرائے حضرات سے مشورہ کریں چنانچہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے خلفائے راشدین کی طرح امورِ خلافت میں اہلِ علم وصائب رائے صحابہ کرام سے کثرت سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے پاس دو فریق کوئی مقدمہ لے کر آتے تو وہ ان میں سے ایک فریق سے یہ کہتے کہ علی رضی اللہ عنہ کو بلائیں اور دوسرے کو کہتے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا لائیں۔ جب یہ حضرات تشریف لے آتے تو دونوں فریقوں سے کہتے کہ اب تم لوگ اپنا مقدمہ پیش کرو۔ جب وہ لوگ مقدمہ پیش کر چکتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان حضرات کی طرف رُخ کر کے فرماتے کہ آپ حضرات اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اگر ان کی رائے ان کی اپنی رائے کے مطابق ہوتی تو فوراً فیصلہ نافذ کرتے۔ بصورتِ دیگر اس معاملے پر غور وفکر فرماتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جب فریقین وہاں سے اُٹھتے تو فیصلے کو تسلیم کر چکے ہوتے۔

سحر

(جادو)

- جادو حرام ہے اور اس کا کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں دوسروں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اور دوسرا اس لیے کہ جادو کرتے ہوئے منہ سے ایسے الفاظ نکالنے پڑتے ہیں جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں اس لیے اس جرم کے ارتکاب کی سزا قتل ہے۔ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور کا واقعہ ہے کہ اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے ان پر جادو کر دیا اور اس کے بعد اپنے اس جرم کا اعتراف بھی کر لیا۔ اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ ایک ایسی عورت کے معاملے میں اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار نہ کریں جس نے ان پر جادو کیا اور پھر اپنے جرم کا اعتراف بھی کر لیا۔ یہ بات سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس ناپسندیدگی کا اظہار عورت کے قتل پر نہیں فرمایا تھا بلکہ اس بات پر فرمایا تھا کہ انہوں نے اقامتِ حدود کے اختیار کو جو صرف خلیفہ کا حق ہے اپنے طور پر استعمال کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے بھی اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا پر ایک ایسی عورت کے معاملے میں جس نے ان پر جادو کیا اور پھر اپنے جرم کا اعتراف بھی کر لیا اظہارِ ناپسندیدگی نہ کرنے سے یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ اس جرم کے ارتکاب پر سزا کا حکم بالکل واضح ہے اور یہ کہ ایسی عورت کے قتل کا مستحق ہونے کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی چیز مصنف ابنِ ابی شیبہ کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملے پر اظہارِ ناپسندیدگی اس لیے فرمایا کہ اس عورت کو ان کی اجازت کے بغیر قتل کیا گیا تھا۔

خاتم (انگوٹھی)

اس سے مراد ایسی انگوٹھی ہے جسے آرائش کی غرض سے یا بطور مہر استعمال کرنے کیلئے اُنگلی میں پہنا جاتا ہے۔ مرد کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ چاندی کی انگوٹھی استعمال کرے اور اس پر کوئی عبارت بھی کندہ کرائے۔ یہ بات قطعیت سے ثابت شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جس انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ کروا رکھا تھا وہ چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ یہ انگوٹھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ ۳۰ھ میں آپ کے ہاتھ سے یہ انگوٹھی ''اریس'' نامی کنوے میں گر گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس انگوٹھی کو تلاش کرانے کیلئے خاصی رقم بھی خرچ کی لیکن اس کے باوجود یہ انگوٹھی دستیاب نہ ہو سکی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کی ایک اور انگوٹھی بنوائی اور اس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ کروائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ انگوٹھی بھی کہیں گم ہوگئی اور پھر نہ مل سکی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک سے زیادہ انگوٹھیاں بنوا رکھی تھیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ اور بیوی اُمِ عمرو رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسی انگوٹھی بھی تھی جس پر انہوں نے ''امنت بالذی خلق فسوّی'' کے الفاظ کندہ کروا رکھے تھے۔ انگوٹھی کا بائیں ہاتھ کی اُنگلی میں پہننا بھی جائز ہے حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

حلی

✿ حلی سے مراد سونے چاندی اور قیمتی پتھروں سے تراش کر زیب و زینت کیلئے بنائی گئی اشیاء ہیں جیسے زیوارت وغیرہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآنِ کریم کی زیبائش و آرائش کیلئے سونے چاندی وغیرہ کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے دورِ خلافت میں بعض لوگوں نے اپنے مصاحف کو سونے چاندی وغیرہ سے آراستہ کر رکھا تھا۔ ولید بن مسلم راوی ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آیا قرآن کے نسخوں کو سونے چاندی سے آراستہ کیا جا سکتا ہے؟ تو انہیں نے مجھے قرآنِ کریم کا ایک ایسا نسخہ نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ میرے والد نے اپنے والد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ جن حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں قرآنِ کریم کی جمع و تدوین کا کام کیا تھا انہوں نے قرآنِ کریم کے بعض نسخوں کو سونے چاندی سے آرائش و تزئین کا اہتمام بھی کیا تھا۔

رؤیا (خواب)

✿ خواب کی تعبیر کرنا جائز ہے۔ صحابہ کرام بشمول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالعموم خواب کی تعبیر کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اُمِ ہلال بنتِ وکیع رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ جب بیدار

ہوئے تو فرمانے لگے کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے عرض کیا امیر المومنین ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ آج رات آپ روزہ ہمارے ہاں افطار کریں گے۔

خلع

- خلع کیلئے عدالت سے رجوع کرنا ضروری نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جو واقعات پیش آئے ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلع میاں بیوی کے درمیان اتفاقِ رائے سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے عدالت میں جانا ضروری نہیں۔
- بیہقی سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک شخص کی بیوی نے عدالت میں جائے بغیر اس سے خلع حاصل کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے جائز ٹھہرایا تھا۔
- خلع کی حیثیت طلاق کی ہے یا فسخ نکاح کی۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مؤقف کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خلع کی حیثیت فسخ نکاح کی ہے طلاق کی نہیں۔ اس لیے کہ کوئی عورت اپنے خاوند سے خلع حاصل کرتی ہے تو اس پر طلاق کا اطلاق نہیں ہو گا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلع خود طلاق ہے لہٰذا اگر کوئی شخص خلع کے موقع پر اس بات کا تعین بھی کر دیتا ہے کہ اس کے نزدیک اس خلع سے کتنی

طلاقیں مراد ہیں تو اس سے اتنی طلاقیں ہی واقع ہوں گی لیکن اگر وہ تعین نہیں کرتا تو پھر اس سے صرف ایک طلاق ہو گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک ایسی خاتون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی جسے اس کے شوہر نے مارا تھا۔ اس خاتون نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گذارش کی کہ اگر میرا شوہر مجھے طلاق دے دے تو میں اس کا لیا ہوا مہر واپس لوٹا دوں گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو بلایا اور اس کی بیوی کی پیشکش کے بارے میں بتایا تو اس نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے کہا کہ خلع حاصل کرنے کے بعد اَب تم جا سکتی ہو لیکن اس خلع سے صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُم بکر اسلمیہ حضرت عبداللہ بن اسید کی بیوی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا لیکن بعدازاں وہ خود بھی نادم ہوئیں اور ان کے شوہر بھی چنانچہ ان کے خاوند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں پورا واقعہ سنایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے طلاقوں کی تعداد متعین نہیں کی تھی تو یہ صرف ایک طلاق ہے لہٰذا انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔ راوی کے اس قول سے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خلع کی صورت میں طلاق رجعی وارد ہوتی ہے بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ خلع سے طلاقِ بائن واقعہ ہوتی ہے۔ البتہ چونکہ دونوں میاں بیوی کو ندامت ہو رہی تھی لہٰذا انہوں نے رجوع پر باہم اتفاق کر لیا یعنی دوبارہ نکاح پر راضی ہو گئے۔

حمل کی مدت

✿ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایسی خاتون کو پیش کیا گیا جس کے ہاں چھ ماہ میں بچے کی ولادت ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اس عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ کا عرصہ لگ گیا۔" جبکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری ہے "اور مائیں اپنے ایسے بچوں کو جن کے باپ انہیں مدتِ رضاعت کی تکمیل تک دودھ پلوانا چاہتے ہیں پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ ان ارشاداتِ ربانی کی روشنی میں مدتِ حمل چھ ماہ بنتی ہے اس لیے اس عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کے پیچھے ایک آدمی کو بھجوایا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اسے رجم کیا جا چکا ہے۔

الخمر (شراب)

✿ شراب عقل کو ماؤف کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں انسان لایعنی اور بیہودہ کام کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بات دُہرایا کرتے تھے کہ شراب سے بچا کرو۔ اس لیے کہ شراب تمام برائیوں

کی جڑ ہے۔ سنن نسائی اور بیہقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے۔

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ مشہور روایت ہے کہ آپ نے شراب نوشی کے مرتکب شخص کو چالیس کوڑوں کی سزا دی اور اہانت اور تذلیل کیلئے اسے جوتوں اور کپڑوں کے سروں سے مارا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی برسوں میں اسی طریقہ کار پر عمل درآمد جاری رکھا۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انہوں نے صحابہ کرام کے مشورہ سے اس سزا کو بڑھا کر اسّی (۸۰) کوڑے کر دیا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک لوگ اس سزا کو معمولی سمجھتے تھے اور اپنی عادتِ بد سے باز نہیں آتے تھے۔

- جہاں تک حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے ان سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے شراب نوشی پر چالیس کوڑوں کی سزا دی اور یہ بھی کہ انہوں نے اس پر اسی کوڑوں کی سزا دی۔ لیکن یہ کچھ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ کمی بیشی اپنی مرضی کی بناء پر کرتے تھے بلکہ وہ شراب پینے والے کی کیفیت کی بناء پر کرتے تھے۔ جو شخص لغزش کی بناء پر شراب پیتا تھا وہ اسے عادی شرابی کے برابر سزا نہیں دیا کرتے تھے چنانچہ جو شخص لغزش کی بناء پر پہلی بار شراب پیتا اسے وہ چالیس کوڑوں کی سزا دیتے اور جو شخص شراب کا عادی ہوتا اس کو اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دیتے۔

حد

- حد سے مراد وہ مخصوص سزا ہے جو کسی مخصوص جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔ حدود کا قیام بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ حق صرف امام ہی صحیح طور پر پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن زید پر جنہوں نے اس لونڈی کو قتل کر دیا تھا جس نے اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادو کیا تھا۔ شدید ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔ اس باز پرس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس لونڈی کو ان کی اجازت کے بغیر قتل کیا گیا تھا۔

- امام کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ حد قائم کرنے کی ذمہ داری نیابتاً کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ پر شراب پینے کے جرم میں حد قائم کرنے کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دی تھی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دی لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری نبھانے سے معذرت کر دی جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ یہ ذمہ داری عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گنتی کرتے رہے۔

- خلیفہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ حد قائم کرنے کے وقت خود بھی موقع پر موجود رہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ کس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

ایک موقع پر حد قائم کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا۔

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر ضروری ہو تو مجرم کو بیک وقت حد اور تعزیر دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شراب کے عادی ایک شخص کو یہ دونوں سزائیں دیں۔ چالیس کوڑے حد کے طور پر لگائے گئے اور چالیس کوڑے شراب نوشی پر اس کے اصرار کی وجہ سے تعزیر کے طور پر لگائے گئے جبکہ لغزش سے شراب نوشی کا ارتکاب کرنے والوں کو کبھی چالیس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہیں دی۔
- تعزیر ایسے طریقے سے دینا چاہیے جس کے نتیجے میں مجرم ارتکابِ جرم سے باز آ جائے اور اس کا انحصار قاضی کے اجتہاد پر ہے۔

حمام (کبوتر)

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں کبوتر بازی کی وبا عام ہو چکی تھی اور اس کے نتیجے میں کئی دوسرے مسائل بھی پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً واجبات و فرائض کی ادائیگی وغیرہ میں غفلت اور بے پرواہی، وقت کا بلا مقصد ضیاع یا کبوتروں کو اُڑانے کی غرض سے مکانات کی چھتوں پر چڑھنے سے لوگوں کے گھروں کے پردے کا متاثر ہونا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خلاف جو کبوتر بازی میں مشغول تھے سخت کارروائی کا فیصلہ کیا۔ آپ نے کبوتروں کو ذبح کر دینے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے خود

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطبہء جمعہ کے دوران (آوارہ) کتوں کو مار دینے اور کبوتروں کو ذبح کر دینے کی تلقین کرتے ہوئے سنا۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بنی لیث کے ایک شخص کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ کبوتروں کے پَر کاٹ دیا کرے تا کہ وہ اُڑنے کے قابل نہ رہیں۔

بدعت

✿ دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرنا جو دین کے اصول و مبادی کے منافی ہو اور اس کے مقاصد سے بھی مطابقت نہ رکھتی ہو بدعت کہلاتی ہے۔ البتہ اگر یہ بات دین کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہو تو ایسی صورت میں اس پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوگا چنانچہ اسی مفہوم کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پہلے دو خلفاء کے دَور کے مقابلے میں ایک مزید اذان کا اضافہ کیا۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اذان دینے کا بنیادی مقصد چونکہ لوگوں کو نماز کے بارے میں آگاہ کرنا ہے اور مدینہ منورہ چونکہ اب وسعت اختیار کر چکا ہے لہٰذا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دی جانے والی اذان سے مدینہ منورہ کے دُور دراز حصوں کے رہنے والے لوگوں کو آگاہ کرنے کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ پہلے ایک اذان محلہ زوراء میں واقع ان کے مکان کے چھت پر دی جایا کرے اور پھر اس کے بعد دوسری اذان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تا کہ لوگوں کو آگاہ کرنے کا وہ مقصد پورے طور پر حاصل ہو سکے جس کیلئے اذان کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اور صحابہ کرام

میں سے کسی نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو بدعت قرار نہیں دیا۔

خضاب

✿ خضاب سے مراد بالوں یا ہاتھوں کو مہندی سے رنگنا مراد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بالوں میں مہندی لگایا کرتے تھے چنانچہ صلت رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک سیاہ رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے خطبہ دیتے دیکھا اور انہوں نے اپنے بالوں میں مہندی لگا رکھی تھی۔

کلب (کتا)

✿ کتوں کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم ایسے کتے جنہیں باقاعدہ تربیت دی گئی ہو اور ان سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہو، مثلاً شکاری یا رکھوالے کتے۔ اس طرح کے کتے انسان کے ایسے اموال کے ضمن میں آتے ہیں جنہیں ہاتھ لگانا اور نقصان پہنچانا حرام ہے۔ ایسے کتے پالنا جائز ہے اور جو بھی انہیں نقصان پہنچائے گا وہ اس کا تاوان ادا کرے گا۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دَور میں ایک شخص نے ایک شکاری کتے کو ہلاک کر دیا۔ کتا بہت عمدہ اور بے مثال تھا۔ اس کی قیمت آٹھ سو درہم لگائی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جرمانے کی یہ رقم ہلاک کرنے والے پر ڈال دی۔ اسی طرح آپ نے ایک دفعہ ایک شخص

پر کتے کو ہلاک کرنے پر اس کی قیمت کے برابر بیس اُونٹ جرمانہ کیا تھا۔

اس کے علاوہ کسی دوسری صورت میں کتے کا پالنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص انہیں ہلاک کر دے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا۔

تمت

شجرہ ہائے جسمانی ساداتِ بنی رُقیہ رضی اللہ عنہا

۱۔ امام عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ امام زین العابدین

۳۔ امام محمود

۴۔ سلطان اوحام

۵۔ امام کاشف

۶۔ امام قاسم

۷۔ سلطان ہیبت

۸۔ سلطان مونا خان

۹۔ سلطان نوروز خان

۱۰۔ سلطان فتح خان

۱۱۔ سلطان جمال خان

۱۲۔ سلطان تاج الدین

۱۳۔ سلطان سنگار خان

۱۴۔ سلطان دریا خان

۱۵۔ سلطان مرزا خان

۱۶۔ سلطان کمال الدین خان

۱۷۔ سلطان شاہ خان

۱۸۔ سلطان مرزا خان

۱۹۔ سلطان مظفر خان بانی مظفر آباد ۱۶۵۲ء (۱۰۶۲ھ)

شجرہ حضرت شیخ جمال الدین فرغانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ عبدالرحیم
۲۔ عبدالغنی محمود
۳۔ عبدالستار محمد
۴۔ عبدالرؤف تاج الدین علی
۵۔ سلطان عبدالقادر زکریا
۶۔ سلطان عبدالصمد یحییٰ
۷۔ سلطان عبدالمجید قاسم
۸۔ سلطان عبداللطیف عمر
۹۔ سلطان عبدالرزاق خالد
۱۰۔ سلطان عبدالخالق محمود
۱۱۔ سلطان عبدالرحیم احمد
۱۲۔ شیخ جمال الدین محمد الفرغانی
۱۳۔ بی بی پاکدامن، زوجہ شیخ بدرالدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۔ شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ

☆ مندرجہ بالا شجرہ مفصل طور پر کتابی شکل میں پہلی مرتبہ خدا بخش نقشہ نویس نے لکھا ہے۔
اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ میں اسٹیم پریس راولپنڈی میں شائع ہوا۔

نصائح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

○ حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام بدیاں وابستہ ہیں۔
○ بعض اوقات جرم کو معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے۔
○ گناہ کسی نہ کسی صورت میں دِل کو بے چین رکھتا ہے۔
○ اللہ ربُّ العزت کے سوا کسی سے کوئی اُمید نہ رکھو!
○ حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا، ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔
○ نعمت اور عافیت کے ہوتے ہوئے زیادہ طلبی بھی شکوہ ہے۔
○ زبان دُرست ہو جائے تو دِل بھی دُرست ہو جاتا ہے۔
○ سب سے زیادہ خطاوار وہ ہے جسے دُوسروں کی برائیاں کرنے کی فرصت ہو!
○ بہتر ہے کہ دُنیا تجھے گناہگار جانے بہ نسبت اس کے کہ تُو اپنے رَبّ کے نزدیک ریاکار ہو۔
○ مت رکھ اُمید کسی سے مگر اپنے رَبّ سے!
...... اور مت ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے!
○ تعجب ہے اس پر جو جنت پر ایمان رکھتا ہے اور پھر دُنیا کے ساتھ آرام پکڑتا ہے۔
...... تعجب ہے اس پر جو شیطان کو دُشمن جانتا ہے، اور پھر اس کی اطاعت کرتا ہے۔
○ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بہت زیادہ خطرناک ہے۔
○ حاجتمند غرباء کا تمہارے پاس آنا خدائے پاک کا انعام ہے۔
○ تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری گفتار کا رُوح پر!
○ جس نے دُنیا کو جس قدر پہچانا اسی قدر اس سے بے رغبت ہوا۔
○ تم دُنیا میں آکر یہاں کے صبح وشام دیکھ چکے ہو۔ یاد رکھو! فریب دینا دُنیا کی سرشت میں داخل ہے۔

- ○ ہر وہ کام ''دُنیا'' ہے جس سے آخرت مقصود ہو۔
- ○ دُنیا صرف کمزور کی کُنجی ہے، بہترین شخص وہ ہے جو دُنیا کے بجائے خدا پر بھروسا کرے!
- ○ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے اسے تنہائی سے اُنس ہو جاتا ہے۔
- ○ انسان تقدیر الٰہی کا قائل ہونے کے باوجود جانے والی چیز کا غم کرتا ہے۔
- ○ ہر قوم کو ایک سردار کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور اس کی تنظیم برقرار رکھتا ہے۔
- ○ بے کار ہے وہ لمبی زندگی جو اعمالِ حسنہ کی پونجی سے محروم ہو۔
- ○ عالموں اور زاہدوں کی امیروں کے ساتھ نشست و برخاست ریاکاری ہے۔
- ○ اگر کوئی کمزور آدمی مظلوم ہے تو میں اِنشاء اللہ تعالیٰ طاقتور کے مقابلے میں اس کا حامی رہوں گا۔
- ○ اگر تُو گناہ کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو!
- ○ اپنے گناہوں کے علاوہ کسی سے نہ ڈرو!
- ○ ظالموں اور ان کے متعلقین سے معاملہ مت کر!
- ○ ایسی بات نہ کہو جو اس شخص کی سمجھ میں نہ آئے جس سے تم گفتگو کر رہے ہو۔
- ○ تعجب ہے اُس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو دُنیا کو فانی جانتا ہے اور پھر اس کی رغبت رکھتا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو حساب کو حق جانتا ہے اور پھر مال جمع کرتا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو دوزخ کو حق جانتا ہے اور پھر گناہ کرتا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو اللہ تعالیٰ کو حق جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ رکھتا ہے۔

...... تعجب ہے اُس پر جو جنت پر ایمان رکھتا ہے اور پھر دُنیا کے ساتھ آرام پکڑتا ہے۔

- ○ ضائع ہے وہ عالم جس سے علم کی بات نہ پوچھیں......

وہ ہتھیار جس کو استعمال نہ کیا جائے......

وہ مال جو کارِ خیر میں شروع نہ کیا جائے......

وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے......
وہ مسجد جس میں نماز نہ پڑھی جائے......
وہ نماز جو مسجد میں نہ پڑھی جائے......
وہ اچھی رائے جس کو قبول نہ کیا جائے......
وہ مصحف جس کی تلاوت نہ کی جائے......
وہ زاہد جو خواہش دُنیا دِل میں رکھے......
وہ لمبی عمر جس میں توشہ نہ لیا جائے۔

○ تواضع کی کثرت نفاق کی نشانی اور عداوت کا پیش خیمہ ہے۔
○ دُنیائے فانی کی لذتیں لینے سے عالمِ باقی کے اجر و ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔
○ باوجود نعمت و عافیت موجود ہونے کے زیادہ طلبی بھی شکوہ ہے۔
○ علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔
○ اپنا بوجھ خلقت میں سے کسی پر نہ رکھ، خواہ کم ہو یا زیادہ۔
○ ایک پرہیزگار فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔
○ خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔
○ دوسروں کا بوجھ اُٹھانا عابدوں کی عزت کا تتمہ ہے۔
○ دُنیا اللہ تعالیٰ کی سرائے ہے۔ جو آخرت کے مسافروں کیلئے وقف ہے۔ اپنا توشہ لے اور جو کچھ سرائے میں ہے، اس کا لالچ نہ کر!
○ فقیر کا ایک درہم صدقہ بہتر ہے غنی کے لاکھ درہم صدقہ دینے سے۔
○ جنت کے اندر رونا عجیب ہے، اور دُنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔
○ جس خوشبو کا تجھے حق نہیں ہے، اس سے ناک بند کر لے کہ اس کی خوشبو بھی اس کی منفعت ہے۔
○ اگر آنکھیں روشن ہیں تو ہر روز، روزِ حشر ہے۔
○ عیالدار کے اعمال مجاہدین کے اعمال کے ساتھ آسمان پر جاتے ہیں۔
○ اُمراء کی تعریف کرنے سے بچ، کہ ظالم کی تعریف سے غضبِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔
○ ترغیب دلانے کی نیت سے اعلانیہ صدقہ دینا خفیہ سے بہتر ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھنا افضل ترین ایمان ہے۔
○ متواضع دُنیا و آخرت میں جو چیز چاہے گا، پوری ہوگی۔
○ جانورت اپنے مالک کو پہچانتا ہے، لیکن انسان اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔
○ بدگو تین آدمیوں کو مجروح کرتا ہے۔ اوّل: اپنے آپ کو۔ دوم: جس کی برائی کرتا ہے۔ سوم: جو اس کی برائی سنتا ہے۔
○ قضا پر رضا دُنیا کی جنت ہے۔
○ جو اپنی جوتی آپ گانٹھ لیتا ہے، غلام کی عیادت کرتا ہے، اپنے کپڑے دھو لیتا ہے اور ان میں پیوند لگا لیتا ہے، وہ غرور اور تکبر سے پاک اور بَری ہے۔
○ لوگ تمہارے عیبوں کے جاسوس ہیں۔
○ تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری گفتار کا رُوح پر!
○ بڑا خطاوار لوگوں میں وہ ہے جس کو لوگوں کی برائیوں کا ذکر کرنے کی فراغت ملی ہو۔
○ مسلمانوں کی ذلت اپنے دین سے غافل ہو جانے میں ہے نہ کہ بے زر ہونے سے۔
○ حق پر قائم رہنے والے مقدار میں کم ہوتے ہیں مگر منزلت واقتدار میں زیادہ۔
○ جس شخص کو سال بھر تک کوئی تکلیف یا رنج نہ پہنچے، پس وہ جان لے کہ مجھ سے میرا ربّ ناراض ہے۔
○ جو شخص التجائے نگاہ کو نہیں سمجھ سکتا، اس کے سامنے اپنی زبان کو شرمندہ نہ کر!
○ نعمت کا نامناسب جگہ خرچ کیا جانا ناشکری ہے۔
○ عمدہ لباس کے حریص! کفن کو یاد رکھ۔ عمدہ مکان کے شیدائی! قبر کا گڑھا مت بھول۔ عمدہ غذاؤں کے دلدادہ! کیڑے مکوڑوں کی غذا بننا یاد رکھ۔
○ اگر میں رات کو سو جاؤں اور صبح کو نادم اُٹھوں تو یہ مجھ کو زیادہ پیارا ہے، اس سے کہ تمام شب بیدار رہوں اور صبح کو مُعجب اُٹھوں۔
○ جب زبان اصلاح پذیر ہو جاتی ہے، قلب بھی صالح ہو جاتا ہے۔
○ تُو کتنا بھی مفلوک الحال ہو، لیکن مغلوب الحال نہ ہو۔
○ اے انسان! اگر تو معبودِ حقیقی کی پرستش نہیں کرنا چاہتا تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی استعمال نہ کر!

اِس کتاب میں درج ذیل علمائے کرام کے مضامین شامل کیے گئے ہیں

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سید پیر مہر علی شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مفتی محمد تقی عثمانی
مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ	سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر اسرار احمد
امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک
حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ	حافظ زبیر علی زئی
علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	مولانا حافظ خان محمد قادری
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	بطلِ حریت آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

بک کارنر کے بانی و ناشر ”شاہد حمید“ کی برسوں کی محنت

بُک کارنر شورُوم

بالمقابل اقبال لائبریری
بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977, 621953 موبائل 0323-5777931